وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ

# اصحاب احمد

## جلد سوم

(طبع ثانی بعد اضافہ)

مؤلفہ

ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے

شائع کردہ

صلاح الدین ملک ایم۔اے قادیان (پنجاب) بھارت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

# عرضِ حال طبع اوّل

## سوانح مرتّب کرنیکی ضرورت

سیّدنا حضرت رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلم جیسے نبی کی بعثت کی خبر تمام صحفِ سابقہ میں دی گئی تھی۔ آپ عین وقت پر مبعوث ہوئے اور آپؐ نے ایک انقلاب برپا کرکے ایک نیا آسمان اور ایک نئی زمین پیدا کردی۔ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے شجرہ طیبہ کو ہر موسم میں پھل لانے والا اور سدابہار قرار دیا ہے اور اس کی تجدید کے لئے ہر صدی کے سر پر مجدّد پیدا کرنے کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اس تعلق میں اٰخَرِیۡنَ مِنۡھُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡابِھِمۡ کی پیشگوئی کے مطابق آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ کی خبر دی گئی تھی۔ جو اپنے وقت پر مسیح موعود مہدی معہود سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات کی بعثت سے پوری ہوئی۔

اس وقت جبکہ آنخضرت صلعم کی پیشگوئی کے عین مطابق اسلام کا فقط نام ہی باقی رہ گیا تھا اور مساجد ویران ہو رہی تھیں اور نورِ ایمان کی جگہ کفر وعصیان نے گھیر لی تھی اور ہر بدی ایک تناور درخت بلکہ یوں کہیں کہ ایک تلاطم خیز سمندر کی شکل اختیار کرچکی تھی۔ ایسے تناور درختوں کا استیصال اور بحرِ ذخار کا مقابلہ سہل امر نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ ظَھَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ کی حالت پیدا ہونے پر قدرت کے دستِ غیب کی امداد ہی مشکل کشائی کرتی ہے اور انسانی تدابیر اوّل تو سوجھتی نہیں اگر سوجھیں بھی تو آسمانی پانی کے بغیر نتیجہ خیز نہیں ہوتیں۔

سو اِن حالات میں جب کہ ہر قوم پکار رہی تھی کہ کوئی مصلح ربّانی آنا چاہیئے تا ان کی ڈوبتی ہوئی نیّا کو پار لگائے موعود اقوام عالم مبعوث ہوئے اور کشتی نوح ہماری نجات کے

لئے لائے۔

حضورؐ نے کیا انقلاب پیدا کیا؟اس کا سب سے بڑا جواب پاکبازوں کی وہ جماعت ہے جن کو گواغیار اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ کہتے ہوں۔لیکن یہی لوگ حقیقی مومن اور راستباز ہیں اوران میں سے ہرایک کی زندگی ایک مفتوح کتاب ہے جس میں حضور کی معجزنمائی نظر آتی ہے۔ وہ ایک آئینہ ہے جس میں حضورؐ کی اپنی مطہّر حیات کا عکس دکھائی دیتا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ اس مقدس گروہ کے سوانح حیات محفوظ کئے جائیں ،قبل ازیں حضرت عرفانی صاحب نے ایک نادر خزینہ جمع کیا ہے۔کچھ عرصہ سے خاکسار بھی اِس امر میں تگ ودَو کررہا ہے۔اس کام کی تکمیل میں احباب بہت کچھ مدد دے سکتے ہیں۔ اوّل جو صحابہؓ وفات پاچکے ہیں یا زندہ ہیں اُن کے سوانح خاکسار کو تحریر کرکے ارسال فرمائیں۔ دوم جو کتب شائع ہوں ان کو خریدیں تاکہ جلد از جلد کتب شائع کرکے مواد محفوظ کردیا جائے۔ ہردو امور کی طرف سیدّ نا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ ۱۹۵۵ء میں خاکسار کا ذکر کرکے توجہ بھی دلائی تھی۔

ذیل میں محترم خان صاحب منشی برکت علی صاحب شملوی ان کی والدہ محترمہ اور ان کی اہلیہ محترمہ گویا تین صحابیوں کے سوانح درج کئے جاتے ہیں۔ یہ سوانح خان صاحب محترم سے حاصل ہوئے ہیں۔حوالجات تنگئی وقت کے باعث خاکسار زیادہ تلاش نہیں کرسکا۔مضمون کی تدوین میں آپ کے عزیز محترم شیخ خورشید احمد صاحب نائب مدیر الفضل نے بھی میری مدد فرمائی ہے۔فَجَزَاہُ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْجَزَاء.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡد

# عرضِ حال طبع دوم

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ حَمۡدًا کَثِیۡرًا کہ خاکسار بفضل اللہ تعالیٰ وعونہٖ اصحاب احمد جلد سوم کے طبع ثانی کی توفیق پا رہا ہے۔ طبع اوّل میں یہ جلد محترم خان صاحب منشی برکت علی صاحبؓ شملوی کی زندگی میں ۱۳۳۶ہش بمطابق ۱۹۵۷ء میں شائع کی گئی تھی۔ اور آپ، آپ کی والدہ ماجدہ اور آپ کی اہلیہ محترمہ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل تھی۔ چونکہ خاکسار نے اس وقت اسے بہت جلدی میں مرتّب کیا تھا۔ اس لئے متعدد امور تشنہ رہ گئے تھے۔ خاکسار نے حسبِ توفیق اب اُن کی تکمیل کر دی ہے۔ اور چونکہ کتاب کا حجم بہت چھوٹا تھا اور وہ صرف اڑتالیس صفحات پر مشتمل تھی۔ اس لئے اب خاکسار نے محترم بابو فقیر علی صاحبؓ اور محترم شیخ فضل احمد صاحبؓ بٹالوی دو بزرگان کے سوانح حیات بھی اس جلد میں شامل کر دئے ہیں۔

احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ خاکسار کو اصحاب احمد کے کام کی تکمیل کی توفیق عطا کرے اور اسے خاکسار کے لئے بھی اجر وذُخر کے رنگ میں بہت مبارک کرے اور ہم سب کو ان بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی قوّت عطا کرے۔ اور جو صحابہ کرام زندہ ہیں ان کو تا دیر سلامت رکھ کر اس مبارک دور کو ممتد فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

خاکسار اصحاب احمد کے اہتمام وانصرام کے تعلق میں اخویم چوہدری محمد صدیق صاحب ایم اے دارالرحمت شرقی ربوہ اور اخویم مرزا فتح دین صاحب ربوہ اور عمزاد ملک مبارک احمد صاحب ارشاد حال مقیم کراچی کا بے حد ممنون ہے۔ فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَحۡسَنُ الۡجَزَاء.

| بیت الدُّعاء | خاکسار |
| --- | --- |
| دارالمسیحؑ قادیان بھارت | ملک صلاح الدین |
| یوم الجمعہ | وکیل المال وسیکرٹری انجمن احمدیہ تحریک جدید |
| بتاریخ ۲۶ تبوک ۱۳۴۸ہش | ورکن انجمن احمدیہ وقفِ جدید |

مطابق ۲۶ رستمبر ۱۹۶۹ء
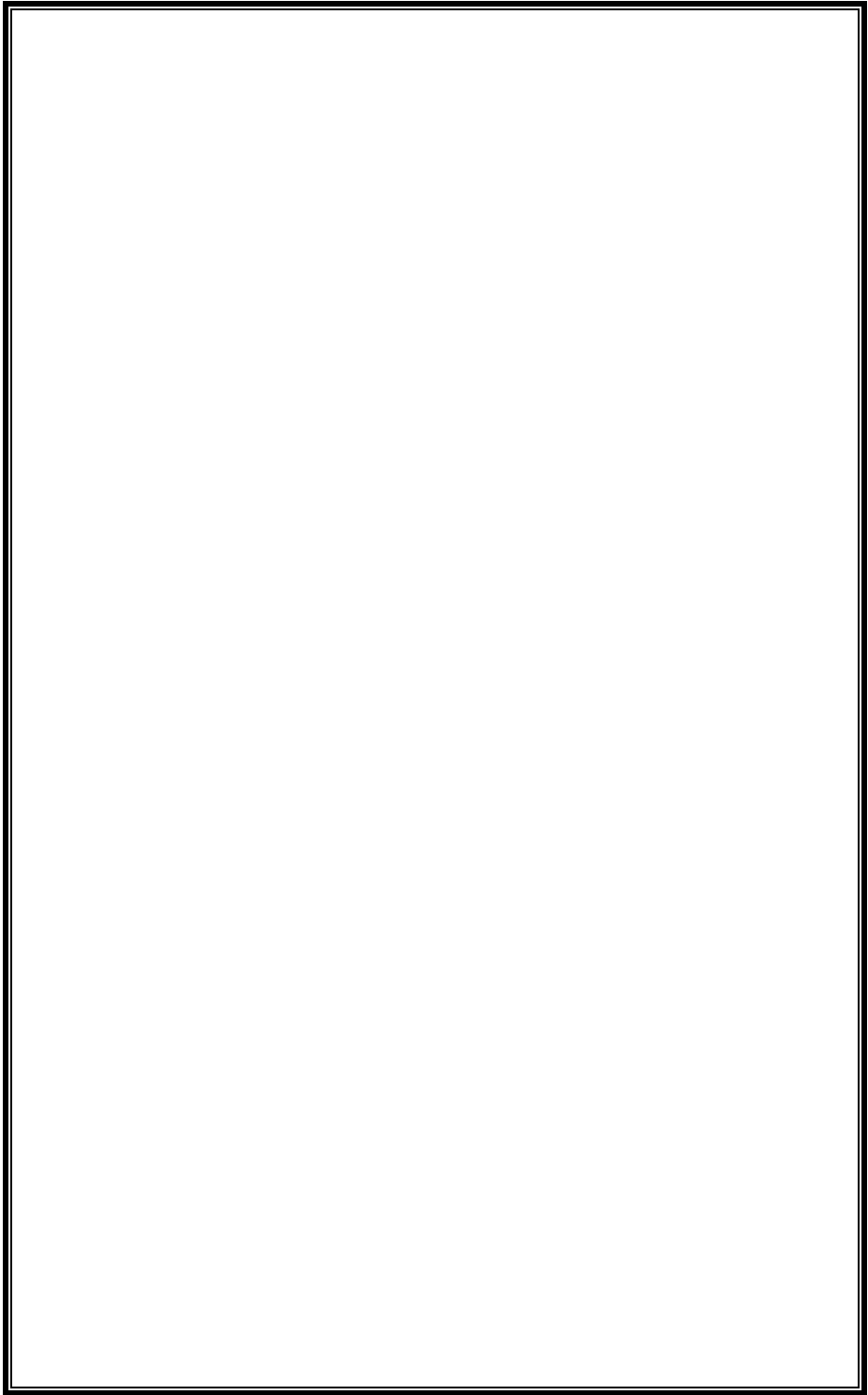
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡد

# بابو فقیر علی صاحب رضی اللہ عنہ

## مختصر تعارف

حضرت بابو فقیر علی صاحبؓ نے جو ضلع گورداسپور کے باشندہ تھے۔سندھ سے جہاں آپ ریلوے میں ملازم تھے ۱۹۰۵ء کے اواخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی۔ اور دوبار قادیان آکر زیارت کی۔ ۱۹۲۸ء میں قادیان تک ریل گاڑی جاری ہونے پر آپ اوّلین سٹیشن ماسٹر مقرر ہوئے۔بعمر قریباً اسّی ۸۰ سال ۱۴ دسمبر ۱۹۵۹ء کو آپ نے وفات پائی۔قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔اور ربوہ میں مدفون ہوئے۔آپ کی سیرۃ کے درخشندہ پہلو یہ تھے کہ آپ احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے سچّے فدائی عابد و زاہد۔ باجماعت نماز اور تہجّد کا التزام کرنے والے۔ دینی مطالعہ کے شائق۔منکسر المزاج۔ رشوت خوری کے بحرِ عصیاں میں گھرے رہنے کے باوجود سختی سے اس سے اور کسبِ حرام سے بلکہ مال ومنال سے نفور۔ سیر چشم۔ قناعت پسند۔عُسر میں بھی انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے۔ملازمت کے مفوضہ فرائض کی ادائیگی دیانتداری۔ جرأت مندی اور بااصول طور پر کرنے والے۔تحریکاتِ سلسلہ میں حسبِ استطاعت بڑھ بڑھ کر حصّہ لینے والے۔نہایت مستعدی کے ساتھ بے باک تبلیغ کا جوش رکھنے والے بزرگ تھے۔اور دل بہ یار و دست بہ کار کا ایک عجیب نمونہ تھے۔رضی اللہ عنہ۔☆

☆: آپ کے سوانح میں جو بیان کردہ امور کسی کی طرف منسوب نہیں کئے گئے۔وہ آپ کے مرقومہ قلمی حالات سے اخذ کئے گئے ہیں۔آپ نے تین کاپیوں وغیرہ پر حالات تحریر کئے تھے۔جو مجھے آپ کے فرزند مکرم میاں بشیر احمد صاحب (امیر جماعتہائے احمدیہ ضلع جھنگ) سے ملیں۔ان میں تکرار یا ایک جگہ اختصار اور دوسری جگہ تفصیل اور کسی کسی مقام پر معمولی سا اختلاف ہے۔خاکسار نے کتاب ہذا میں حسب ضرورت

# خاندانی کوائف۔وطن اور ولادت

## حضرت بابو فقیر علی صاحبؓ نے دفتر صدر قانون گو گورداسپور میں ملازم ہونے پر

بقیہ حاشیہ: اختصار وغیرہ کیا ہے۔

قلمی کاپیوں وغیرہ کی تاریخِ تحریر کے متعلق تفصیل درج ذیل ہے:

(۱): ایک کاپی پر ساڑھے دس صفحات میں کچھ حالات درج کئے ہیں اور اس کے آغاز میں لکھا ہے کہ ۱۳ مارچ ۱۹۴۹ء کو حالات قلمبند کرنے شروع کئے ہیں۔

(۲): اوراق کی شکل میں سوا نو صفحات لکھے ہیں۔ وہاں کوئی تاریخ آغاز یا اختتام درج نہیں۔ البتہ ذیل کے امور سے تاریخ یا عرصۂ تحریر کا اندازہ ہوتا ہے۔(۱): قادیان سے ہجرت کا ذکر ہے گویا ۱۹۴۷ء کی آخری سہ ماہی سے قبل نہیں لکھی گئی۔(ب): اہلیہ دوم کا ذکر ہے (۱۹۱۶ء)

(ج): مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو ''آنجہانی'' لکھا ہے۔(مولوی ثناء اللہ صاحب کی تاریخ وفات ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء بحوالہ سیرت ثانی ۲۹۹)

(۳): ایک کاپی میں سوا سینتالیس صفحات پر حالات رقم کئے ہیں۔ اس میں بھی کوئی تاریخ درج نہیں۔ البتہ صفحہ ۴۱ پر حضرت ملک مولا بخش صاحبؓ اور حضرت چوہدری اللہ بخش صاحبؓ مالک اللہ بخش سٹیم پریس قادیان ہردو کو ''مرحوم'' لکھا ہے۔(ہردو کی تاریخ ہائے وفات علی الترتیب ۲۷ یا ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۰ء (بحوالہ اصحاب احمد جلد اوّل) اور ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۷ء (بحوالہ الفضل ۱۱ اکتوبر ۵۷) ہیں۔ نیز صفحہ ۴۶ پر مولوی عبد المنان صاحب (پسر حضرت خلیفہ اوّلؓ) کے فتنہ کا ذکر ہے۔ اور ان کا اخراج از جماعت اگست ۱۹۵۶ء کا ہے۔

کاپی کے صفحات گیارہ بارہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اوّلین زیارت کا حال درج کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''آج زائد از پچاس سال کے بعد ان سطور کو لکھتے (ہوئے) سوہنی وجدانی کیفیت قلب میں پا رہا ہوں۔''

گویا صفحات گیارہ بارہ ۱۹۵۵ یا ۱۹۵۶ء یا قدرے اسکے بعد تحریر کئے گئے ہیں اور صفحہ ۴۱ تک پہنچتے پہنچتے اکتوبر ۱۹۵۷ء ہو چکا تھا۔

بندوبست اراضی ۱۸۶۵ء کے ریکارڈ میں اپنے خاندان کے شجرہ میں یہ امر مرقوم پایا کہ آپ کے دادا کے ایک بھائی نے خاندان کی چھتیس چالیس گھماؤں جدی اراضی واقعہ موضع سوچانیاں ضلع گورداسپور کے متعلق افسر بندوبست کو یہ بیان دیا تھا کہ بار بار بیگار اور معاملہ کی ادائیگی وغیرہ کی وجہ سے بحالات حاضرہ ہمارے لئے اراضی سنبھالنا مشکل ہے۔ چنانچہ یہ اراضی ایک کھتری خاندان کے نام درج کردی گئی۔ بابو صاحب بیان کرتے ہیں کہ قریب میں سکھ حکومت تبدیل ہوئی تھی۔ دیہات میں غربت۔ ملازمت۔ وحشت بیگار اور آثارِ ظلم نمایاں تھے۔ یہ موضع ہندوکھتریوں کا تھا۔ جس کے قریب موضع کوٹلہ چاہلاں تحصیل وضلع گورداسپور میں آپ کے والدین محترم میاں شادی ومحترمہ کریم بی بی سکونت پزیر تھے۔ یہ موضع چاہل ہندوجاٹوں کا تھا۔ اور اس ذات کے متعدد مسلمان گھرانے بھی وہاں آباد تھے۔ بابوصاحب کے جدّ اللہ بخش ولد خدا بخش ولد امام بخش (یا امام بخش ولد خدا بخش بابوصاحب عندالتحریر سرکاری شجرہ کی یہ بات بھُول گئے) کے جدّ امجد سدھرنام جوگل جاٹ زمیندار ہندوقوم سے اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔ سدّھرگل خاندان علاقہ دریائے راوی۔ رمداس اور علاقہ سیالکوٹ میں آباد ہیں۔

بابو صاحب کی ولادت ماہ پھاگن مطابق ماہ فروری میں ۱۸۸۲ء یا ۱۸۸۴ء میں موضع کوٹلہ مذکور میں ہوئی تھی اور والدہ صاحبہ کے بیان کے مطابق چلّہ نہا کر ایک میل کے فاصلہ پر چھینہ ریلوے سٹیشن سے گورداسپور کے لئے روانہ ہوئی تھیں۔ اور امرتسر، پٹھانکوٹ یا امرتسر، گورداسپور ریل گاڑی غالباً پہلے ہی روز یا قریب میں جاری ہوئی تھی۔ گورداسپور شہر سے تین میل کے فاصلہ پر موضع گاڈریاں میں آپ کے نانا حکیم صوبا سکونت پذیر تھے۔ جو مع دوبرادران وہاں چالیس گھماؤں اراضی کے مالک تھے حکیم صاحب قرآن مجید ناظرہ کے علاوہ گورمکھی میں طبّ پڑھے ہوئے تھے۔ اور ریاست چمبہ کے ایک رئیس کے کامیاب علاج کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے۔ ☆

---

☆: آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ ریل ۱۸۸۲ء میں جاری ہوئی تھی۔ نیز یہ کہ میری پیدائش ماہ پھاگن ۱۸۸۲ء ہے۔ شائد پھاگن ۱۸۸۴ء ہو۔ اور تعلیمی شوق سے داخلہ سکول کے واسطے عمر زیادہ لکھادی گئی ہو۔ آپ کی بیان کردہ روایات میں آپ کی ولادت ۱۸۷۹ء درج ہے۔ اس ریل کی اجراء کی تاریخ طبع ثانی تک

## وَالدین کی طرف سے نیک تربیّت

بابو صاحب کے والد ماجد اپنے گاؤں میں ذی عزّت شخصیت تھے۔اور آپ کی دلیری اور جرأت مندی مشہور تھی۔آپ سے آپ کے بھائی مرعوب تھے۔بلکہ موضع اوجلہ نزد گورداسپور میں اپنے بھائی میاں منگو کے معاملات اور ان کے تنازعات رفع کرنے انہی کے ذمہّ تھے۔نیز اپنے خاندان کے کام دونوں میاں بیوی سرانجام دیتے تھے۔ایک دفعہ آپ کے ایک بھائی رات کو آرہے تھے۔کہ ان کا نام پکار کر آوازیں دی گئیں کہ آؤ تمہیں دُودھ دہی دیں۔وہ سمجھے کہ چڑیل ،بھوت کی آوازیں ہیں اور وہ اس صدمہ سے بیمار پڑ گئے۔بوڑھی والدہ اور بیوی جسم دبا رہی تھیں کہ آپ گھر پہنچے اور یہ ماجرا سُن کر سخت جوش میں آگئے۔آپ نے اپنے بھائی کا لحاف اُتار کر دور پھینک دیا۔اسے پکڑ کر بٹھلا دیا۔اور کہنے لگے۔چرواہے لڑکوں نے تمہیں ڈرا دیا اور تم بخار لئے پھرتے ہو۔چڑیل ،بھوت کہاں ہیں؟ چنانچہ اس طرح آسیب زدہ وہمی صدمہ سے نجات پا گیا۔اور اس کا بخار فوراً اُتر گیا۔

ان کی دلیری کے دو اور واقعات بھی معروف تھے۔ایک تو یہ کہ چلتے ہوئے ان کے مُنہ سے ’’ہُوں۔ہُوں‘‘ کی آواز نکلتی تھی۔جو رات کو زیادہ اونچی ہوجاتی تھی۔ایک دفعہ نصف شب کے قریب آپ سفر سے واپس آرہے تھے۔آپ کے گاؤں کا ایک چور گُل شیر نام اس وقت موضع گھمن خورد کی مَڑھیوں میں بیٹھا روشن چِتا پر مکّی کے بُھٹے بُھون کر کھا رہا تھا۔اردگرد مکّی اور کماد کی فصلیں ایستادہ تھیں۔گُل شیر نے دُور سے آپ کی آواز سُنی تو یقین جانا کہ آپ کو ڈرانے کا ایک نادر موقعہ ہاتھ لگا ہے۔آپ یقین کریں گے کہ چِتا کی آگ میں سے جو آواز آرہی ہے وہ کسی ڈائن کی ہے۔چنانچہ اس نے آواز دے کر کہا کہ اوشادی! آمیں تجھے دُودھ دہی دوں۔لیکن میاں شادی لحہ بھر کے لئے بھی تو دہشت زدہ نہ ہوئے۔آپ نے قریب پہنچ کر اسے کہا تم چوری کی نیّت سے نکلے ہو۔باز نہیں آتے۔وہ آپ کی بےخوفی سے ششدر رہ گیا۔اور دوسرے روز اس نے لوگوں سے اس

---

بقیہ حاشیہ: معلوم کرنے سے صحیح تاریخ ولادت معیّن ہو سکے گی۔انشاءاللہ تعالیٰ۔ریکارڈ وصیت بہشتی مقبرہ میں آپ کی ولادت کی تاریخ ۱۸۷۹ء اور بوقت وفات عمر اسی ۸۰ سال مرقوم ہے۔

بات کا ذکر کر کے کہا مجھے یقین تھا کہ آپ خوف کے مارے چیخ اٹھیں گے۔لیکن آپ پر ذرہ بھر اثر نہیں ہوا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ گاؤں میں ایک سرکاری ڈاکٹر ٹیکے لگانے کے لئے آیا۔لوگ بلائے گئے۔میاں شادی قدرے دیر سے پہنچے تو وہ سختی سے پیش آیا اور اس نے گالی دی۔اس وقت سرکاری افسروں کا بہت دبدبہ ہوتا تھا۔اور یہ افسر ایسے ہی رویہّ کے عادی ہوتے تھے۔اسے توقع تھی کہ دیہاتی لوگوں کی طرح میاں شادی بھی ہاتھ جوڑ کر منّت سماجت کر کے معذرت خواہ ہوں گے۔لیکن آپ نے اسے پکڑ لیا اور وہ کانپ اٹھا مبادا آپ اسے زدوکوب کریں۔لیکن لہنا سنگھ نمبردار آڑے آیا۔اس نے آپ کو باز رکھا۔اور ڈاکٹر کو بھی اس کی غلطی پر تنبیہ کی اور کہا میاں شادی ہمارے گاؤں میں معزز ہیں آپ نے اِن کو گالی کیوں دی۔

گو میاں شادی کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔لیکن آپ اور آپ کی اہلیہ محترمہ کریم بی بی اپنے گاؤں میں نمایاں اسلامی رنگ رکھتے تھے۔صوم وصلوٰۃ۔تراویح اور عیدین کی ادائیگی کا التزام رکھتے تھے۔میاں شادی کے سُسرال بھی صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔اور خود میاں موصوف عیدالاضحیہ پر قربانی کرتے تھے۔اور آپ کی رفیقۂ حیات لازماً ہر سال ایک بار چاول پکا کر گاؤں کے بچوں میں تقسیم کرتی تھیں۔موصوفہ ۱۸۹۹ء یا ۱۹۰۰ء میں وفات پاکر موضع سچانیاں میں دفن ہوئیں۔(بابو صاحبؓ نے ان کی قبر پر چالیس روز دعائیں کیں۔گویا قبولِ احمدیت سے قبل بھی آپ دعاؤں میں مصروف رہتے تھے) میاں شادی صاحب نے ۱۹۰۱ء میں وفات پائی۔☆

---

☆: آپ نے دو کاپیوں میں یہ درج کیا ہے کہ ۱۹۰۱ء میں مَیں سمہ سٹہ ریلوے سٹیشن پر متعین تھا کہ میرے ہاں وطن میں میرے بیٹے بشیر احمد پیدا ہوئے اور میری بیماری کی وجہ سے والد صاحب میری اہلیہ اور بیٹے کو چالیس دن گذرنے سے پہلے میرے پاس لے آئے اور پھر واپس جا کر ایک ماہ میں وفات پا گئے۔لیکن ایک کاپی میں یہ بھی لکھا ہے کہ بوقت بیعت ۱۹۰۵ء میں میرے بیٹے بشیر احمد کی عمر دو سال کی تھی اس طرح ولادت اس فرزند کی اور وفات والد ماجد کی ۱۹۰۳ء بنتی ہے۔

جو بات بابو صاحب مدّت العمر نہیں بھول سکتے تھے وہ یہ تھی کہ سمہ سٹہ کی تعیناتی کے عرصہ میں

## تعلیم

ہنود میں تعلیم کا چرچا دیکھ کر آپ کے والد اس امر کے مُتمنّی تھے کہ آپ کا بیٹا تعلیم حاصل کرے۔ موضع گھمن خورد سے ایک معمّر بزرگ جو نمازی اور مُتدیّن تھے آپ کے گاؤں میں آتے جن سے بابو صاحب نے گھر پر اُردو قاعدہ وغیرہ پڑھا۔ پھر موضع گھمن کلاں کے سرکاری پرائمری مدرسہ میں آپ کو داخل کیا گیا۔ چونکہ آپ کا ننھیال نرینہ اولاد سے محروم تھا اور آپ کے ددھیال میں بھی صرف آپ ہی اکلوتے بچے تھے۔ اس لئے بہت لاڈلے تھے۔ اڑہائی تین میل کا فاصلہ روزانہ پیدل طے کرنا اور سارا دن والدہ سے الگ رہنا اور سب زیرِ تعلیم بچوں سے خورد سال ہونے کی وجہ سے ان کا مشقِ سِتم ہونا۔ شاید ان وجوہات سے ابتداء میں آپ مدرسہ نہ جانے پر اصرار اور ضد کرتے تھے۔ کبھی والد آپ کو چھوڑنے جاتے۔ کبھی خالہ نصف راستہ تک الوداع کہنے جاتیں۔ کبھی مدرس بچوں کو بھجوا کر بُلواتے۔ لیکن ننھا فقیر علی بچوں کو کہتا کہ تم میرے زیور لے لو لیکن مَیں مدرسہ نہیں جاؤنگا۔☆ اور راستہ میں سے واپس آجاتا۔ بالآخر آپ کو موضع نوشہرہ مجا سنگھ کے مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ آپ نہایت ذہین طالب عِلم ثابت ہوئے۔ ایک ہی سال میں آپ نے جماعت اوّل و دوم پاس کرلیں۔ پرائمری کے امتحان میں آپ نے دو روپے ماہوار وظیفہ حاصل کیا۔ اب آپ کو بمقام گورداسپور میونسپل بورڈ ہائی سکول میں داخل کیا گیا۔ آپ ہر جماعت میں مضامین کے علاوہ اعلیٰ چال چلن کے لحاظ سے بھی اوّل آتے تھے۔ اور ہر دو کے انعامات میں اپنی جماعت میں سب سے قیمتی کتب انعام پاتے۔ انگریزی مڈل کے امتحان میں ۱۸۹۷ء میں یونیورسٹی سے چھ روپے ماہوار وظیفہ پایا۔ آپ کے ایک استاد ماسٹر بالمکند نام نہایت

---

بقیہ حاشیہ: ان کے ہاں پہلا بچہ ہؤا۔ دوسرے والد صاحب بچہ اور بچہ کی والدہ کو وہاں چھوڑنے آئے۔ سومیاں بشیر احمد صاحب کی ولادت کی صحیح تاریخ سے یہ بات حل ہو جاتی ہے۔ میاں صاحب موصوف بتلاتے ہیں کہ ان کا سنِ ولادت ۱۹۰۱ء (انیس سو ایک) ہے۔

☆: اب تک بھی بعض جگہ چھوٹے لڑکوں کو پیار سے معمولی زیور پہنانے کا رواج اَن پڑھ لوگوں میں دیکھا گیا ہے۔

دیانتداری سے پڑھاتے تھے۔اور آپ سے محبت بھی رکھتے تھے۔ ایک دفعہ انگریز ہیڈ ماسٹر آپ کی جماعت میں آئے اور پوچھا کہ اس انگریزی نظم میں فلاں لفظ کے متعلق کیا کوئی طالب علم بتا سکتا ہے کہ یہ کونسی قسم کا کلمہ (Part of speech) ہے۔آپ کی طرف ماسٹر صاحب نے اشارہ کیا تو ہیڈ ماسٹر صاحب آپ کو جماعت دہم کی طرف لے کر چل دیئے اور وہاں درست جواب پاکر آپ کو تھپکی دی اوران طلباء کو کہا کہ دیکھو اس بچہ نے جو چھوٹی کلاس کا ہے صحیح جواب دیا ہے۔حساب اور اقلیدس کے استاد ماسٹر ناتھورام تبدیل ہوگئے اوران کی جگہ ماسٹر مرلیدھر گورداسپور آگئے۔☆ جن سے آپ نے یہ مضامین آٹھویں سے دسویں تک پڑھے۔ایک دفعہ ماسٹر ناتھورام گورداسپور آئے تو کلاس دیکھنے آگئے۔اقلیدس کا ایک سوال حل کرتے ہوئے ماسٹر مُرلیدھر رُک گئے اور حل نہ کرسکے اس نوجوان طالب علم کو حل سوجھ گیا اور اس نے فوراً بورڈ پر اسے حل کردیا۔ماسٹر ناتھورام نے ان کی کمال ذہانت کا ذکر کرتے ہوئے ساتھ ہی شکایت بھی کردی کہ غیراستاد کے سامنے اس طرح نہ کرنا چاہیئے تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا کہ فقیر علی آخرانہی کا شاگرد ہے۔اس لئے کوئی امر خلافِ اَدب نہیں ہوا۔اقلیدس کے معمّوں میں بعض دفعہ ایسا ہوجاتا ہے کہ استاد بھی چکرّ میں پڑ جاتا ہے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب لُدھیانہ تبدیل ہوگئے اور انہوں نے پُرزورتحریک کی کہ یہ ذہین طالب علم ان کے ساتھ لدھیانہ چلاجائے۔اور وہ اس کے اخراجات کے ذمہّ دار ہوں گے۔میٹرک کے امتحان سے قبل ڈیڑھ ماہ کی تعطیلات ہوئیں۔اس وقت والدین نے نہایت شوق سے آپ کی شادی رچادی۔کتبِ نصاب تو آپ پہلے ہی بمقام اوجلہ (جو گورداسپور شہر سے ایک دومیل کے فاصلہ پر ہے ) چھوڑ آئے تھے۔ جہاں آپ نے اپنے چچا مسمّی منگو کے ہاں ۱۸۹۴ء سے ۱۸۹۹ء تک قیام رکھا تھا۔جب امرتسر جاکر امتحان دینے کے لئے طلباء گورداسپور سے ریز روڈبہ میں روانہ ہوئے تو آپ چھینہ ریلوے سٹیشن سے سوار ہوئے۔اس وقت کی دیہاتی زندگی اور عام ناواقفیّت کی وجہ سے ایک لاڈلے اور اکلوتے بیٹے کا سفرِ امرتسر بھی عجوبہ متصور ہوتا تھا۔ چنانچہ والدہ کے ہمراہ گاؤں کی مستورات

☆: بابو صاحب تحریر کرتے ہیں کہ یہ ماسٹر مرلیدھر ''سرمہ چشم آریہ'' کے مباحثہ والے تھے اور مَیں نے ان کی تقاریر سنیں۔ایک دفعہ انہوں نے کلاس میں غلط دعویٰ کیا تھا کہ لیکھرام کا قاتل کشمیر میں پکڑا گیا ہے۔

آپ کو ریلوے سٹیشن پر الوداع کہنے آئیں۔اور ایک دوسرے سے کہتی تھیں کہ یہ لڑکا پردیس جارہاہے آؤ الوداع کہہ آئیں۔
ڈیڑھ ماہ کی تعطیلات میں آپ نے کتابوں کی شکل تک نہ دیکھی تھی۔پہلے پرچہ سے ایک روز قبل آپ کو اس قدر شدید تپ چڑھا کہ سپروائزر آپ کے والد صاحب کو اطلاع بھیجنے والا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے حالت بہتر ہوگئی۔گو پہلا پرچہ آپ نے نیم بخار کی حالت میں ہی حل کیا۔ان حالات میں بھی آپ فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئے اور آٹھ روپے ماہوار وظیفہ یونیورسٹی کی طرف سے آپ کو حاصل ہؤا۔یہ ۱۸۹۹ء کی بات ہے۔مدرسہ کے آزمائشی امتحان میں آپ کلاس میں اوّل آئے تھے۔اور دوم سے اسی ۸۰ نمبر زیادہ پائے تھے۔وکلاء اور اساتذہ نے لوگوں سے روپیہ جمع کرکے آپ کو اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لے دیا۔ماسٹر مرلیدھر صاحب نے رؤسا سے چندہ جمع کرنے میں اس بناء پر خاص کوشش کی تھی کہ آپ ماسٹر صاحب کے مضامین ریاضی۔الجبرا اور اقلیدس میں اتنے ہوشیار تھے کہ ڈیڑھ صد میں سے ڈیڑھ صد نمبر ہی لیتے تھے کبھی ایک نمبر بھی کم نہ لیا تھا۔اب یونیورسٹی کی طرف سے آپ کو آٹھ روپے جوبلی سکالرشپ حاصل ہؤا۔لیکن حضرت منشی عبدالغنی صاحبؓ اوجلوی کا خط ملنے پر اہلبیت کی کشش غالب آئی اور آپ کالج کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر گھر واپس چلے گئے۔

## مسلمانوں کی مذہبی حالت اور آپ کا دینی جذبہ

بچپن سے جوانی تک آپ کی تربیت جس رنگ میں ہوئی اس کی تفصیل میں آپ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت پنجاب اور بقیہ ہندوستان میں مسلمان دھڑا دھڑ عیسائی بلکہ آریہ بن رہے تھے۔عام ماحول اسلامی رنگ نہ رکھتا تھا۔آپ کے جدّی گاؤں کے تمام افراد ناخواندہ تھے۔اس گاؤں کے سمیت اردگرد کے دیہات کی اکثریت ہندو آبادی پر مشتمل تھی۔کئی دیہات کا ایک مشترک مولوی ہوتا۔نکاح خوانی اور جنازہ خوانی اور دو تین دیہات کو عیدین پڑھانا۔اور بچہ کی ولادت پر اس کے کان میں اذان کہنا ہی صرف اس کا فرضِ منصبی ہوتا تھا۔نکاح میں خطبہ پڑھنا اور اعتکاف یا سارا سال بالالتزام نمازیں ادا کرنا

بالکل مفقود تھا۔تعمیرِ مساجد اور اذان کے معاملات میں مسلمان جوش میں آتے ہندو آبادی مسلمانوں کو اذان سے منع کرتی تھی۔دلّی۔امرتسر۔لاہور۔سکھر۔کراچی اور حیدرآباد سندھ میں آپ نے صرف کہیں کہیں کسی مشہور مولوی کو درسِ قرآن دیتے دیکھا۔وبس۔کثرت سے نمازیں پڑھنا۔درس۔خطبے۔مناظرے۔جمعۃ الوداع میں کثرت سے شرکت سے مسلمان قطعی ناآشنا تھے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے بعد آپ ہی کے طفیل مسلمانوں کو ان سب امور کی طرف توجہ ہوئی ہے۔آپ کی بعثت سے قبل شہروں اور دیہات میں معدودے چند لوگ نمازوں اور روزہ کی پابندی کرتے تھے۔البتہ میلاد شریف کی مجالس اور تکیوں وغیرہ پر قوالیاں اور خانقاہوں پر مجالسِ درود وغیرہ منعقد ہوتی تھیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ بابو صاحب کو عہدِ طفولیّت میں اور پھر دورانِ تعلیم میں نیک ماحول میّسر آیا۔آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو زبانی پانچ کلمے اور صفتِ ایمان پڑھائے۔دس سال کی عمر میں آپ نے گاؤں کے چھپڑ پر نہا کر پہلی نمازِ فجر۔عید الفطر کے روز والد ماجد کی معیّت میں ادا کی یہ نماز کچھ ایسے جذبہ سے آپ نے پڑھی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس وقت سے نماز کی محبت آپ کے دل میں گھر کرگئی اور پھر کبھی ناغہ نہیں ہونے پایا۔

باوجود ہندو آبادی کے بُرا منانے کے آپ کے والد کبھی کبھار مسجد میں اذان دلواتے تھے۔بابو صاحب نے جو ایک بار گاؤں کی مسجد میں اذان دی تو ہندو جاٹ زمینداروں نے آپ کو پکڑ کر زدوکوب کرنا چاہا اور والدہ نے آپ کو اناج کی کوٹھی (سٹور) کے عقب میں چُھپا دیا۔اور والد نے تھانہ دھاریوال میں رپورٹ لکھوائی۔پولیس آئی اور جاٹوں کو تنبیہ بھی کی لیکن ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی کہا کہ مسجد میں اذان دینے کی رسم جاری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔خاموشی سے نماز پڑھ لیا کرو۔

نوشہرہ مجّا سنگھ میں دورانِ تعلیم میں میاں محمد عیسیٰ ایک دیندار اور پابند صوم وصلوٰۃ استاد آپ کو میسّر آئے۔ان کی تربیّت سے آپ کو اسلام سے خاص وابستگی پیدا ہوئی۔چند بچّے بشمولیت بابو صاحب ان کی امامت میں جمعہ بھی ادا کرتے اور خدمت کے طور پر میاں جی کے کپڑے بھی اپنے پارچات کے ساتھ جوہڑ پر دھو دیتے اور موضع تھہ غلام نبی سے چارہ اور

ایندھن لا دیتے۔(اس زمانہ میں اور اب بھی دیہات میں امام مسجد یا مولوی کو میاں جی کہہ کر پکارتے ہیں) گورداسپور میں میٹرک میں ایک مدرس مولوی احمد بخش صاحب تھے جو کسی زمانہ میں چیفس کالج لاہور میں پروفیسر رہ چکے تھے۔اُن سے بابو صاحب نے دینی باتیں اور درود شریف پڑھنا سیکھا۔صوفی منش لوگوں کی مُلاقات اور اس ماحول کے مطابق حصولِ روحانیت کے لئے نواح گورداسپور اور اپنے ننھیال میں ہونے والی مجالسِ وعظ وفقراء میں آپ اس عمر میں خاص شوق سے شرکت کرتے تھے۔ریلوے ملازمت سے قبل باوجود متاہل زندگی کے ایک نیک اہلکار کی صحبت میں لمبے عرصہ تک آپ اپنے سُسرال کے گاؤں موضع ننگل کوٹلی کی مسجد میں رات دن عبادت کے لئے مقیم رہے۔لاہور میں آپ تار بابو بننے کے لئے جو تربیت حاصل کرنے گئے تو اس وقت بھی آپ مسجد وزیر خان۔سنہری مسجد۔داتا گنج بخش۔اور خانقاہوں کی تمام تقاریب۔میلاد شریف وغیرہ میں شرکت کرتے تھے۔اور امام سنہری مسجد سے ایک روپیہ فی پارہ کے عوض آپ نے پانچ پاروں کا ترجمہ بھی پڑھا۔

## کسبِ معاش

اس زمانہ میں فرسٹ کلاس میٹرک اعلیٰ سرکاری ملازمت حاصل کرسکتا تھا۔لیکن چونکہ آپ کا کوئی مشیر اور سفارشی نہ تھا اس لئے آپ محروم رہے۔البتہ دو امیرزادوں کی اتالیقی کھانے اور بارہ روپے مشاہرہ کے عوض آپ نے کی۔ان میں سے ایک کا دادا اس وقت ضلع کٹھوعہ (ریاست جموں) کا وزیر وزارت (ڈپٹی کمشنر) تھا۔اس اتالیقی کی وجہ سے دربار میں بھی آپ عزّت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔اس طبقہ کے لوگوں کے حالات آپ کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔وزیر وزارت شیعہ تھا۔اُس نے حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کا ذکر کرکے آپ کی رائے دریافت کی۔اس پر آپ نے اس بارہ میں مطالعہ کیا۔۱۹۰۰ء میں آپ نے پٹوار پاس کی۔اور دفتر صدر قانونگو گورداسپور میں نائب کلرک متعین ہوئے۔کچھ عرصہ تک موضع لمین کرال تحصیل گورداسپور میں آپ عارضی طور پر پٹواری مقرر ہوئے۔لیکن اس کام میں بے طرح کی بے ضابطگیاں اور غیر اسلامی حالات دیکھ کر آپ کی طبیعت نفور ہوگئی اور آپ نے لاہور میں ریلوے سگنیلرز میں بھرتی ہونے کے لئے مقابلہ کا امتحان دیا اور کام

سیکھ کر ۱۹۰۱ء میں سمہ سٹہ ریلوے سٹیشن پر سگنیلر لگائے گئے۔ جہاں آپ سٹیشن ماسٹر اور عملہ کے امام الصلوٰۃ بھی رہے۔ تراویح بھی پڑھاتے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر سترہ اور بائیس برس کے درمیان تھی گویا بالکل نوجوان تھے۔ داڑھی رکھنے کی وجہ سے مولوی کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ آپ لاہور پھر ملتان کے ڈی، ٹی، ایس کے دفاتر میں اور پھر سمہ سٹہ کے سٹیشن پر بطور سگنیلر اور وہاں سے احمد پور (جسے بعد میں ڈیرہ نواب کہا جانے لگا) اور سکھر، روہڑی، جھٹ پٹ، سٹھارجہ، گوردست ستلانی، مغلپورہ، سوہل، کوٹ لکھپت، کوٹ کپورہ، نور پور روڈ، چھانگا مانگا، امرتسر اور قادیان کے ریلوے سٹیشن پر تعینات رہے۔

## احمدیت کا ذکر سُننا اور حضور کی زیارت ہونا

آپ تحریر کرتے ہیں کہ میرے والد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عمزاد مرزا کمال الدین کے مُرید تھے۔ لیکن ایک روز انہوں نے میری موجودگی میں میری والدہ سے کہا کہ لوگ قادیان والے مرزا صاحب کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ مَیں تو دیکھ کر آیا ہوں۔ بڑا نورانی چہرہ ہے۔ ایک روپیہ ہاتھ پر رکھ کر مَیں تو ان کی اقتداء میں جمعہ پڑھ آیا ہوں۔☆

☆: اُوپر کے بیان کے بارے میں اس سے پہلے لکھتے ہیں کہ ''اپنی چھوٹی عمر میں اپنے والد صاحب کی میری والدہ کے ساتھ کچھ ایسی گفتگو ہوئی ہے'' پھر یہ بات بیان کر کے لکھتے ہیں کہ یہ بہت خفیف میری یاد ہے.........خدا کرے یہ میری ذاتی امنگ ہے کہ ہاتھ پر روپیہ رکھنا اور مگر (مگر یعنی آپ کے پیچھے اور اقتدا میں۔ مؤلف) جمعہ پڑھنا والد صاحب کا حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ ہو قادیان میں جماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنا تو مرزا کمال الدین صاحب (کا) شاید واقعہ نہیں۔ خود حضرت مرزا صاحب مسیح موعود کا واقعہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بابو صاحب کا خیال درست ہے اوّل مرزا کمال الدین صاحب بے دین اور مُلحد شخص تھے۔ نماز و جمعہ سے وہ اپنے تئیں بے نیاز سمجھتے تھے۔ دوم۔ نورانی چہرہ بوجہ بزرگی کسی نے بھی مرزا کمال الدین کے متعلق بیان نہیں کیا اور نہ یہ کہا جا سکتا تھا۔ بلکہ حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق ہی بیان کرتے تھے۔ سوئم۔ بُرا بھلا اور مخالفت حضور ہی کی ہوتی تھی۔ مرزا کمال الدین کی نہ ہی مذہبی لحاظ سے شہرت تھی نہ ان سے مذہبی لحاظ سے کسی کو خطرہ تھا کہ جماعت بن جائیگی اور ترقی کرینگے تو کیا ہوگا۔ چہارم۔ والد مرزا کمال الدین صاحب کے مُرید تھے اس لئے اگر مرزا کمال الدین نماز جمعہ وغیرہ

بچپن میں بابو صاحب نے موضع تھہ غلام نبی میں احمدی علماء کا چرچا سُنا تھا۔ پھر گورداسپور شہر میں جس زمانہ میں آپ زیرِ تعلیم تھے اس وقت آپ کا قیام قریب کے موضع اوجلہ میں اپنے ایک چچا کے ہاں تھا۔ اس موضع کے دو بزرگ صحابی تھے۔ ایک تو حضرت منشی عبدالغنی صاحبؓ تھے۔۱؎ جن سے آپ کے مراسمِ رفاقت عمر بھر رہے۔ اور جن کی دوستی کو نیز بعض دیگر احباب کی دوستی کو آپ اللہ تعالیٰ کے افضال میں شمار کرتے تھے۔ دوسرے بزرگ حضرت منشی عبدالعزیز صاحبؓ تھے۔۲؎ ہر دو منشی صاحبان کے پاس سیکھوانی برادران حضرت میاں امام الدین صاحبؓ، میاں جمال الدین صاحبؓ و میاں خیرالدین صاحبؓ آمدورفت رکھتے تھے۔ بابو صاحب وہاں مسجد میں مغرب وعشاء کے وقت اذکار درود شریف پڑھتے تھے۔ آپ کو اچھا دیندار اور پابندِ صلوٰۃ پاکر اوجلہ کی مسجد میں ان تینوں بھائیوں میں سے ایک نے آپ کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ لڑکا بہت نیک اور سعید ہے یہ ضرور احمدی ہو جائے گا۔ اس پر آپ نے عدمِ معرفت کی وجہ سے کہا کہ میں اس طرح آپ کے جھانسے میں نہیں آتا۔ اور مرزائی نہیں ہوتا۔ ایک مومن نے خداداد فراست سے ۱۸۹۶ء سے ۱۸۹۸ء کے عرصہ میں کسی وقت ایک کم عمر نوجوان کے متعلق جو بات کہی تھی وہ آٹھ دس سال کے بعد ۱۹۰۵ء میں پوری ہوگئی۔ ☆ آپ تحریر کرتے ہیں کہ مجھے یاد ہے۔ ایک دن حضرت امّ المومنینؓ بھی منشی عبدالعزیز صاحبؓ کے گھر اوجلہ آئی تھیں۔ ان ایّام میں حضور مقدمات کے تعلق میں گورداسپور آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میرے سُسرال موضع ننگل کوٹلی کے سامنے میاں (شیخ)

---

بقیہ ☆ صفحہ ۱۶: پڑھتے پڑھاتے تھے تو بوجہ مُریدی گھر میں ان کی اقتدا میں نمازیں کئی بار پڑھنے کا بارہا ذکر آنا چاہیئے تھا نہ کہ ایک بار۔ چونکہ والد صاحب حضرت مسیح موعودؑ کے مُرید نہ تھے۔ اس لئے ایک بار جو زیارت کی تو نورانی چہرہ اور نذرانہ پیش کرنے اور جمعہ ساتھ پڑھنے کا ذکر خاص طور پر کیا۔ بیان سے ظاہر ہے کہ بابو صاحب والد صاحب کے مخاطب نہ تھے اس وجہ سے یا مرورِ زمانہ سے ساری بات انہیں یاد نہیں رہی۔ نیز حضورؑ کا جمعہ پڑھانا ابتدائی ایام کا واقعہ ہوگا۔

☆: بروئے نقل رجسٹر بیعت میاں جمال الدین صاحب، میاں امام الدین صاحب، میاں خیرالدین صاحب کی تاریخ بیعت ۲۳/۱۱/۸۹ ہے تاریخ وفات ۱۴/۸/۴۲ و ۸/۵/۴۱ و ۸/۱/۵۳ (بروئے الفضل ۱۷/۸/۴۲ و ۱۰/۵/۴۱ و ۱۵/۱/۵۳) ولادت میاں خیرالدین صاحب ۱۸۶۴ء ہے۔

علی احمد صاحب وکیل کی باغ والی کوٹھی میں حضور نے قیام فرمایا تھا۔میں نے خود دیکھا تھا۔

## قبولِ احمدیت

آپ ۱۹۰۵ء میں بلوچستان کے پہلے سٹیشن جھٹ پٹ پر اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر متعیّن ہوئے۔اس زمانہ میں پٹ سیکشن کا یہ پہلا اسٹیشن اُجاڑ بیابان تھا۔پچیس تیس میل اردگرد تک آبادی۔پانی اور گھاس تک نہ تھا۔سبّی سٹیشن تک صرف ریلوے سٹیشنوں پر پانی دستیاب ہوتا تھا۔جہاں ریلوے ٹینک میں یا تالاب میں پانی ذخیرہ رکھا جاتا تھا۔منشی عبدالغنی صاحبؓ اوجلوی نے وہاں آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کا اشتہار الانذار بھجوایا۔؂۳ آپ کو حضور کی کوئی کتاب یا مضمون بھی ملا۔ان کے مطالعہ سے آپ کا دِل حضور کی صداقت کا قائل ہوتا۔لیکن علماء ومخالفین کے اعتراضات کے مطالعہ سے آپ کے دل میں اضطراب پیدا ہوُا کہ صداقت کدھر ہے۔آپ سنسان مقامات میں جاکر دعائیں کرتے کہ اے اللہ! تو میری رہنمائی فرما!اگر مرزا صاحب تیری طرف سے ہیں اور میں ان کو قبول کئے بغیر مرگیا تو کیا بنے گا۔اور اگر بیعت کرلوں اور یہ امر نادرست ہو تو کیا ہوگا۔☆اس زمانہ میں خصوصًا سندھ کے مسلمانوں میں بے حد بے علمی تھی۔سٹھارجہ سٹیشن کے قریب کا واقعہ آپ لکھتے ہیں کہ میری بکری چر رہی تھی اس کی وجہ سے مال گاڑی روکنی پڑی۔ڈرائیور سخت غصّہ میں تھا اور اس نے کہا کہ پھاٹک والا جھوٹ کہتا ہے کہ یہاں ایک بابو مسلمان ہے اور یہ اس کی بکری

☆: آپ یہ بھی بتاتے ہیں کہ آپ کو احمدیت سے قبل الحکم وبدر سے الفت تھی گویا آپ کو اس وقت ان کا مطالعہ کرنیکا موقعہ ملا۔لیکن کاپیوں کے حالات میں ان کا مطالعہ کا ذکر نہ ہونے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کبھی کبھار ان کا مطالعہ ہوُا ہوگا۔اس علاقہ میں پڑھا لکھا مسلمان نیز کوئی احمدی قریب میں نہ تھا اسلیئے آپ کے علاقہ میں یہ اخبارات کسی اور سے برائے مطالعہ میسر آنے بظاہر ناممکن معلوم ہوتے ہیں۔آپ لکھتے ہیں:۔’’خاکسار کو الحکم اور بدؔر کے ساتھ قدیم سے الفت ہے جبکہ میں احمدی نہ تھا‘‘ (بدؔر ۲۶ جولائی ۱۹۰۷ء ص ۵ کالم ۳) اور تحریک کرتے ہیں کہ اخبارات سلسلہ میں دنیوی اخبار بھی درج کی جائیں کیونکہ جہاں دوردراز علاقوں میں تعلیم یافتہ آدمی ملنا بھی مشکل ہے ہم دنیا سے کس طرح باخبر رہ سکتے ہیں (مراد البدر ہوگی)البدر اس وقت ابھی بدؔر میں تبدیل نہیں ہوُا تھا۔

ہے اور اسے انجن میں بٹھلا کر سٹیشن پر لایا کہ دکھاؤ مسلمان بابو کہاں ہیں مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ تو پنجابی ہیں۔ گویا سندھی بابو (پڑھا لکھا) ہونا ناممکن تھا۔ اسی طرح ایک سندھی ملازم گھر سے واپس آیا تو پوچھا کیا غسل واجب کر لیا ہے تو کہنے لگا کہ گھر پر بیوی تھی نہ کہ پرائی عورت کہ غسل کرتا۔ ان حالات میں جب کہ اس سٹیشن پر سٹاف اور سٹیشن ماسٹر سب ہندو تھے اور کوئی مشیرِ کار نہ تھا۔ آپ نے اپنی رفیقۂ حیات سے کہا کہ ان ایّام میں میری موت واقع ہونے لگے تو حضرت مرزا صاحب کی فلاں تحریر میرے سامنے کر دینا۔ ایک دن اپنی چچی دادی محترمہ مریم صاحبہ اور اہلیہ اور ایک عزیز رشتہ دار کی معیّت میں نمازِ فجر ادا کر کے آپ نے انہیں کہا کہ آپ سب گواہ رہیں کہ آج میں حضرت مرزا صاحب کے متعلق فیصلہ کے لئے قرآن مجید کھولتا ہوں جو حضور اور مخالفین دونوں کا مشترک و مُسلّم کلامِ الٰہی ہے۔ دائیں صفحہ کی تیسری سطر فیصلہ کُن ہوگی۔ چنانچہ سورۃ یوسف کا یہ حصہ نکلا۔ **ماھٰذا بشراً اِن ھٰذآ اِلّاَ مَلَکٌ کریم**۔ اللہ کا تصّرف یُوں ہوا کہ برملا آپ نے کہہ دیا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیان والے صادق من اللہ اور مسیح موعود مہدی مسعود ہیں۔ اور معاً اپنی اور اہلیہ صاحبہ کی بیعت کا خط (مؤخرالذکر سے نشانِ انگوٹھا ثبت کرا کے کیونکہ وہ اَن پڑھ تھیں) بھیج دیا جس میں تفصیل بالا بھی درج کر دی تھی۔ اور چند دن میں منظوری کا جواب بھی موصول ہو گیا۔ آپ نے سٹیشن ماسٹر سمیت تمام عملہ ریلوے میں قبولِ احمدیت کا اعلان کر دیا۔

## بعد بیعت حضورؑ کی ملاقات

آپ تحریر کرتے ہیں کہ بیعت کے کچھ روز بعد مَیں چند دن کی رخصت پر موضع گھسیٹ پور ضلع ہوشیار پور پہنچا۔ اور کرایہ پر ایک گھوڑا حاصل کر کے براستہ پتن نوشہرہ (جو گورداسپور اور مکیریاں کے درمیان دریائے بیاس پر واقع ہے) اور براستہ کاہنووان بیٹ حضور کی اوّلین ملاقات کے لئے روانہ ہؤا۔ ایک دو دفعہ گھوڑا اَڑ گیا تو خیال آیا کہ میں رضائے الٰہی میں یہ سفر نہیں کر رہا ورنہ گھوڑا کیوں نہیں چلتا؟ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے مَیں نے ایک شاخِ درخت لے کر اسے تحریک کی تو وہ زور سے چل پڑا اور مَیں قادیان کے مہمان خانہ میں پہنچ گیا۔ منتظم مہمان خانہ نے میرا گھوڑا سنبھال لیا۔ اور مجھے ٹھہرنے کو جگہ دی۔ اور

مہمان بھی موجود تھے۔

مسجد مبارک میں حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ یا مولوی محمد احسن صاحبؓ کی امامت میں تمام نمازیں ادا کیں۔ناسازیٔ طبع کی وجہ سے حضوراس روزنمازوں میں تشریف نہیں لاسکے۔نہ ہی دوسرے روزنمازِ فجر میں۔مَیں مغموم حالت میں مہمان خانہ میں بیٹھا ہوا تھا۔کیونکہ ایّام رخصت قریباً ختم تھے میں نے جھٹ پٹ واپس پہنچنا تھا۔مَیں حضور کی ملاقات کے لئے آیا تھا جو نہ ہوسکی تھی۔ایک مہمان نے مجھے مشورہ دیا کہ میں حضور کے خادم حضرت شیخ حامد علیؓ صاحب کو گھر پر ملوں۔ممکن ہے وہ ملاقات کرادیں۔چنانچہ مَیں نے شیخ صاحب سے ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ مَیں نے آج ہی واپس جانا ہے۔انہوں نے کہا کہ سُورج نکل چکا ہے۔حضور مع حضرت امّ المؤمنینؓ وخواتین سَیر کو نکلے ہوئے ہیں آیئے مَیں آپ کی ملاقات کرادیتا ہوں۔اور مجھے ساتھ لے کر ڈھاب میں سے گذر کر مقبرہ بہشتی کی طرف باغ میں کنوئیں کے پاس لے گئے جو حضرت اماں جانؓ کا کنوآں کہلاتا تھا۔ کچّی ٹنڈوں والا (اورلکڑی کا) رہٹ چل رہا تھا۔☆ اوراس کی چیں چیں کی آواز آرہی تھی۔ حضرت صاحب ایک دو مستورات اور بچوں سمیت مقبرہ بہشتی کے جنوبی کنارے پر پھُولوں کے پودوں میں کھڑے تھے۔شیخ صاحب نے کنوئیں کی پختہ منڈیر پر ایک پختہ اینٹ کھٹکھٹائی اس کی آواز سے حضرت صاحب ہماری طرف متوجہ ہوئے۔اور حضورؑ نے سمجھ لیا کہ کوئی مہمان شیخ صاحب کے ساتھ کھڑا ہے جو مجھے ملنا چاہتا ہے۔سو حضور خراماں خراماں ہماری طرف تشریف لے آئے۔حضور نے اس وقت رُومی سُرخ ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔اور ہاتھ میں عصا تھا۔مَیں ریلوے کی وردی میں ملبوس تھا۔میں نے حضور سے مُصافحہ کیا اور عرض کیا

---

☆: حضرت اقدسؑ نے الوصیۃ بابت قیام بہشتی مقبرہ تالیف فرمائی۔جس کی تاریخ تالیف ۲۰ دسمبر ۱۹۰۵ء اور ضمیمہ کی ۶ جنوری ۱۹۰۶ء ہے۔کتاب میں بیان کرتے ہیں کہ ’’اس قبرستان سے شمالی طرف بہت پانی ٹھہرا رہتا ہے جو گذرگاہ ہے اس لئے وہاں ایک پُل تیار کیا جائے گا۔(بیان شرط اوّل) یہ روایت قیام بہشتی مقبرہ اور تعمیر پُل سے قبل کے عرصہ سے متعلق ہے جس کا علم ’’ڈھاب میں سے گذر کر‘‘ سے ہوتا ہے۔بابو صاحب نے ’’جو بہشتی مقبرہ کی طرف‘‘ ذکر کیا ہے وہ اسلئے کہ بیان روایت کے وقت بہشتی مقبرہ قائم تھا۔

میں سندھ سے آیا ہوں اور کل کا قادیان آیا ہؤا ہوں لیکن حضور سے ملاقات نہیں ہوسکی تھی۔ گو مَیں نے بذریعہ خط بیعت کی ہوئی ہے جس کا جواب بمقام جھٹ پٹ مجھے مِل چکا ہے۔ لیکن ابھی تک حضور سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ حضور نے سب سے پہلے دریافت فرمایا کہ مُجھے حضور کی شناخت کیونکر ہوئی۔ اور بیعت کرنے کا خیال کس طرح ہؤا۔ مَیں نے اپنے دوست منشی عبدالغنی صاحبؓ ادجلوی کا مجھے اشتہار بھجوانا۔ دعائیں کرنا وغیرہ ساری تفصیل سُنا دی۔ حضور احوال سُن کر مُسکرائے اور فرمایا:

"آپ نے خوب کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعاؤں کے بعد قرآن شریف سے رہنمائی طلب کی۔ اگر وہاں شیطان کا لفظ نکل آتا تو آپ شاید (ساری عمر) میری شکل بھی نہ دیکھ سکتے۔ لیکن چونکہ آپ نے قرآن شریف سے رہنمائی حاصل کرنے کی غرض ............ سے☆ حضور نے ایسے پیارے

---

☆: (ا) آپ کی قلمی کاپی میں واوین میں دیا گیا نامکمل فقرہ درج ہے اور اسی طرح وہاں نقطے دیئے ہوئے ہیں۔ جن کے بعد "سے" تا آخر الفاظ مرقوم ہیں۔ خطوط وحدانی میں الفاظ (ساری عمر) اور (کہے) خاکسار مؤلف کی طرف سے ہیں۔

(ب): حضور کے ارشاد کا یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید سے اس طرح فال لینا اور جو کچھ نکل آئے اسے حق میں یا خلاف ایک محکم دلیل یقین کرنا صحیح مَسلک نہیں۔

(ج): بہشتی مقبرہ میں اوّلین تدفین حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی ۲۵ ۱ ۱۲/۰۵ کو ہوئی تھی (الحکم ۱۰ ۲/۶) یہ بیان کرنا اس لئے ضروری ہے کہ روایت میں بہشتی مقبرہ کا ذکر آیا ہے۔ بوقت ملاقات ابھی اس کا قیام عمل میں نہ آیا تھا۔ البتہ بوقت روایت چونکہ بہشتی مقبرہ قائم تھا اس لئے بابو صاحب نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (د): ۱۹۰۵ء میں زیارت کی تاریخ تو معیّن نہیں۔ البتہ اشتہار الانذار مورخہ ۸ اپریل آپ کو ڈاک میں سندھ میں موصول ہؤا تھا۔ ۴ اپریل کے شدید زلزلہ کے بند ہونے پر حضور نے بڑے باغ میں ڈیرہ لگالیا تھا۔ (بحوالہ سیرۃ المہدی حصہ اوّل ص۲۔ روایت حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ) اور ۲ جولائی کو ظہر کے بعد حضور باغ سے قادیان واپس تشریف لائے تھے (بحوالہ الحکم ۳۰ ۶/۰۵ ص۲) بابو صاحب کی روایت سے ظاہر ہے کہ حضور باغ میں مقیم نہ تھے بلکہ قصبہ سے سیر کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ گویا بابو صاحب قادیان میں ۲ جولائی تک نہیں آئے۔ بابو صاحب ذکر کرتے ہیں کہ نمازیں حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ

سوہنے الفاظ (کہے) ایسے حسین وقار کے ساتھ حضور نے میرا حال سنا اور
پیارے مسکراتے چہرہ سے مجھے وہ الفاظ فرمائے کہ جب کبھی اس پہلی ملاقات

---

بقیہ حاشیہ: یا مولوی محمد احسن صاحب نے پڑھائی تھیں حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ جو مستقل امام الصلوٰۃ تھے یا تو بیمار ہوں گے یا وفات پا چکے ہوں گے۔ جو مرض الموت میں اواخر اگست میں مبتلا ہو کر ۱۱ اکتوبر کو فوت ہوئے تھے (بحوالہ الحکم ۰۵/۹/۱۸ ص۳، ۰۵/۱۰/۱۷ ص۱) گویا بابو صاحب اگست سے ۱۱ اکتوبر تک بھی قادیان نہیں آئے تھے۔ ورنہ ان کی جلالتِ شان کی وجہ سے بوقتِ روایت ان علالت کا ذکر کرتے۔ نہ ہی بابو صاحب ۲۲ اکتوبر سے ۱۰ نومبر تک قادیان آئے کیونکہ اس دوران حضور دہلی۔ لدھیانہ اور امرتسر کے سفر پر رہے اور ۱۰ نومبر کو مراجعت فرما ہوئے۔ سو بابو صاحب کے قادیان آنے کا عرصہ ۲ جولائی تا آخر جولائی اور ۱۲ اکتوبر تا ۲۱ اکتوبر اور ۱۰ نومبر تا قبل جلسہ سالانہ متعین ہوتا ہے۔ اور اس کی توثیق آپ کے اس تحریری بیان سے ہوتی ہے کہ آپ ۱۹۰۸ء کے جلسہ سالانہ پر قادیان آئے۔ اور پھر ہمیشہ جلسہ سالانہ پر پہنچتے رہے۔ گویا اس سے قبل کسی جلسہ سالانہ پر نہیں آئے۔ نیز اس امر سے بھی توثیق ہوتی ہے کہ مجھے آپ کے چندہ کا اولین اندراج ۲۵ نومبر ۱۹۰۵ء کی ''رسیدات آمدنی'' میں ملا ہے۔ اور آپ کے بیان سے ظاہر ہے کہ صداقتِ احمدیت کے متعلق آپ متذبذب تھے تا آنکہ آپ نے فال لے کر فوراً فیصلہ کر کے بیعت کا خط تحریر کر دیا اور چند دن کے اندر قادیان پہنچ کر زیارت کی۔ اسلئے قبول احمدیت سے قبل چندہ دینے کا امکان نہیں۔ گویا ۲۵ نومبر ۱۹۰۵ء سے قبل قریب کے عرصہ میں آپ نے بیعت کی ہوگی۔ (جس کا اندراج الحکم وغیرہ سے دستیاب نہیں ہوسکا) اور اس تاریخ کے قریب ہی قادیان آئے ہوں گے۔ بلکہ ممکن ہے کہ یہ چندہ آپ نے قادیان ہی میں ادا کیا ہو۔ چندہ ان الفاظ میں درج ہے۔

''بابو فقیر علی صاحبؓ اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر جھٹ پٹ عا''۔ (الحکم ۲۴ دسمبر ۱۹۰۵ ص۱۰۔ کالم ۲)

(ھ): آپ کے قلمی حالات میں مرقوم ہے کہ بیعت کے وقت آپ کے بیٹے ایم بشیر احمد صاحب کی عمر دو سال اور مولوی نذیر احمد علی صاحب کی عمر ایک دو ماہ کی تھی۔ (ایم بشیر احمد صاحب اپنی تاریخ ولادت ۱۹۰۱ء بتلاتے ہیں)

مولوی نذیر احمد علی صاحب کی تاریخ ولادت ۰۵/۶/۱۰ ہے۔ (ماہنامہ خالد بابت جون ۱۹۵۵ء آخری سرورق) گویا تاریخ بیعت اندازاً مارچ یا اپریل ۱۹۰۵ء نکلتی ہے۔ گویا اس امر کی توثیق ہوتی ہے

کہ بیعت ۱۹۰۵ء ہی کی ہے۔لیکن اپنے بچے کی اس وقت کی عمر کے متعلق قریباً نصف صدی بعد حالات

پیار سے مسکراتے چہرہ سے مجھے وہ الفاظ فرمائے کہ جب کبھی اس پہلی ملاقات کا تذکرہ کیا ہے۔میرے دل میں ایک ایسی لہر پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کا الفاظ میں مَیں اظہار نہیں کرسکتا۔آج زائد از پچاس سال کے بعد ان سطور کو لکھتے ہوئے سوہنی۔وجدانی کیفیّت قلب میں پا رہا ہوں۔الحمدللہ۔صدالحمدللہ

''حضور فقیر کے ساتھ ساتھ ڈھاب پر سے گذرتے واپس شہر ہولئے۔مَیں اور مکرم شیخ حامد علی صاحب حضور کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔پیچھے تھوڑے فاصلہ پر حضرت اماں جانؓ معہ ایک خادمہ اور بچوں کے آرہی تھیں۔مہمان خانہ تک حضور میرے ساتھ رہے۔مَیں یہ تمام وقت اپنی کئی باتیں حضور کو سناتا رہا۔آپ میری تمام باتیں نہایت محبت سے سنتے چلے آئے۔وقت ملاقات سے مہمان خانہ میں مصافحہ تک حضور کے اپنے الفاظ تو مجھے یہی یاد رہے جو مَیں نے اوپر لکھ دیئے ہیں۔حضور نے مجھے اجازت دی اور کھانا کھا کر مَیں گورداسپور ہوکر مع عیال جھٹ پٹ پہنچ گیا۔میں نے اپنے نام الحکم اور ریویو آف ریلیجنز اردو جاری کرادیئے۔

---

بقیہ: قلمبند کرتے ہوئے آٹھ نو ماہ کا سہو ہو جانا مستبعد نہیں۔اور قرائن تو یہ ایسے سہو پر دالّ ہیں اور یہ سہو ثابت ہے۔کیونکہ ابتداء میں اشتہار مورخہ ۵؍۴؍۸ والا آپ کو ملا تھا۔آپ لکھتے ہیں کہ ان ایاّم میں حضور کی کوئی کتاب یا مضمون بھی مجھے ملا۔جب حضور کی تحریر پڑھتا تو دل صداقت کا قائل ہو جاتا۔پھر مخالفین وعلماء کے اعتراضات پڑھتا تو گھبرا جاتا کہ صداقت کِدھر ہے۔کئی دن جھٹ پٹ کے تنہا۔سنسان مقامات میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرکے رہنمائی چاہی کہ اگر حضور صادق ہیں تو بغیر قبول کئے میری وفات ہوگئی تو کیا ہوگا۔یا بیعت کرلوں جو درست نہ ہو تو کیا ہوگا۔میرا قلب مضطرب تھا۔وہاں ہندو سٹیشن ماسٹر اور ہندو سٹاف کے سوا کسی اور کی صُحبت نہ تھی۔مَیں نے اپنی بیوی کو جو میری مشیر تھی اور نیک تھی کہہ دیا تھا کہ اگر ان ایاّم میں میری موت واقع ہو جائے (مراد یہ کہ ہونے لگے) تو حضور کا فلاں مضمون اور تحریر میرے سامنے کردیں۔سو ۸ اپریل کے اشتہار کے ملنے کے بعد لمبا عرصہ گزرنے پر آپ نے بیعت کی ہوگی بلکہ نومبر کے قریب کی ہوگی جیسا کہ اوپر نتیجہ پیش کیا گیا ہے۔

## دوسری اور آخری مُلاقات

آپ لکھتے ہیں:

''۱۹۰۶ء میں میری تبدیلی ریاست خیر پور میر میں سٹھارجہ☆ ریلوے سٹیشن پر ہوگئی۔اس سٹیشن سے رخصت لے کر میں گھر اور پھر جمعرات کے روز قادیان پہنچا۔مجھے حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری مُلاقات نصیب ہوئی۔مَیں نے کئی نمازیں مسجد مبارک میں پڑھیں۔جن میں حضور بھی شامل ہوئے۔امام کے ساتھ ہی حضرت صاحبؑ کو دائیں طرف کھڑا ہوتے مَیں نے دیکھا ہے۔اکثر نمازیں ان ایاّم میں میرے سامنے حضرت مولوی محمد احسن صاحبؓ امروہی مسجد مبارک میں اور حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ مسجد اقصیٰ میں پڑھاتے تھے۔مسجد مبارک ان ایام میں بہت چھوٹی سی تھی۔جمعہ مسجد اقصیٰ میں حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے پڑھایا۔حضرت صاحب نماز میں شامل تھے۔مَیں نے نماز جمعہ پڑھی۔حضرت صاحب نے بعد نماز کسی دوست کا باہر سے بیعت کا آیا ہؤا کارڈ ہاتھ میں لے کر احباب کو سنایا اور فرمایا کچھ عرصہ پہلے اس دوست نے مجھے سخت الفاظ میں مخاطب کیا تھا۔(مجھے تو یاد پڑتا ہے کہ فرمایا گالیاں لکھی تھیں)اب بیعت کا خط لکھا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خط میں جو سخت الفاظ لکھے وہ بھی اپنے اس وقت کے حال میں نیک نیتی ہی سے لکھے تھے۔اگلے دن صبح ہم تین مہمانوں نے حضور سے اجازت لینے کے واسطے مسجد مبارک میں داخل ہوکر ایک دروازہ کو دستک دی۔حضور باہر تشریف لے آئے۔مَیں آخر میں بائیں طرف کھڑا تھا۔ہم نے السّلام علیکم کہا۔حضور نے وعلیکم السّلام فرمایا۔ہم نے باری باری مُصافحہ کیا۔دائیں طرف کے پہلے دوست نے حضور کے ہاتھ میں روپوں کی گُتّھی پیش کی۔

☆:ایک کاپی میں آپ نے اس سٹیشن پر ۱۹۰۶ء اور ۱۹۰۷ء میں متعیّن رہنے کا ذکر کیا ہے۔

دوسرے نے بھی کچھ روپے پیش کئے۔مَیں فقیر نے صرف تین روپے حضور کے ہاتھ پر پیش کرتے ہوئے مُصافحہ کیا۔حضور نے ہم تینوں کو بعددُعا اجازت فرمائی۔بس یہی میری آخری ملاقات حضور سے ۱۹۰۷ء میں ہوئی۔مَیں نے حضور کے مکان کی گلی میں واقع کھڑکی سے حضور کو اپنے ایک خادم سیّد مہدی حسین صاحب مہتمم کتب سے اندر باتیں کرتے دیکھا۔☆

## صَداقت شعاری کی برکت

سٹیشن سٹھارجہ کی بات ہے کہ ایک رات ایک گاڑی گذرنے کے بعد آپ اور کانٹے والے وغیرہ سب سو گئے۔ڈاک گاڑی کو پینتیس منٹ باہر رُکنا پڑا۔آخر گارڈ نے سیکنڈ گارڈ بھجوایا۔اتنے میں آپ بیدار ہو گئے اور جلدی سے کانٹے والے کو بھجوایا۔دوسرے سٹیشن سے لائن کلیئر لیا۔آپ نے تاخیر والا وقت درج کیا اور ادھر گارڈ نے رپورٹ کر دی کہ اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر کے سو جانے کی وجہ سے گاڑی کو تاخیر ہو گئی۔اور اسے جگانے کے لئے مجھے سیکنڈ گارڈ بھجوانا پڑا۔آپ نے صبح ہی اس افسر کو درخواست بھجوا دی کہ گذشتہ رات اپنی بیوی کی زچگی کی وجہ سے میں سو نہیں سکا تھا۔اس لئے آج رات ڈیوٹی پر سو گیا۔ یہ قصور درگذر فرمائیں۔مَیں شرمسار ہوں اصلاح کرلوں گا۔اور سزا سے بھی اصلاح ہی مقصود ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ بھی بندہ کے بہت سے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ایسی چٹھی بھجوانے پر آپ کو تنزّلی کی افواہ پہنچی۔آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں دُعا کے لئے تحریر کر دیا اور آپ سکھرّ پہنچے۔دفتر بند تھا۔ہیڈ

☆: وفات سیّد صاحب ۱۴/۸/۳۱ مدفون قطعہ صحابہ بہشتی مقبرہ قادیان (الفضل ۱۴/۹/۲۹) بیعت ۱۸۹۳ء۔ آپ ۳۱۳ صحابہ میں سے تھے۔

آفس کے ہیڈ کلرک سے جو ہندو تھا اُس کے گھر پر ملے۔تو اس نے ملتے ہی مبارکباد دی کہ آپ کی چٹھی پڑھنے سے پہلے ڈی، ٹی افسر نے تنزلی کا حکم دیا تھا مگر آپ کی چٹھی پڑھ کر اسے منسوخ کر کے صرف دو روپیہ جرمانہ کیا ہے۔مَیں نے کہا آپ مذاق نہ کریں لیکن اس نے یقین دلایا۔ واپس آنے پر ڈاک میں یہ حکم موصول ہؤا۔ چنانچہ لائن کے ریلوے سٹاف میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ یہ امر حضرت مرزا صاحب قادیان کا معجزہ ہے۔ڈاک گاڑی کو پانچ منٹ تاخیر کرنے کا جُرمانہ پانچ روپے ہوتا ہے۔ جو بعض دفعہ بذریعہ تار کیا جاتا ہے اور یہاں پینتیس منٹ روکنے اور ڈیوٹی پر سوجانے کا جُرمانہ صرف دو۲ روپے ہؤا۔

## ایک روایت

آپ لکھتے ہیں کہ:

''میرے دوست منشی عبدالغنی (صاحب) نے مجھے بتایا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی کو گورداسپور مولوی محمد علی صاحب کے رشتہ کے واسطے مَہر ماہیا گورداسپوری کے ہاں لڑکی دیکھنے کے واسطے بھیجا تھا۔☆ یہ شاید ان دنوں کا ذکر ہے جب میں اوجلہ (میں رہائش رکھتا تھا اور) گورداسپور پڑھا کرتا تھا۔مہر ماہیا کا گھر گورداسپور (میں) بنگالی کی دکان کے بالمقابل شہر کی آبادی میں تھا۔منشی عبدالعزیز صاحب نے

---

☆: مطلب یہ ہوگا کہ لڑکی کے حالات گورداسپور جاکر معلوم کر لئے جائیں۔یعنی اقارب اور ہمسایوں سے۔مَہر صاحب اور منشی عبدالعزیز صاحب ہم قوم تھے۔اس لئے ان کے لئے حالات معلوم کرنے کی سہولت حاصل تھی یہ مطلب نہیں کہ وہ خود لڑکی کو دیکھیں۔

خدا تعالیٰ کی شان محترمہ فاطمہ صاحبہ بہشتی مقبرہ میں چاردیواری مزار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں دفن ہیں۔اور مولوی محمد علی صاحب بعد میں خلافت سے وابستگی اور قادیان میں قیام سے از خود محروم ہوگئے۔

حضرت صاحبؑ کو بتایا تھا کہ حضور! خاندان تو معمولی ہے لیکن لڑکی اچھی ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے فرمایا تھا (کہ) ہمیں خاندان کی مالی حالت اچھی ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر لڑکی اچھی ہے تو مولوی صاحب کے واسطے رشتہ کی کوشش کر لی جاوے۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب کی شادی گورداسپور ہوگئی۔ لڑکی کا نام فاطمہ تھا۔''

## حضور کا سانحۂ ارتحال

آپ لکھتے ہیں میری اہلیہ امید سے تھیں۔ انہوں نے تھوڑے تھوڑے کر کے نو روپے جمع کئے تھے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں بھجوا کر خیریت سے فراغت کی دُعا کے لئے عرض کریں گے۔ حضورؑ لاہور تشریف لے گئے۔ مَیں نے ان سے کہا حضور کے قادیان واپس تشریف لے جانے پر رقم ارسال کروں گا۔ پھر لاہور سے بدر میں الرَّحیل ثم الرَّحیل کا الہام پہنچا☆ تو میں نے گھر بتایا رقم تیار رکھیں۔ الہام حضور کو ہوگیا ہے۔ حضور اب قادیان واپس جائیں گے۔ دوسرے روز اللہ دتا نام گارڈ سے (شیعہ) نے دوسرے اسسٹنٹ کو کہا کہ اپنے مرزائی (یعنی بابو صاحب۔ ناقل) کو کہہ دیں کہ اس کا مرزا قادیان مرگیا ہے۔ رات کے پہلے حصّہ میں میری ڈیوٹی تھی۔ اس وقت دوسرے اسسٹنٹ کی ڈیوٹی تھی ۸ ۲۶/۵ کو سٹیشن پر گیا تو اس نے اللہ دتا کا یہ پیغام دیا۔ یہ دہشت ناک خبر سنتے ہی جسم لرز کر بے حسّ ہوگیا اور مجھے غشی سی ہوگئی ☆☆۔ میں نے یہ جوابی ارجنٹ ڈبل تار بدر نولکھا۔ لاہور کو دی۔☆☆☆

---

☆: بابو صاحب کی مراد ۲۰ مئی والے الہام سے نہیں۔ کیونکہ وہ پرچہ ۲ جون میں شائع ہوا۔ بلکہ ۹ مئی والا الہام مُراد ہے جو بدر مؤرخہ ۲۶ مئی میں درج ہے گویا یہ پرچہ ۲۶ مئی کو آپ کو پہنچ چکا تھا۔

☆☆: حضور کی وفات ۲۶ مئی کو دن چڑھے ہوئی اس لئے ۲۶ یا ۲۷ کی درمیانی شب ہی پہلی شب تھی۔ جب گارڈ نے آپ کو اطلاع بھجوائی جو ۲۷ مئی کو ملی نہ کہ ۲۶ کی صبح کو جیسا کہ سہواً بابو صاحب نے روایت میں درج کیا ہے۔

☆☆☆: بدر ۲۴ مئی و ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء ''کھتری سماچار مشین پریس لاہور'' میں طبع ہوا۔ ۲۴ مئی کے پرچے میں مرقوم ہے کہ تا اطلاع ثانی دفتر اخبار بدر۔ احمدیہ بلڈنگ۔ نولکھا کے پتہ پر خط و کتابت کی جائے۔

BAD RUMOURS WIRE HAZRATS HEALTH

سکھّر ریلوے تار کا تعلق براہ راست لاہور سے تھا اس لئے سکھّر کے سگنیلر کو جلد تار بھجوا کر جواب حاصل کرنے کے لئے بھی کہہ دیا۔تمام دن غم کی حالت میں جواب کا انتظار کیا۔چار بجے بعد دوپہر سکھر سے پوچھنے پر معلوم ہؤا کہ جواب نہیں آیا۔ریل گاڑیوں کی آمدورفت میں کچھ وقفہ تھا۔جنگل میں جا کر نفلوں میں بے اختیار ڈھائیں مار کر دُعائیں کیں کہ اے اللہ! یہ خبر جھوٹی ہو!! ڈھائیں رُکتی نہ تھیں۔

آپ بیان کرتے ہیں کہ شام تک جواب نہ آنے پر مَیں نے سٹیشن ماسٹر سے اجازت لی تا خیر پور میرس شہر جاؤں اور محمد ابراہیم صاحب اسسٹنٹ انجینئر احمدی سے مِل کر پتہ کروں۔وہاں پہنچا تو معلوم ہؤا وہ تبدیل ہو چکے ہیں۔مَیں وہاں کے ہسپتال میں بٹالہ کے رہنے والے مسلمان ڈاکٹر سے ملا تو اُن کے ہاں اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور میں حضور کی وفات کی خبر پڑھی کہ:

MIRZA GHULAM AHMAD OF QADIAN DIED..............AT LAHORE

میری تار کے جواب میں ۲۸ مئی کو سیکرٹری صدر انجمن کا تار بٹالہ سے ارسال کردہ مِلا۔

HAZRAT DEPARTED NURDIN KHALIFA

اگلے روز صدر انجمن کا اعلان بھی حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کی خلافت اور تحریکِ بیعت کے متعلق موصول ہؤا۔سومَیں نے اپنی اہلیہ کو آہستہ آہستہ خبر بتا دی تا کہ اسقاط نہ ہو۔اور اپنی اور ان کی بیعت کا خط تحریر کر دیا۔اردگرد کے سٹیشنوں سے ریلوے سٹاف نے آ کر مجھ سے تعزیت کی۔میری اس گریہ وزاری کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے سِلسلہ سے تعلق اور اخلاص عطا کر دیا۔

## نصرت الٰہی کا ایک واقعہ

آپ لکھتے ہیں ۱۹۰۹ء میں ریلوے سٹاف میں تخفیف بوجہ کمی آمد یا بخیال بچت ہونے لگی۔اور ہر مدّ کے جونیئر کارکنان کو چھ چھ ماہ کی لازمی رخصت بلاتنخواہ دی گئی مَیں بھی

تخفیف کی زد میں آ گیا تنخواہ سے بھی بمشکل گذارہ ہوتا تھا۔اور کوئی ذریعہ آمد نہ تھا۔ بھلا بغیر تنخواہ گذارہ کیسے ہوسکتا۔مَیں نے اہلیہ اور یتیم بہنوں سمیت الحاح سے دعائیں کیں اور حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں بھی دُعا کے لئے تحریر کیا۔میری ایک ہمشیرہ نے کہا آپ درخواست دیں کہ حسنِ کارکردگی کے نتیجہ میں مجھے ترقی دے کر سٹیشن ماسٹر کردیا گیا تھا۔اس وجہ سے مَیں جونیئر بطور سٹیشن ماسٹر ہوں۔مَیں چھ ماہ گذارہ کیسے کروں؟ مجھے بیشک اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر کردیا جائے۔تنخواہ تو ملے گی۔چنانچہ مَیں نے اسے القاءِ الٰہی سمجھتے ہوئے درخواست دے دی۔انگریز افسر کا دل درخواست سے دہل گیا حقِ رخصت چھتیس دن جو بنتا تھا مجھے باتنخواہ دے دیا اور ڈبل الاؤنس پندرہ روپے ماہوار بچت میں دکھادیا۔مَیں فری پاس لے کر قادیان اور اقارب کے پاس گیا۔میرے سوا کسی ایک شخص کو بھی باتنخواہ حقِ رخصت نہ دیا گیا تھا۔واپس آکر سکھّر ڈی ۔ٹی ۔ایس کے دفتر میں حاضر ہوگیا۔ ہیڈ کلرک نے کہا کہ چھ ماہ میں سے بقایا حصّہ کے لئے جبری رخصت پر آپ کو جانا ہوگا۔مَیں سارا دن دعائیں کرتا رہا۔ جو یوں قبول ہوئیں کہ روہڑی سکھّر کے دریا پار ہے۔اور ہیڈ کوارٹر کے ساتھ ہونے کی وجہ سے ریلیونگ ڈیوٹی والے کو الاؤنس نہیں ملتا تھا۔اس لئے ریلیونگ ڈیوٹی والے بابو چند دن کام کرکے بیماری کا سرٹیفکیٹ دے کر فارغ ہوجاتے تھے۔اس روز دوسری یا تیسری تار سٹیشن ماسٹر روہڑی کی طرف سے ہیڈ کوارٹر میں آئی کہ میرا اسسٹنٹ کئی روز سے بیمار ہے۔کام محال ہورہاہے۔وہاں کام بہت زیادہ تھا۔اور ہوشیار شخص درکار تھا۔مَیں ٹرین ورکنگ میں ہوشیار اور پھر ضرورت مند تھا۔اس روز چونکہ ہیڈ کوارٹر بلکہ لائن پر کوئی ریلیونگ کلرک فارغ نہ تھا۔مجھ کو لگا دیا گیا۔میرے کام سے سٹیشن ماسٹر بہت خوش ہؤا۔اس طرح کچھ وہاں اور کچھ دوسری جگہ بطور ریلیونگ میں کام کرتا رہا۔اور ایک دن کے لئے بھی مجھے جبری اور بلاتنخواہ رخصت پر نہ جانا پڑا۔

## نصرت الٰہی کا ایک اور واقعہ

آپ لکھتے ہیں کہ دس سال پنجاب سے باہر رہنے کے بعد میں نے درخواست دی کہ مجھے بھی میرے وطن میں تبدیل کردیا جائے چنانچہ مجھے لاہور ڈویژن میں تبدیل کر

دیا گیا۔ سٹیشن ماسٹر بڑے سٹیشنوں پر بطور اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر متعیّن کر دئے جاتے ہیں۔ گو وہ ٹرین ورکنگ سے تنگ پڑ جاتے ہیں۔ لیکن مَیں نے اس کے لئے درخواست دے دی اور مغلپورہ ریلوے سٹیشن پر میرا تقرر ہوا۔ ایک دفعہ میری رخصت منظور ہوئی۔ ابھی انتظار تھا کہ میری جگہ کوئی شخص آئے تو میں رخصت پر جاؤں۔ اس عرصہ میں میری ایک ٹانگ پر پھوڑا نکل آیا اور میں لنگڑا کر سوٹی کے سہارے ڈیوٹی پر حاضر ہوتا۔ بیماری کی رپورٹ مَیں نے نہیں کی کہ اس طرح رخصت منسوخ ہو کر بیماروں کی فہرست پر نام درج ہو جاتا۔ ایک روز دس منٹ تاخیر سے ڈیوٹی پر پہنچا۔ مجھ سے قبل کے ڈیوٹی والے اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر نے دس منٹ پہلے تک کے حالات ٹرینوں کے لکھے تھے۔ اور مَیں نے اسکے کہنے پر دستخط کر دئے تھے۔ اور اس کے زبانی کہنے پر لاہور سٹیشن کو ایک سواری گاڑی کا لائن کلیئر دے دیا حالانکہ اس وقت ایک مال گاڑی لاہور مغلپورہ کے درمیان لائن پر تھی اور ایک مال گاڑی جلّو روانہ ہونے والی مغلپورہ سٹیشن پر کھڑی تھی۔ لائن کلیر دینے کا نتیجہ خطرناک تصادم کی صورت میں نکلتا۔ مجھے غلطی کا علم ہوا تو فوراً سجدہ میں گر گیا۔ اور دُعا کی کہ اے میرے خدا! میرے اللہ!! تو اپنی مخلوق کو بچالے۔ اے اللہ کریم! مَیں اپنی فاش غلطی کی وجہ سے مارا گیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے مجھے قید سے اور مخلوق کو مرنے سے اور ریلوے کو اس طرح بچالیا کہ پھاٹک والے نے دُہائی دی اور سواری گاڑی کو ڈرائیور نے دور کھڑا کر دیا۔

یورپین سٹیشن ماسٹر نے مجھے فوراً معطّل کر دیا اور افسران بالا کو تصادم ہوتے ہوتے رُک جانیکی اطلاع بذریعہ تار کر دی۔ مجھ سے دریافت کیا گیا تو بذریعہ تار ہی مَیں نے بھی جواب دیا کہ اس کیس میں مَیں مجرم ہوں۔ مفصّل جواب پھر لکھوں گا۔ اگلے روز ڈی، ٹی، او کے بُلانے پر مَیں نے ساری تفصیل بتائی کہ کس طرح ہینڈ سگنل پر جمعدار ایک گاڑی لایا جو دراصل پہلے ہی یارڈ کے اندر تھی۔ پہلے بابو کو جو ڈیوٹی پر تھا غلط فہمی ہوئی اور اس کے کہنے کے مطابق مَیں نے لائن کلیئر دے دیا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ مَیں لنگڑا بیمار ہوں۔ منظور شدہ رخصت کی منسوخی کے خوف سے بیماری کی رپورٹ پر گھر آرام کرنے کی بجائے خاص ہمت کر کے لنگڑا کر سوٹے کے ساتھ ڈیوٹی پر تو آ گیا۔ لیکن دس منٹ تاخیر سے پہنچا۔ میرا فرض تھا کہ مَیں باہر نکل کر دیکھتا لیکن بوجہ لنگڑا پن مَیں نے دوسرے پر اعتبار کر لیا۔ چونکہ ٹرین ٹک وغیرہ پر

میرے دستخط تھے اس لئے اس بابو نے میری منّت کی تھی کہ مَیں اسکا نام نہ لوں۔ کیونکہ قانوناً وہ بری ہے مَیں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ ابتداء میں میں اس کا نام نہ لوں گا۔ لیکن اصل حالات ظاہر کرتے وقت مجھے سب کچھ بتانا پڑے گا۔ قانون کی رو سے گاڑی اندر آجانے پر پچھلی بریک خود دیکھنی چاہیے تھی۔ کہ سگنل گذر آئی ہے نہ مَیں نے یہ دیکھا۔ نہ کیبن مَین سے دریافت کیا۔ نہ گارڈ سے ملا۔ نہ لائن کلیئر دیتے وقت کیبن مَین کو اطلاع دی اور اس کی ساری وجہ میر لنگڑا پن تھا۔ مَیں بار بار اُٹھ نہیں سکتا تھا۔ قانوناً مَیں مُجرم ہوں۔ چونکہ مَیں نے تمام حالات صاف صاف بیان کر دئے ہیں۔ اس لئے ریلوے قانون کی رُو سے جو انکوائری کمیٹی ضروری ہے وہ نہ بُلائی جائے کہ اس سے سرکار کے مزید اخراجات ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے خود حادثہ سے لوگوں کو محفوظ رکھ لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انگریز افسر کا دِل پگھلا دیا اور اس نے انگریز سٹیشن ماسٹر سے کہا کہ مجھے بحال کر دے۔ چنانچہ اس نے اگلے روز مجھے دفتر حاضر ہونے کا حکم دیا۔ ہیڈ کلرک نے افسر کو بتایا کہ چونکہ یہ واقعہ سواری گاڑی کے متعلق ہے اس لئے بابو صاحب کو بحال کرنے کے مجاز ٹی، ایس لاہور ہیں۔

آپ نے جملہ تفصیل حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں تحریر کر کے دُعا کی درخواست کی اور خود بابو منظور الٰہی صاحب سے جو ٹیلیگراف افسر تھے ملنے گئے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ نے مجھے آپ کے تعطّل کی اطلاع دیتے ہوئے رقم فرمایا ہے کہ مَیں نے اُن کے واسطے دعا کی ہے۔ محکمانہ طور پر آپ سے جو کچھ ہوسکتا ہے۔ ان کے لئے کریں۔ بڑے افسر سے ملیں۔ اور مَیں نے جواب دیا ہے مسافر گاڑی کا حادثہ بڑا بُرا کیس ہے۔ اس لئے میں کچھ نہیں کرسکتا۔ حضور دُعا ہی فرمائیں۔ حضور کی دُعا ہی کچھ کرلے تو کرے۔ حضرت خلیفہ اوّل کی ہمدردی معلوم کر کے آپ بہت خوش ہوئے اور الحمد للہ کہتے ہوئے آگئے کہ اب جو کچھ ہوگا اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فضل عجیب در عجیب طور پر ہوُا۔ اوّل صرف ایک سال کے لیئے تنزلی کر کے اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر سے گڈس کلرک بنا کر امرتسر تبدیل کر دیا گیا اور تنخواہ میں صرف پانچ روپے ماہوار کی کمی ہوئی۔ دوئم اس ڈسٹرکٹ ٹرانسپورٹ آفیسر نے یہ رپورٹ کی کہ مسل

پر آمدہ بیانات کے صحیح ہونے کے متعلق مجھے ذاتی طور پر تسلّی ہے۔بابو فقیر علی نے حالات درست بیان کئے ہیں۔اس لئے آفیسرز انکوائری اور اس کے اخراجات غیر ضروری ہیں۔سوئم عام طریق یہی ہے کہ مسافر گاڑی سے متعلق حادثہ پر قصوروار اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر کو ہمیشہ کے لیئے تنزل کر کے کلرک یا ٹرین کلرک کر دیا جاتا ہے۔لیکن مجھ سے یہ خاص سلوک ہوُا کہ مجھ پر یہ پابندی صرف ایک سال تک رہی۔ بعدازاں مجھے گڈس کلرک سے سٹیشن ماسٹر کے گریڈ میں بحال کر کے ٹرین ڈسپیچر مقرر کر دیا گیا۔اور مجھے بحال کرنے والے مہربان افسر نے کہا کہ مزید پندرہ روپے الاؤنس ملنے کی وجہ سے میری سابق تخفیف بھی پوری ہو جائیگی۔ چنانچہ میں سات سال تک امرتسر میں متعین رہا۔اور یورپین اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر اور میں باری باری ڈیوٹی دیتے تھے۔

## حضرت خلیفہ اوّل ؓ کی شفقت

آپ تحریر کرتے ہیں ۔میری ہمشیرگان کی منگنیاں اس زمانہ کے رواج کے مطابق اس وقت کی گئی تھیں جبکہ وہ ابھی گود میں تھیں۔لیکن میں نے احمدیت کی وجہ سے اپنے غیر احمدی اقارب سے قطع کر لی تھی۔اوران کے رشتوں کے لئے حضرت خلیفہ اوّل ؓ کی خدمت میں عرض کیا تھا۔آپنے پہلے یہ مشورہ دیا کہ اقارب کو احمدی بنانے کی کوشش کی جائے۔لیکن یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی۔اور حضرت خلیفہ اوّل ؓ کی خدمت میں عرض کیا گیا۔اور اخبارات الحکم یا بدر میں بھی اعلان کرایا تھا۔حضرت خلیفہ اوّل ؓ کے مشورہ سے بھیرہ کے ایک احمدی سے جو پولیس میں محرّر تھا۔ہمشیرہ فاطمہ صاحبہ کا رشتہ طے ہوُا۔جب رخصتانہ دینے کے لئے میں مع کنبہ سکھّر سے قادیان آیا تو اس شخص کی ہمشیرہ نے دوسری بہن ریشم بی بی صاحبہ کا رشتہ اس کا رنگ قدرے خوبصورت ہونے کی وجہ سے طلب کیا۔یہ مطالبہ سخت تکلیف دہ تھا۔فیصلہ اور تیاری ایک کی شادی رچانے کی تھی۔اور عین وقت پر مطالبہ دوسری کے متعلق کر دیا گیا۔ان دنوں حضرت خلیفہ اوّل حضرت مسیح موعودؑ کے مکان کے پچھواڑے میں قیام رکھتے تھے۔اور آپ کی عادت تھی کہ نماز عشاء کے بعد کسی کے ساتھ کوئی گفتگو نہ کرتے تھے۔خاموش جلدی گھر چلے جاتے تھے۔بابو صاحب دروازہ کے پاس جا کھڑے ہوئے اور دریافت کرنے پر

یہ قصّہ عرض کیا۔فوراً فرمایا۔آپ میرے مُرید ہیں۔ابھی جا کر اُسے کہہ دیں کہ ہم تمہیں کوئی بھی رشتہ نہیں دیتے۔آپ نے اپنی اہلیہ صاحبہ کو بھی اطلاع کر دی جو حضرت اماں جانؓ کے پاس قیام رکھتی تھیں۔چنانچہ دونوں میاں بیوی کی ڈھارس بندھ گئی۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ کی ناراضگی کا علم پا کر اس شخص کی ہمشیرہ محترمہ اہل بیت حضرت خلیفہ اوّلؓ کے پاس پہنچیں اور کہا ہم پہلا رشتہ ہی قبول کرتے ہیں۔ہم بُھول گئے۔حضرت مولوی صاحبؓ ہمیں معاف کر دیں۔ان کی طرف سے اہل بیت حضرت مولوی صاحب نے بہت منت سماجت کی حتّٰی کہ رات بارہ ایک بجے آپ نے معافی دے دی اور بعد نماز فجر نکاح پڑھنے کا وعدہ فرمایا۔اور اسی وقت اس شخص نے بابو صاحب کو بھی اطلاع دے دی۔اور قبل فجر آپ نے دارالمسیح میں اپنی اہلیہ کو بھی مطلع کر دیا۔حضرت خلیفہ اوّلؓ نے خطبہ نکاح میں دردناک زبان میں فرمایا کہ اس رشتہ کے بارہ میں ہمیں بہت تکلیف ہوئی ہے۔ہمارا دوست فقیر علی سندھ سے آیا ہے۔بہت نیک اور سادہ ہے۔انہیں اور ان کے گھر والوں کو بہت تکلیف ہوئی ہے۔مَیں نے بہت دُعا کی ہے۔یا تو اچھی اصلاح ہو جائے گی یا طرفین میں سے کسی کو خدا خود سنبھال لے گا۔

چنانچہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کے گھر میں رخصتانہ ہوا۔چند دن ہمشیرہ مع خاوند حضرت خلیفہ اوّلؓ کے ہاں مقیم رہیں۔اہلیہ بابو صاحب کا قیام دارالمسیح میں اور بابو صاحب کا مہمان خانہ میں تھا۔دوبارہ رخصتی (مکلاوہ) لینے کے لئے یہ صاحب سکھرؔ آئے اور بابو صاحب نے میاں بیوی کے لئے پارچات بنوائے لیکن اِن صاحب نے بہت بد دماغی دکھائی حتّٰی کہ ایک روز بابو صاحب سے سخت کلامی کی۔اور آپ کی ہمشیرہ اس رویہ کی وجہ سے سخت مغموم ہوئیں بابو صاحب رات بھر ڈیوٹی دے کر صبح گھر آئے تو دیکھا ہمشیرہ کو رات سے ہیضہ ہو چکا ہے۔ڈاکٹر نے کہا حالت خطرناک ہے۔اور شراب کی ایک خوراک پلانا چاہی۔لیکن ہمشیرہ نے جو آپ کی اہلیہ صاحبہ اور دوسری بہن کی طرح بہت دعا گو اور نوافل پڑھنے والی تھیں شراب پینے سے انکار کر دیا اور جان بحق ہوگئیں۔چونکہ سکھرؔ میں اور کوئی احمدی نہ تھا اس لئے بابو صاحب اور مرحومہ کے خاوند دونوں نے ہی ان کا جنازہ پڑھا اور دفن کیا۔بابو صاحب نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں بذریعہ تار اطلاع دے کر دعا کی درخواست

کی ۔ماشکن نے بتایا گذشتہ رات مرحومہ کو سجدہ میں رو رو کر یہ دعا کرتے مَیں نے سُنا کہ اے خدا تعالیٰ! میرے خاوند کا رویہ میرے بھائی کے ساتھ سخت کلامی کا اچھا نہیں۔تو اب بھی قادر ہے۔اگر میرا بھیرہ جانا اچھا نہیں ہے تو بہتری کر دے ایک دن قبل مرحومہ کو یہ خواب بھی آیا تھا کہ فرشتہ اس کی ڈولی لے جا رہا ہے۔اس طرح حضرت خلیفہ اوّلؓ کی نکاح میں بیان کردہ بات پوری ہوئی۔

آپ نے اسکے خاوند کے ہاتھ پارچات حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں بھجوائے تا مقبرہ بہشتی کے فنڈ میں شمار کیئے جائیں۔بقیہ سامان جہیز۔آپ جب قادیان آئے تو حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں پیش کیا۔حضور حیران ہوئے اور فرمایا کہ مرحومہ کے خاوند نے ہمیں ایسی کوئی اشیاء نہیں دیں۔بابو صاحب کے خط لکھنے پر اس نے جواب دیا کہ یہ اشیاء ایک کنسٹیبل کے پاس رکھی ہیں جو اب رخصت پر ہے۔بالآخر یہ اشیاء اس نے مرکز میں نہ پہنچائیں دوبارہ اس کی شادی نہ ہوسکی۔اور وہ سِلسلہ احمدیہ سے بھی بے تعلق ہوگیا۔

چھوٹی ہمشیرہ محترمہ ریشم بی بی صاحبہ کے رشتہ کے لئے بھی آپ نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے میاں مہرالدین صاحب سکنہ خلچیاں مغلاں ضلع سیالکوٹ کے لئے تحریک فرمائی۔قادیان میں انہیں دیکھنے پر ان کی عمر زیادہ پا کر جب کہ آپ کی ہمشیرہ تیرہ چودہ سال کی ہونگی۔بابو صاحب نے عرض کیا کہ ان کی عمر زیادہ ہے۔آپ کے اہل بیت کو آپ کے جواب کا علم ہوَا تو انہوں نے کہا کہ بشیر کے ابّا! آپ سنا کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی عمر بہت چھوٹی تھی۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے شادی کی تھی۔بالفرض میری وفات واقع ہو جائے۔اور آپ کو صاحب اولاد ہونے کے باوجود شادی کرنی پڑے اس پر بھی لوگ اعتراض کریں گے۔اس پر بابو صاحب نے حضور کی خدمت میں عرض کر دیا کہ مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔لاہور واپس جانے پر آپ کو علم ہوَا کہ موصوف کا سلوک اپنی پہلی بیوی سے اچھا نہیں تھا۔اس لئے جماعت ان کی سفارش نہیں کرے گی۔چنانچہ آپ نے نکاح روکنے کے لئے حضور کی خدمت میں تار ارسال کیا۔میاں مہرالدین صاحب کے خطوط حضور کی خدمت میں نیک سلوک کی یقین دہانی کے بارے میں آتے رہے۔حضور نے قادیان سے تین احباب حضرت ڈاکٹر سید

عبدالستار شاہ صاحبؓ کے پاس بمقام رعیہ ضلع سیالکوٹ بھجوائے اور ڈاکٹر صاحب کی تسلی بخش رپورٹ آنے پر بابو صاحب سے دوبارہ اجازت حاصل کر کے تین صد روپیہ مہر پر نکاح پڑھ دیا۔ بابو صاحب نے نہایت سادگی سے حضرت خلیفہ اوّلؓ کے گھر میں ہی ہمشیرہ کا رخصتانہ کر دیا۔☆

## بھاگ ناڑی زلزلہ کی زد میں

جن دنوں آپ قادیان ہمشیرہ فاطمہ صاحبہ کی شادی کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اس عرصہ کے دوران کا یہ واقعہ بھی آپ تحریر کرتے ہیں کہ کوئٹہ والے منشی نور محمد صاحبؓ سے قادیان میں ملاقات ہوئی اور انہوں نے سنایا۔ ایک قصاب نے احمدیت قبول کی تو علماء کے فتویٰ کے مطابق لوگوں نے ان کا مقاطعہ کر دیا جس سے اس کی دکان کا کام بند ہو گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خواب میں اس قصاب دوست کو نظر آئے۔ اور فرمایا میاں! بھاگ ناڑی پر کدھر سے حملہ کروں؟ منشی صاحب نے جو بھاگ ناڑی کے مجسٹریٹ کے ریڈر تھے زبانی یا اشتہار کے ذریعہ اعلان کر دیا کہ عنقریب یہاں تباہی آئے گی۔ چنانچہ زلزلہ سے بھاگ ناڑی ایک تہائی آبادی سمیت تباہ ہو گیا۔ سرکاری بنگلہ، ریلوے سٹیشن گر گیا۔ ریلوے لائن پر شگاف پڑ گئے۔ ریل گاڑی کی آمد و رفت رُک گئی منشی صاحب نے اعلانیہ کہا کہ صداقت احمدیت ظاہر ہوئی ہے۔ علماء بلوچستان نے حکومت کے پاس شکایت کی کہ قدرتی طور پر زلزلہ سے تباہی آنے پر مرزائی نور محمد کہتا ہے کہ ہماری پیشگوئی پوری ہوئی چونکہ بلوچستان میں پولیٹیکل قانون جاری تھا۔ اس لئے سرکاری حکم سے منشی صاحب اور ایک احمدی چپڑاسی نورالدین کو ملازمت سے موقوف کر دیا گیا۔ اور چوبیس گھنٹے کے اندر بلوچستان سے نکال دیا گیا۔ منشی صاحب نے قادیان آ کر حضرت خلیفہ اوّلؓ سے ماجرا کہہ سنایا۔ آپ اس بات سے خوش نہ ہوئے اور فرمایا کہ بددعا کیوں کی؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت کے واسطے بددعا نہیں کرنی چاہئے تھی۔☆☆

☆: حضرت ڈاکٹر صاحب کے مختصر سوانح کے لیئے دیکھئے تابعین اصحاب احمدؑ جلد سوم (یعنی سیرۃ امّ طاہرؓ)

☆☆: منشی صاحب صحابی تھے۔ گلگت میں بھی سرکاری ملازم رہے ہیں۔ قادیان ہجرت کر آئے تھے

# حضرت خلیفہ اوّلؓ کی سادگی

آپ تحریر کرتے ہیں کہ خلافتِ اولیٰ میں مَیں ایک روز بعد دوپہر حضرت خلیفہ اوّلؓ کے مطب میں حاضر ہوا۔آپ احباب میں دری چٹائی پر بچھائے تشریف فرما تھے۔آپ کا ایک بچہّ ننگے پاؤں۔خاک آلود جسم کے ساتھ ایک کھلونا جو لکڑی کا گڈوا تھا۔لے کر آیا۔اس میں بُھنے ہوئے چنے تھے۔اور گود میں بیٹھ کر کہا کہ ابّا جی! ابّا جی! چنے کھالو۔آپ نے گڈوا پکڑ کر چنے کھانے شروع کئے۔اور فرمایا۔الحمدللہ۔اللہ تعالیٰ نے نورالدین کو رزق بھیج دیا آج ہم گھر میں کھانا کھانے گئے اور بیٹھ کر چلے آئے۔معلوم ہوتا تھا کہ بچے ہمارا کھانا کھا گئے ہیں۔

آپ یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ ایک جُمعہ کے روز میں امرتسر سے قادیان پہنچا اور جاتے ہی نماز جمعہ سے پہلے حضرت خلیفہ اوّلؓ کے حضور السلام علیکم عرض کیا۔فرمایا آجایئے۔کون صاحب ہیں؟ آجایئے: حاضر ہوا۔تو دیکھا کہ آپ بہت معمولی چھوٹی مونج کی چارپائی پر بیٹھے جمعہ کے واسطے کپڑے پہن رہے ہیں۔آپ نے وعلیکم السلام فرمایا۔اور مصافحہ کے ساتھ ہی اسی چارپائی پر بٹھا لیا۔اور میری کوشش کے باوجود مجھے نیچے نہ بیٹھنے دیا۔یہ کپڑے گھر کے دُھلے ہوئے تھے۔انہیں استری کرنا تو درکنار سُوکھنے کے بعد جو بعض مستورات ڈنڈے سے کُوٹ دبا کر تہ بٹھا لیتی ہیں۔ایسا بھی نہیں کیا گیا تھا۔آپ نے قمیص پر کُھلا کوٹ پہنا۔پھر پگڑی باندھنا شروع کر دی۔پگڑی کے کچھ حصّے میرے بیٹھنے پر میرے نیچے آگئے تھے۔جب پگڑی میرے نیچے سے نکلی تو میں بہت شرمندہ ہوا۔لیکن مولوی صاحب کچھ نہیں۔کچھ نہیں۔کچھ نہیں۔فرماتے ہوئے پگڑی لپیٹتے ہوئے جمعہ کے لئے جانے کو دروازے سے باہر نکلے۔میں آپ کے پیچھے جارہا تھا۔راستہ میں اور احباب بھی ساتھ شامل ہو گئے۔

---

بقیہ حاشیہ: اور صدرانجمن احمدیہ کے کارکن کے طور پر ایک عرصہ تک کام کرتے رہے تقسیم ملک کے وقت ہجرت کر کے کوئٹہ چلے گئے۔اور وہیں بتاریخ ۲۴۸/۱۱ وفات پائی (الفضل ۱۹/۱۱۔ص ۷) سلسلہ سے محبت رکھنے والے اور دعا گو بزرگ تھے بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔

آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ میری موجودگی میں کسی نے حضرت خلیفہ اوّلؓ سے آپ کے مطبّ میں دریافت کیا کہ پردے کے لئے بُرقعہ کیسا ہونا چاہیئے ۔آپ نے کسی کو اپنے گھر بھجوایا اور کہا کہ والدہ عبدالحی ( آپ کے اہل بیت ) کا بُرقعہ لے آؤ۔ حضرت اماّں جیؓ آپ کے اہل بیت نے کہا کہ مجھے تو آپ نے کوئی برقعہ بنا کر نہیں دیا ہوُا۔ اور لٹھہ کی ایک کُھلی چادر لاکر دے دی۔ حضرت مولوی صاحبؓ نے یہ چادر اس طرح اوڑھی کہ تمام بدن ۔ چھاتی وغیرہ چُھپا کر اور سر سے کچھ گھنڈ نکال کر بتایا۔ میرے نزدیک تو ہماری مستورات کو باہر نکلتے وقت اس طرح پردہ کر لینا چاہیئے ۔ بعد ازاں حضور نے اماّں جیؓ کو معمولی سادہ سفید لٹھے کا برقعہ بنوا دیا تھا۔

آپ یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ امرتسر میں ایک متمول شخص ملامتی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ایک دفعہ قادیان میں حضرت خلیفہ اوّلؓ سے انہوں نے آکر ملاقات کی تھی ۔اور حضور نے ان کی ایک کاروائی پر انہیں نصیحت کی تھی کہ انسان کو منافق نہیں ہونا چاہیئے ۔ایک دفعہ انہوں نے مجھے ایک مکتوب دکھایا۔ جس میں حضرت مولوی صاحبؓ نے انہیں اس رنگ میں نصیحت فرمائی ہوئی تھی کہ آپ فلاں معزز قوم کے فرد ہیں جو وعدے کے بڑے پکّے ہوتے ہیں ۔اور نصیحت کے طور پر چند پنجابی بَیت بھی رقم فرمائے تھے ۔ان میں ایک بیت یہ تھا۔

ایہہ دُنیا تِلکن بازی ویہڑا اے
توسنبھل سنبھل کے چلنا اے

آخری شعر یہ تھا۔

نوردین نمانیاں اوہو چنگیاں
جیہڑیاں لنگھ ایتھوں ہوشیار گیاّں

## حضرت خلیفہ اوّلؓ وحضرت صاحبزادہ صاحب کا ورود امرتسر

آپ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ بمشورہ جماعت حضرت خلیفہ اوّلؓ کو امرتسر میں مولوی محمد علی صاحب ایم ،اے کے خسر بابوصفدر جنگ صاحب کے ہاں بوجہ دُسعتِ مکان اتارا گیا۔ آپ کا وہاں پوری طرح خیال نہ رکھا جا سکا۔ اور آپ کو تکلیف

ہوئی۔آپ نے اس امر کا اظہار بھی فرمایا کہ غیروں کے گھر میں آپ کو ٹھہرایا گیا۔اس تجربہ کے مدّنظر ۱۹۱۳ء سے حجّ سے مراجعت پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین صاحب (بعدۂ خلیفۃ المسیح الثانیؓ) کو حضرت میاں محمد ابراہیم صاحب مِس گر کے ہاں اتارا گیا۔اور بفضلہٖ تعالیٰ آپ جماعتِ امرتسر سے بہت خوش ہوکر تشریف لے گئے۔ابتداء میں جب آپ سے امرتسر میں وارد ہونے اور دعوتِ طعام قبول کرنے کی درخواست جماعت نے کی تو آپ نے معذرت کردی۔بعدۂ جماعت نے میری تجویز پر مجھے اور محترم چوہدری اللہ بخش صاحبؓ (بعدۂ مالک اللہ بخش سیٹم پریس قادیان) کو لاہور بھجوایا۔چنانچہ حضرت میاں چراغ دین صاحبؓ کے مکان پر جہاں آپ فروکش تھے۔ہم دونوں نے ملاقات کی اور مَیں نے عرض کی کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی دعوت ردّ نہیں کی۔اس پر آپ نے فوراً دعوت قبول کر لی۔اور ہم فرحاں وشاداں واپس لوٹے۔اور جماعتِ امرتسر کو یہ مُژدۂ جانفزا سُنایا۔☆

## قادیان تک ریل گاڑی جاری ہونا

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو قادیان میں ریل گاڑی آنے کی خبر دی تھی۔چنانچہ میاں چراغ دین صاحب نے بیان کیا:

> ''ایک دفعہ حضورؑ میاں صاحب (یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب۔ناقل) کی انگلی پکڑ کر سَیر کے لئے بسراواں تشریف لے گئے۔جہاں پر آج کل چھپڑّ ہے وہاں پہنچ کر فرمایا کہ:
> ''دیکھو میاں گاڑی کی آواز آرہی ہے۔''۵ پھر آپ یہ کہہ کر چل دیئے۔
> چنانچہ آپ ہی کے عہد خلافت میں ریل گاڑی قادیان تک جاری ہوئی۔خدا کے فضل سے آج کل یہاں گاڑی کی آواز سنائی دیتی ہے۔''۶

☆:الحکم مؤرخہ ۱۴/۱۷ جنوری ۱۹۱۳ء میں مرقوم ہے۔
''۱۲ جنوری ۱۹۱۳ء لاہور آئے ........ احباب امرتسر کے اصرار سے آپ پونے نو بجے کی گاڑی پر امرتسر اتر گئے۔وہاں بھی آپ کی تقریر ہوئی اور پھر دو بجے بٹالہ پہنچے۔'' (ص۱۰۔ک۱)

ریل گاڑی کے جاری ہونے کے موقعہ پر مخالفین نے سرتوڑ کوشش کی کہ ریلوے سٹیشن قصبہ سے جانبِ جنوب بنایا جائے کیونکہ وہاں جماعت احمدیہ کی اراضی نہ تھیں اور اس طرح جماعت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے دریافت فرمایا آیا کسی دوست نے خواب وغیرہ میں دیکھا ہے کہ سٹیشن کس طرف بنا ہؤا ہے۔تو حضرت مرزا محمد اشرف صاحبؓ نے اپنا ایک خواب اور حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ نے اپنی قبولِ احمدیت سے قبل کا اپنا ایک خواب سنایا۔ ہر دو نے موجودہ مقام پر ریلوے سٹیشن دیکھا تھا۔اور یہی ہؤا۔حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کی مساعی سے موجودہ مقام پر بطرف شمال سٹیشن بنوانے میں کامیابی ہوئی۔☆

بٹالہ سے بوٹاری تک کی بجائے صرف قادیان تک ریلوے لائن تعمیر ہوئی اور کچھ عرصہ بعد بوٹاری تک کی خرید کردہ اراضی برائے تعمیر ریلوے لائن وغیرہ بھی فروخت کر دی گئیں اس طرح اللہ تعالیٰ نے سینتیس ۳۷ سال سے یہ نشان نمایاں طور پر جاری رکھا ہؤا ہے کہ یہ ریل گاڑی اس نے سِلسلہ احمدیہ کی خدمت کے لئے جاری کی تھی۔اور اب بھی اس کی بین الاقوامی شہرت کی خاطر اسے قائم رکھا ہؤا ہے۔☆☆

---

☆: مختصر کوائف کے لیئے دیکھیں اصحاب احمد جلد اول (ص ۱۰۳، ۱۰۴)

☆☆: الحمدللہ ۱۹۵۶ء سے قادیان بٹالہ سڑک پختہ بن چکی ہے اور چند سالوں سے امرتسر اور بٹالہ کی بس کمپنیوں اور پنجاب گورنمنٹ بَس روڈویز کی بسوں کی آمدورفت امرتسر اور جالندھر (براستہ بابا بکالہ) اور بٹالہ سے قادیان بلکہ موضع ہرچووال اور بھیٹ کے پتن تک شروع ہے۔ چونکہ اندرون قبصہ میں سابق سٹار ہوزری کے پاس بَسیں کُھلی جگہ میں ٹھہرتی ہیں۔اس لئے مسافروں کی اکثریت کو یکہ یا آدمی رکشا کے سٹیشن تک کے کرایہ کی بچت ہو جاتی ہے۔اور وہ بسوں کے سفر کو ترجیح دیتے ہیں۔ بٹالہ اور نواح تک یکّے اور بعض دفعہ ٹیکسیاں بھی چلتی ہیں۔ چند سال سے ایک آدمی رکشا بھی قادیان میں موجود ہے اور اناج منڈی قادیان ایک وسیع وعریض علاقہ کی واحد منڈی ہے۔اور اس کا تمام مال گندم۔ دھان۔ گڑ۔شکر۔مسور۔ ماش۔تِل اور جوار وغیرہ بٹالہ اور یوپی تک جاتا ہے اور امرتسر اور بٹالہ کا تجارتی مال اور پھل اور سبزیاں ٹرکوں پر آتی ہیں۔

ریلوے کی آمد اس سے متاثر ہونے پر تین چار سال قبل نارتھ ریلوے کے سب سے بڑے

حضرت بابو فقیر علی صاحبؓ قادیان میں اوّلین سٹیشن ماسٹر متعین ہوئے۔☆
۱۹ دسمبر ۱۹۲۸ء کو امرتسر سے قادیان کو ریل گاڑی جاری ہوئی۔بعض ڈبےّ ریزرو کرنے کے لئے محکمہ کو لکھا گیا تھا۔پہلے روز گاڑی کے جاری ہونے پر احمدی مردوزن اور بچےّ اتنی کثیر تعداد میں امرتسر سٹیشن پر پہنچ گئے کہ گاڑی میں مزید چند ڈبےّ زائد کئے گئے۔اس میں کل

☆: الفضل ۲۸/۱۲/۱۱ (زیر مدینۃ المسیح) آپ کے صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب کا بیان ہے کہ والد صاحب نے غالباً اس بارہ میں کوشش کی تھی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹: افسر جو سِکھ تھے ریلوے حکاّم کی ایک کثیر تعداد کی معیّت میں ریلوے موقّت لائحہ عمل کے علاوہ اپنی سپیشل ٹرین میں جو ایک بوگی پر مشتمل تھی۔قادیان آئے۔ان کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ رپورٹ کرکے بٹالہ قادیان ریل گاڑی بند کرادیں۔قادیان کے کوئی نصف صد غیر مسلم معززین بھی سٹیشن پر جمع ہوئے۔افسر موصوف نے صرف دوتین افراد کو ملاقات اور معروضات پیش کرنیکی اجازت دی۔ان احباب نے خاکسار کو ترجمان مقرر کیا اور خاکسار نے ان کی خدمت میں قادیان کی بین الاقوامی اہمیت واضح کی اور بتایا کہ تقسیم ملک کے بعد بھی دوردراز کے ممالک سے احمدی احباب قادیان کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔اور گاڑی بند کرنے سے سرکار پر حرف آئے گا۔اوراس طرف توجہ دلائی کہ ایک کثیر تعداد بغیر ٹکٹ کے سفر کرتی ہے۔اس کے مؤثر انسداد سے آمد میں معتدبہ اضافہ ہوسکتا ہے۔چنانچہ انہوں نے موقعہ پر ہی کہہ دیا کہ قادیان بٹالہ ریلوے لائن بند کرنے کی تجویز فی الحال ترک کی جاتی ہے۔الحمد اللہ علیٰ ذالک۔

جناب ڈاکٹر عبدالسلام صاحب ۱۹۵۹ء میں برطانیہ سے سرکاری دعوت پر بھارت آئے تو آپ دہلی سے قادیان بھی تشریف لائے۔واپسی کے وقت آپ نے دارالانوار میں مدرسین کے وقارِ عمل کا بھی معائنہ کیا اور ایک منٹ تقریر بھی کی۔ان دنوں ڈیڑھ دوصد مدرسین تحصیل بٹالہ وغیرہ کا قادیان میں کیمپ لگا ہوُا تھا۔کیمپ کے منتظم کیپٹن سردار کرتار سنگھ فزیکل انسٹرکٹر سِکھ نیشنل کالج قادیان نے ڈاکٹر صاحب کو الوداع کہتے ہوئے بتایا کہ قریب میں ریلوے مجسٹریٹ نے بٹالہ میں ایک کثیر تعداد بلا ٹکٹ سفر کرنے والوں کی گرفتار کی۔اور جب بعض لوگوں نے اپنی سکونت قادیان بتلائی تو اس نے انہیں کہا کہ آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی۔اتنے سالوں سے قادیان میں رہتے ہو۔وہاں کے احمدیوں سے اتنا سبق نہیں سِیکھا؟ ان کا ایک بھی فرد بلا ٹکٹ سفر کرتے دیکھا ہے؟۔

پانچ بوگیاں (تین سِنگل ڈبے اور دو بریک دان) تھے۔ انجن ایس، ٹی کلاس تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین بجے بعد دوپہر وہاں تشریف لائے اور آپ کو احباب نے بکثرت ہار پہنائے۔ گاڑی کے پاس ہی اذان کہی گئی۔ اور حضور نے پلیٹ فارم پر بہت بڑے مجمع کو ظہر وعصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔ پھر احباب نے آپ سے مصافحے کئے۔ بعد ازاں آپ نے اپنے ڈبہّ کے دروازے میں کھڑے ہو کر یہ فرماتے ہوئے کہ دوست دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ریل کا قادیان میں آنا مبارک کرے۔ ہاتھ اٹھا کر چند منٹ تک مجمع سمیت نہایت توجہ اور الحاح کے ساتھ دعا کی۔ آپ کے آنے کے بعد گاڑی کی روانگی تک مدرسہ احمدیہ کے سکاؤٹ نہایت خوش الحانی سے اردو اور پنجابی نظمیں پڑھتے رہے۔ نیز انہوں نے کئی ایک قطعات سے جو سُرخ رنگ کے کپڑوں پر چسپاں تھے۔ گاڑی کو خوب سجا رکھا تھا۔ ☆ بعض قطعات یہ تھے:

(۱): اَلَا اِنَّ رَوْحَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ. اَ لَآاِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ. یَأْ تُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ. یَأْ تِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ. (۲): اِذَاالْعِشَارُ عُطِّلَتْ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ. (۳): دنیا میں ایک نذیر آیا۔ پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ (۴): اَھْلاًوَّسَھْلاً وَّمَرْحَبًا.

(۵): خوش آمدید۔ (۶): غلام احمد کی جَے۔

(۷): یہ میرے ربّ سے میرے لئے اِک گواہ ہے

یہ میرے صدقِ دعویٰ پر مہرالٰہ ہے۔

---

☆: خاکسار بھی مدرسہ احمدیہ کے ان سکاؤٹس میں شامل تھا۔ قادیان سے ہم سب شدید سردی میں منہ اندھیرے پاپیادہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ تو بٹالہ اور وہاں سے سوار ہو کر امرتسر پہنچے تھے۔ خاکسار کے برادرِ خورد ملک برکت اللہ صاحب ایڈوکیٹ ساہیوال (سابق منٹگمری) جو ان دنوں مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان میں زیرِ تعلیم تھے۔ باوجود نہایت خوردسالی کے باصرار ہمارے ساتھ ہو لئے تھے۔ خاکسار نے مدتِ مدید تک اس روز کا اپنا ریلوے ٹکٹ امرتسر تا قادیان سنبھالے رکھا اور سفر کے چشم دید حالات بھی۔ لیکن غالبًا یہ سب کچھ تقسیمِ ملک کی نذر ہو گیا۔

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ نے ریل گاڑی کے جاری ہونے کے متعلق ایک چوورقہ تقسیم کرایا۔اور ایک بھائی نے پنجابی میں منظوم ٹریکٹ اس بارے میں شائع کیا۔جماعت احمدیہ کے معاند مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری بھلا چُپ کیوں رہتے۔انہوں نے بھی کاغذ کا ایک پُرزہ تقسیم کر دیا جس میں لکھا۔

''خلیفہ قادیان اور قادیانی اس خرِ دجّال کا استقبال کرنے کو امرتسر سٹیشن پر آئے ہیں۔''

گاڑی نے مقررہ وقت پر بعد دوپہر تین بج کر بیالیس منٹ پر حرکت کی۔جس کے ساتھ اللہ اکبر کا نہایت پُرجوش نعرہ بلند ہوا۔ریلوے یارڈ سے نکلنے تک نعرے جاری رہے وہاں پُل پر گاڑی دیکھنے والوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ پل پر سے گزرنا ناممکن ہوگیا تھا۔اللہ اکبر اور غلام احمد کی جے کے نعرے راستہ کے ہر گاؤں اور ہر سٹیشن پر بلند ہوتے تھے۔اگرچہ گاڑی امرتسر میں ہی بالکل بھرپور ہوچکی تھی۔لیکن قادیان کے بہت سے احباب بٹالہ سٹیشن پر پہنچ چکے تھے۔بوجہ کثرتِ ہجوم ایک حصہ گاڑی پر سوار ہونے سے رہ گیا۔حالانکہ بہت سے احباب پائیدانوں پر بھی سوار ہوگئے تھے۔درمیانی سٹیشن وڈالہ گرنتھیاں سے بھی قادیان کے کچھ افراد جُوں توں کرکے سوار ہوئے۔وہاں اردگرد کے بہت سے احمدی مردوزن جمع تھے۔گاڑی وقتِ مقررہ پر چھ بجے شام قادیان سٹیشن پر پہنچی۔حضور مع اہل بیت۔حضرت صاجبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ مع اہل بیت۔حضرت صاجبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ۔خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے متعدد نونہال۔حضرت نواب زادہ میاں محمد عبداللہ خان صاحبؓ۔حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ۔حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی ایڈیٹر الحکم حضرت میر قاسم علی صاحبؓ ایڈیٹر فاروق۔حضرت مولوی عبدالمغنی خان صاحبؓ ناظر بیت المال اور بہت سے بزرگان اس گاڑی میں سوار تھے۔اور گوجرانوالہ۔لاہور اور امرتسر کے علاوہ بعض دور دراز کے احباب بھی اس سفر میں شریک ہوئے۔سب سے دُور فاصلہ کے ٹکٹ دو عدد نوشہرہ چھاؤنی کے تھے۔امرتسر سے بٹالہ تک اور بٹالہ سے قادیان تک گاڑی کی رفتار علی الترتیب پچیس اور پندرہ میل فی گھنٹہ تھی۔وسیع پلیٹ فارم کے علاوہ سٹیشن کے آس پاس مردوں عورتوں اور بچوں کا ایک بہت بڑا

ہجوم تھا۔سٹیشن جھنڈیوں اور گملوں سے خوب آراستہ کیا گیا تھا۔اللہ اکبر اور غلام احمد کی جے کے نعروں سے فضا بہت دیر تک گونجتی رہی۔حضور کی خدمت میں امرتسر سٹیشن پر کئی احباب نے پھلوں کی ٹوکریاں پیش کیں۔جو آپ نے تمام کی تمام راستہ میں گاڑی کے ڈبوں میں تقسیم کرادیں۔ے

## ازدواجی زندگی

آپ کے ماموں مکرم حکیم محمد بخش صاحب کی دُختر محترمہ برکت بی بی صاحبہ سے آپ کی شادی ۱۸۹۹ء میں ہوئی۔ان کی وفات کے بعد آپ نے ۱۹۱۶ء میں محترمہ اللہ رکھی صاحبہ دختر مکرم حکیم غلام نبی صاحب ساکن موضع شاہ پور ضلع گورداسپور سے شادی کی۔جن کے بطن سے کوئی اولاد نہیں۔موصوفہ ربوہ میں قیام رکھتی ہیں۔اور حضرت بابو صاحب کی وصیّت کے مطابق آپ کے فرزند مکرم میاں بشیر احمد صاحب ان کے اخراجات کے متحمل ہیں۔

محترمہ برکت بی بی صاحبہ کے بطن سے آپ کی ذیل کی اولاد ہوئی:

(۱):مکرم میاں بشیر احمد صاحب۔آپ ۱۹۴۴ء سے تا تقسیم ملک جماعت ڈیرہ دُون کے صدر رہے اور ۱۹۵۵ء سے تا حال امیر جماعت جھنگ ہیں۔

(۲):مکرم مولوی نذیر احمد علی صاحبؓ۔آپ نے قریباً ایک ربع صدی مغربی افریقہ میں میدانِ جہاد میں گزار کر وہیں وفات پائی۔آپ وہاں رئیس التبلیغ تھے۔☆

(۳):محترمہ حلیمہ بی بی صاحبہ(اہلیہ مکرم بابو غلام رسول صاحب لاہوری کلرک ریلوے) آپ نے ۵ جولائی ۱۹۲۳ء کو وفات پائی اور بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔ان کی شادی کا واقعہ بہت ایمان افروز ہے۔۱۹۱۸ء کے قریب کی بات ہے کہ حضرت بابو صاحب نے مسجد احمدیہ امرتسر میں سنا کہ بابو غلام رسول صاحب سے کہا گیا ہے کہ وہ احمدیت سے انکار کردیں تو انہیں رشتہ دیا جائے گا۔لیکن انہوں نے یہ شرط قبول نہ کی۔اس لئے شادی نہ ہوسکی۔حضرت بابو صاحب کا احمدیت سے عشق اور اسکے لئے غیرت قابلِ داد تھا۔انہوں نے یہ بات سنتے ہی کہا میں انہیں اپنی بچی نکاح میں دیتا ہوں۔اس شادی سے ایک ہی بچی محترمہ

---

☆:آپ کے سوانح کے لئے دیکھئے تابعین اصحاب احمد جلد چہارم۔

سیدہ بیگم صاحبہ (اہلیہ اخویم شیخ عبدالقادر صاحب لائیلپوری محقق عیسائیت خلف حضرت شیخ عبدالرب صاحب لائیلپوری) پیدا ہوئیں۔ (بیان ایم بشیر احمد صاحب) ☆

(۴ تا ۶): تین بچے محمود احمد۔ شریف احمد اور عبداللہ کم سنّی میں تین سے دس سال تک کی عمر میں عالَمِ جاودانی کو سِدھار گئے۔

ایک دفعہ سکھر میں بابو صاحب چار خورد سالہ بچّوں کو لے کر دریائے سندھ پر چلے گئے اللہ تعالیٰ نے سب کی حفاظت کا سامان غیب سے فرمایا۔ ورنہ کسی کو علم بھی نہ ہوتا کہ وہ کیا ہوئے۔ آپ کے اہلِ بیت کو بھی اس بات کا علم نہ تھا۔ ہؤا یوں کہ دریا میں آپ نہانے لگے اور بچّی کو نہلا کر جو کھڑا کیا تو وہ خود ہی گہرے پانی کی طرف چلی گئی۔ اُسے ڈوبتا دیکھ کر آپ اس کی طرف بڑھے تو خود ڈوبنے لگے باقی تینوں بچّے بھی بڑھے۔ اچانک ایک ملّاح مٹی کے بڑے گھڑے سمیت (جس کے سہارے یہ لوگ تیرتے ہیں) آ گیا۔ اس نے آپ کو اور بچّی کو جس کی صرف گُت (چوٹی) نظر آ رہی تھی بچا لیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے سارے افراد بچ گئے۔

آپ کی اہلیہ اولیٰ کو زیارتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ لیکن سِلسلہ سے بہت اخلاص رکھتی تھیں۔ نمازوں کا پورا التزام رکھتی تھیں۔ انفاق فی سبیل اللہ۔ مہمانوں کی تواضع اور سادہ زندگی بسر کرنا وغیرہ جملہ امورِ خیر میں آپ کے خاوند محترم کو آپ کا پورا تعاون حاصل تھا۔ سِل یا دق سے بیمار ہو کر امرتسر سے موضع ننگل کوٹلی (اپنے وطن) چلی گئیں۔ جہاں ۱۰ اپریل ۱۹۱۵ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔ اس زمانہ میں بَس۔ ٹرک وغیرہ کی موجودہ سہولتیں میسر نہ تھیں۔ انہوں نے بابو صاحب سے وعدہ لیا تھا کہ ان کی نعش ہر ممکن کوشش سے قادیان پہنچائی جائے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ملک مولا بخش صاحبؓ متعین گورداسپور کو اطلاع دے کر چند آدمی اُجرت پر منگوائے اور ان کے ذریعہ نعش چارپائی پر اٹھوا کر قادیان لائے۔ اس طرح ان کی تدفین (بمطابق وصیّت نمبر ۳۲۰) بہشتی مقبرہ میں عمل میں آئی۔ مرحومہ کے جدّی اقارب میں سے کوئی احمدی نہ تھا۔ ان کے بڑے بھائی کو اللہ تعالیٰ

---

☆: مطابق ریکارڈ از دفتر بہشتی مقبرہ تاریخ تدفین ۲۲/۱۲ ۲۶۔ نقل کتبہ:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مسماۃ حلیمہ بی بی بنت بابو فقیر علی صاحب قوم سدھر سکنہ قادیان عمر ۱۷ سال وفات ۲۲/۷ ۵ وصیت نمبر ۲۰۷۶

نے اس موقع پر وطن پہنچنے سے روک دیا ان کی نیّت تھی کہ جنازہ قادیان لے جانے سے روک دیں۔ وہ چلتی گاڑی میں سوار ہونا چاہتے تھے لیکن سوار نہ ہو سکے۔

## سِلسلہ کے لڑیچر میں ذکر

سِلسلہ کے لڑیچر میں آپ کا ذکر بہت سے مقامات پر آیا ہے۔☆

## درخشندہ سیرت

تنگی سے گذر اوقات کے باوجود آپ کا قلبِ صافی صبر وشکر کے جذبات سے معمور رہتا تھا۔ چنانچہ آپ کی اہلیہ ثانیہ سُناتی ہیں کہ ایک رات مَیں بیدار ہوئی تو آپ کو سجدہ کی حالت میں بارگاہِ الٰہی میں یہ عرض کرتے پایا کہ اے اللہ تعالیٰ! نہ معلوم دمِ واپسیں کے وقت مجھے ہوش رہے یا نہ رہے۔ اس وقت جب کہ میرے ہوش وحواس بجا ہیں۔ مَیں اقرار کرتا ہوں کہ مَیں نے عمر بھر تیری دنیا میں بہت مزے کئے اور سُکھ پایا۔

آپ ۱۹۴۹ء میں حالاتِ زندگی قلمبند کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"جب سے میں نے ہوش سنبھالی ہے۔ تا ایں دَم اللہ کریم کے بے شمار افضال۔ اکثر محض (رحمانیت) اور ربوبیّت کے رنگ میں پائے ہیں کہ مَیں (اور) میرا خاندان کیا تھا اور کس قدر افضالِ الٰہی متواتر ہمارے شاملِ حال ہوئے۔ موت قریب دیکھتے ہوئے مَیں اس طرح اعتراف کرتا ہوں کہ جس طرح ایک لڑکی والدین کے گھر سے پہلی بار سسرال

☆: مثلاً (۱،۶) ادائیگی چندہ اعانت ریویو آف ریلیجنز (اردو) "بابو فقیر علی صاحب جھٹ پٹ"۔ از مقام "سٹھارجہ" (پرچہ اپریل و اکتوبر ۱۹۰۶ء سرورق آخر) (۳ تا ۷) قیمت رسالہ تشحیذ الاذھان از خیر پور میر سندھ وغیرہ (پرچہ اکتوبر ۱۹۰۸ء سرورق اوّل اندرون مئی ۱۹۱۰ء ص ۲۰۰ کالم ۲ جنوری ۱۹۱۲ء سرورق صفحہ ب جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ و کالم ۱ اور مئی ۱۹۱۳ء صفحہ و کالم ۲۔

(۸ تا ۱۰) شرکت شوریٰ بطور نمائندہ امرتسر (رپورٹ اجلاس اوّل ۱۹۳۶ء ص ۱۵۵۔ واجلاس ثانی ص ۸۴)

روانہ ہوتی ہوئی زبانِ حال سے کہے۔

''بابلا تیرے گھر بڑا سُکھ پایا۔''

مَیں نے اپنے ربّ کی دنیا میں بہت بہت سُکھ پایا ہے۔میرے وہم (و) گمان سے بالاتر بے شمار مواقع پر اللہ کریم نے دین و دنیا میں خاص یاوری کی ہے۔

مَیں تو مَر کر خاک ہوتا گر نہ ہوتا تیرا لطف
پھر خدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار

**ولِلّٰہِ الحمد والمنّۃ''**

آپ کے فرزند محترم بشیر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ آپ بالعموم یہ نصیحت فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ برحق ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام برحق ہیں اور خلافت سِلسلہ احمدیہ برحق ہے۔اللہ تعالیٰ کے متعلق کبھی شکوہ نہ کرنا چاہیئے۔جو کچھ عرض کرنا ہو اس کے حضور عرض کرنا اور ہمیشہ شاکر رہنا چاہیئے اور بچی کا رشتہ اس کے جوان ہوتے ہی کر دینا چاہیئے۔

## ایک عزیز کے تاثّرات

ذیل کے اوراق میں آپ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔آپ کے ہمشیرہ زاد بابو اللہ بخش صاحب ریلوے گارڈ (متعین رحیم یارخاں) بیان کرتے ہیں کہ:

آپ شب زندہ دار تھے۔کئی بار اعتکاف بھی بیٹھے۔بمقام مہت پور مکیریاں (ضلع ہوشیار پور) سِلسلہ کی طرف سے تبلیغی مرکز قائم ہونے سے قبل آپ وہاں تبلیغ کرنے جاتے۔تبلیغی وفد بھی لے جاتے اور جلسے منعقد کراتے تھے۔وہاں آپ کی ہمشیرہ رہائش پذیر تھیں۔آپ کی مساعی کے نتیجہ میں وہاں جماعت کا قیام عمل میں آیا (میاں بشیر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہماری یہ پھوپھی صاحبہ اور ان کی اولاد آپ کی تبلیغ سے آغوشِ احمدیت میں آگئے تھے) ایک دفعہ رخصت لے کر بعض احمدیوں کے ہمراہ آپ تبلیغ

کے لئے علاقہ بیٹ میں گئے۔ایک پٹواری کی شرانگیزی سے مخالفین نے زدوکوب کیا۔لیکن آپ نے صبر سے کام لیا اور معینّہ مدت پوری کر کے واپس لوٹے۔پھر اس پٹواری کی تعیناتی آپ کے سسرال کے علاقہ میں ہوئی تو وہاں کے احمدی زمینداروں نے پٹواری سے انتقام لینے کا ارادہ کیا لیکن بابو صاحب نے نہ صرف اجازت نہ دی بلکہ سختی سے انہیں منع کر دیا اور فرمایا یہ اس کی نادانی تھی۔مَیں نے اُسے معاف کر دیا ہے اس کا اُس پر بہت اثر ہوُا اور وہ سخت نادم ہوُا۔قادیان میں تعیناتی کے دوران آپ کے اعلیٰ نمونہ سے متاثر ہوکر اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر پنڈت رگھبیر چنداسلام کے گرویدہ ہوگئے تھے۔اور حضرت منشی محمد اسمٰعیل صاحبؓ ☆ سیالکوٹی سے انہوں نے سبقاً سبقاً قرآن مجید پڑھا۔پیر محمد اقبال صاحب سٹیشن ماسٹر سناتے ہیں کہ والٹن ٹریننگ سکول میں بابو صاحب کی تبلیغ کے نتیجہ میں مَیں نے اور میرے خاندان کے بیس پچیس افراد نے بیک وقت احمدیت قبول کر لی تھی۔

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس ارشاد پر عمل پیرا تھے کہ تقویٰ کی باریک راہیں اختیار کرو۔معلوم نہیں تم کس راہ سے قبول کئے جاؤ۔آپ محکمہ ریلوے کے قوانین کی سختی سے پابندی کرتے تھے اور اس محکمہ کے مفاد کا پورا خیال رکھنا فرض جانتے تھے۔چنانچہ باوجودیکہ قادیان کا ریلوے سٹیشن چھوٹا سا تھا اور اسکے پلیٹ فارم ٹکٹ کی ضرورت نہ تھی۔لیکن قادیان کی شہرت کی خاطر اور اس لئے کہ نوجوان طبقہ اسٹیشن پر آ کر بِلا مطلب گھومتا نہ رہے۔آپ نے پلیٹ فارم ٹکٹ جاری کروادیا تھا۔آپ اس اسٹیشن پر بھی وقت کی پابندی کرتے تھے اور وقت ختم ہوجانے پر مال گودام بند کر دیتے اور بعد از وقت مال نہ بھرنے دیتے اور نہ ہی ڈیمریج کے بغیر چھوڑتے۔آپ دیگر ریلوے ملازمین کی طرح کبھی بِلا ٹکٹ سفر نہ کرتے۔نہ آپ کے اقارب میں سے کسی کو یہ جُرأت ہوتی تھی کہ بِلا ٹکٹ سفر کر کے آپ کے پاس پہنچے۔آپ کی اہلیہ بغیر بک کرائے ایک مُرغی لے آئیں۔کھانے کے وقت گھر آئے تو عِلم ہوُا تو فورًا آپ نے اس کے کرایہ کی رسید کاٹ کر رقم ادا کر دی۔

جب جناب چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیر مواصلات تھے تو ان کے

---

☆: آپ کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے اصحاب احمد جلد اوّل۔

سیلون میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دو تین افراد نے سفر کیا۔ بابو صاحب نے یہ خیال کر کے کہ مبادا چوہدری صاحب ان سب احباب کے لئے ٹکٹ حسبِ قانون خریدنا بھول گئے ہوں اپنی طرف سے فرسٹ کلاس کے ٹکٹ خرید کر چوہدری صاحب محترم کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اس پر چوہدری صاحب نے بتلایا کہ وہ ٹکٹ پہلے ہی خرید چکے ہیں۔

حکام بالا نے احراریوں کی اس شکایت پر کہ قادیان کے پوسٹ ماسٹر اور سٹیشن ماسٹر دونوں احمدی ہیں۔ وہ تبلیغ کرتے ہیں اور احمدیوں کو ناجائز فائدہ پہنچاتے ہیں آپ کو نور پور روڈ ریلوے سٹیشن ضلع کانگڑہ تبدیل کر دیا۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے پر آپ دارالبرکات قادیان میں رہائش پذیر ہوئے۔ اور اعزازی طور پر نظارت امور عامہ میں شعبہ رشتہ ناطہ میں کام کرنے لگے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد صحت کی کمزوری کی وجہ سے آپ اس کام کو جاری نہ رکھ سکے۔ ایک دفعہ نظارت تعلیم وتربیت کی طرف سے آپ کو علاقہ سرگودھا میں ایک جھگڑے کے نپٹانے کے لئے بھجوایا گیا تھا۔☆

حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحبؓ (سابق مہر سنگھ) پر جو مقدمہ حضرت بابا نانکؒ کے متعلق ایک کتاب کی وجہ سے دائر ہوا تھا۔ آپ ان کی طرف سے پیروی کے لئے ہر پیشی پر جاتے تھے۔☆☆

''سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔'' کے آپ مصداق تھے۔ دُور دُور کے اقارب کے رشتہ ناطہ کے آپ ہی ذمہ دار تھے۔ اور اقارب بھی آپ کو پریشانی کے وقت

---

☆: ۴۵-۱۹۴۴ء میں نظارت تعلیم تربیّت کے بیس اعزازی کارکنان میں آپ کا نام (بطور مقیم دارالبرکات قادیان) درج ہے (رپورٹ سالانہ ص ۴۹) آپ چار سال تک امور عامہ میں کام کرتے رہے اور غالباً سارا عرصہ آپ انچارج شعبہ رشتہ ناطہ رہے۔ (سالانہ رپورٹ ۴۰-۱۹۳۹ء ص ۴۵-۴۴) ۴۲-۱۹۴۱ء (ص ۸۴-۸۵-۹۴) یہاں سابق سال کی کارکردگی بھی مذکور ہے) ۴۳-۱۹۴۲ء (ص ۸۶)

☆☆: حضرت ماسٹر صاحبؓ کے حالات کے لئے دیکھئے اصحاب احمد جلد ہفتم۔

اطلاع دے کر مطمئن ہو جاتے تھے۔آپ نے میری اور میرے چھوٹے بھائی مہر محمد عبداللہ صاحب مقیم کراچی ہر دو کی اچھی طرح پرورش کی اور قادیان میں ہماری تعلیم کے دوران باقاعدگی سے اخراجات بھجواتے تھے۔مَیں نے میٹرک اور بھائی نے ایف۔اے پاس کی۔اور پھر آپ نے ہماری شادیاں علی الترتیب اپنی بھانجی اور پوتی کے ساتھ کردیں۔

## شدید جذبۂ تبلیغ

آپ شدید جذبۂ تبلیغ رکھتے تھے۔چنانچہ آپ نے ارتدادِ علاقہ ملکانہ کے وقت وہاں تبلیغ کی اس وقت اپنے خرچ پر وہاں قیام کرنا ہوتا تھا۔۱۹۳۷ء میں آپ ملک ایران میں آنریری طور پر تبلیغ کیلئے گئے۔آپ لکھتے ہیں کہ جب مَیں سٹھارجہ سٹیشن پر متعین تھا تو بوجہ داڑھی کے مولوی یا بوجہ احمدیت کے مرزا کے نام سے معروف تھا۔اس سٹیشن کے پاس ریاست خیر پور کا اناج کا ذخیرہ تھا۔اس لئے مال ڈبوں کی آمدورفت کثرت سے ہوتی تھی۔اور مجھے ان لوگوں کو تبلیغ کرنے کا موقعہ ملتا تھا۔ایک سندھی دوست منشی محمد یعقوب صاحب پٹواری یہ سن کر کہ مَیں احمدی ہوں میرے پاس آئے اور حضور کے زمانہ میں ہی انہوں نے تحریری بیعت کرلی۔اور رانی پور کے ایک مشہور پیر کے خلیفہ محمد صدیق صاحب نے بھی میرے ذریعہ احمدیت قبول کی تھی۔امرتسر کے تعیناتی کے سات سالہ عرصہ میں آپ سیکرٹری تبلیغ اور تعلیم وتربیت تھے۔شہر کے طبقۂ امراء اور سٹیشن پر آنے والے معززین اور راہنماؤں علی برادران گاندھی جی۔پنڈت موتی لال نہرو۔مسٹر گوکھلے اور مذہبی رہنماؤں سے آپ نے بالمشافہ مذہبی گفتگوئیں کیں۔آپ بڑے بڑے قومی اور مذہبی جلسوں میں شرکت کرتے تھے۔ایک دفعہ مسجد غزنویہ میں مخالفین کا جلسہ تھا اس میں شرکت خطرے سے خالی نہ تھی۔پہلے تو حضرت ڈاکٹر کرم الٰہی صاحبؓ صدر جماعت ☆ نے آپ کو شرکت سے روک دیا۔لیکن آپ کا جوش دیکھ کر آپ کو اجازت دے دی اور حفاظت کے لئے ساتھ چند احباب بھجوائے۔کوچہ وکیلاں والی مسجد احمدیہ میں نمازیں اور جمعہ پڑھنے کا موقعہ بابو صاحب کو بھی ملتا تھا۔شہر میں کرایہ کے مکان میں آپ کا قیام تھا۔بابو صاحب کی تحریر کے مطابق اس وقت کے احمدی احباب یہ تھے۔

☆: مدفون بہشتی مقبرہ وفات ۲۸/۸/۱۰ (الفضل ۲۸/۸/۱۴ زیر مدینۃ المسیح)

میاں محمد ابراہیم صاحب پسر مستری قطب الدین صاحب مِس گر۔ چوہدری اللہ بخش صاحب (جو اس وقت مِستری کے نام کے ساتھ معروف تھے)۔☆ غلام رسول صاحب کشمیری۔ عبدالخالق برادران شربت فروش۔☆☆ حکیم غلام غوث صاحبؓ۔ مولوی عبدالعزیز صاحبؓ ہیڈ کلرک پوسٹ سارٹنگ برانچ شیخ اللہ بخش صاحبؓ کلاہ فروش۔ ملک مولا بخش صاحبؓ اور ان کے خسر میاں اللہ بخش صاحبؓ پٹویلی☆☆☆۔ ڈاکٹر عباداللہ صاحبؓ میاں غلام محمد صاحبؓ کشمیری۔ میاں غلام نبی صاحبؓ مِس گر۔ اور مولوی نبی بخش صاحبؓ کشمیری۔☆☆☆☆

آپ لکھتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سے میرا متعدد بار مقابلہ ہوا۔ ایک مجمع میں مولوی صاحب مذکور نے فخریہ انداز میں اپنی ایک مزعومہ فتح کا ذکر کیا۔ اور کہا کہ میری زندگی میں مرزا مر گیا۔ مَیں نے مولوی صاحب کو ان کا اپریل ۱۹۰۷ء کا پرچہ اہل حدیث یاد دلایا جس میں مولوی صاحب نے نہایت تحدّی سے شائع کیا تھا کہ مرزا صاحبؑ کی شرط ہمیں منظور نہیں۔ قرآن مجید کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نافرمانوں کو مہلت ملتی ہے۔ مَیں تو زندہ رہ کر مُعجزہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس پر مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔☆☆☆☆☆ ایک روز مولوی صاحب کلکتہ جانے کے لئے کلکتہ ایکسپرس کے

---

☆: مالک اللہ بخش سٹیم پریس قادیان۔ ولادت ۱۸۸۷ء بیعت ۱۸۹۸ء وفات ۵۷/۱۰/۶۔ مدفون بہشتی مقبرہ ربوہ۔

☆☆: میاں عبدالخالق صاحبؓ کا ۳۱۳ صحابہ میں اٹھارواں نمبر (انجام آتھم)

☆☆☆: ملک مولا بخش صاحبؓ اور ان کے خُسر صاحب کے سوانح کے لئے دیکھئے اصحاب احمد جلد اوّل

☆☆☆☆: میاں نبی بخش صاحب رفوگر امرتسری کا نمبر ۳۱۳ صحابہ میں سترہواں ہے (انجام آتھم)

☆☆☆☆☆: بدر ۱۱؍ اپریل ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا:

''مولوی ثناء اللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے ان کے اس چیلنج کو منظور کر لیا ہے۔ وہ بیشک قسم کھا کر بیان کریں کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور بیشک یہ بات کہیں کہ اگر مَیں اس بات میں جھوٹا ہوں تو لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ قرآنی مباہلہ کی بنیاد جس قرآنی آیت پر ہے اس میں تو صرف لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ہے۔'' بقیہ اگلے صفحہ پر

منتظر تھے کاندھے پر سُرخ رومال اور منہ میں پان کی گلوری ڈالے۔ مجھے دیکھ کر طمطراق سے کمرہ میں آدھمکے اور پوچھا بابو صاحب! دجّال کا گدھا کتنا لیٹ ہے؟ اگر چہ ٹرین ڈسپیچر کی ڈیوٹی پر میں سخت مصروف تھا۔ ایک ایک لحہ بعد کیبن مَینوں کو گاڑیوں کی آمدورفت۔ شنٹنگ انجن۔ لائنوں اور سگنلوں کے متعلق ہدایت دے رہا تھا کہ فلَاں لائن پر انجن آنے دو۔ فلاں سِگنل ڈاؤن کردو۔ فلاں لائن شنٹنگ جمعدار سے صاف کراؤ وغیرہ باوجود نحیف الجثّہ ہونے کے مَیں نے

---

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۰: مولوی ثناء اللہ نے جواباً اہلحدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء میں لکھا:

''مَیں نے آپ کو مباہلہ کے لیئے نہیں بُلایا مَیں نے تو قسم کھانے پر آمادگی کی ہے۔ مگر آپ اس کو مباہلہ کہتے ہیں۔ حالانکہ مباہلہ اس کو کہتے ہیں جو فریقین مقابلہ پر قسم کھائیں۔ مَیں نے حلف اٹھانا کہا ہے۔ مباہلہ نہیں کہا۔ قسم اور ہے۔ مباہلہ اور ہے۔'' (ص۴)

مذکورہ بالا ثنائی فرار کے ظہور پذیر ہونے سے قبل حضور نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو ''آخری فیصلہ'' کے عنوان سے اپنی طرف سے دعائے مباہلہ شائع کرتے ہوئے لکھا کہ:

''مولوی صاحب اس اشتہار کو اہلحدیث میں شائع کر کے جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔'' مولوی صاحب نے اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء میں لکھا۔ ''اوّل اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا۔ اور تمھاری یہ تحریر کسی صورت بھی فیصلہ کُن نہیں ہوسکتی۔'' خدا کے رسول چونکہ رحیم وکریم ہوتے ہیں اور ان کی ہروقت یہی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی شخص ہلاکت میں نہ گر پڑے۔ مگر اب کیوں آپ میری ہلاکت کی دعا کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ:

''............ یہ تحریر تمھاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اسے منظور کرسکتا ہے۔'' نائب ایڈیٹر نے اسی پرچہ میں لکھا کہ ''خدا تعالیٰ جھوٹے دغاباز مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے تا کہ وہ اس مہلت میں اور بھی بُرے کام کرلیں۔'' اور مولوی صاحب نے اس عبارت کی تصدیق کی کہ ''مَیں اس کو صحیح جانتا ہوں۔'' (پرچہ اہلحدیث ۳۱/۷/۰۸)

بھاری بھرکم مولوی صاحب کی کلائی مضبوطی سے پکڑ کر کہا کہ حضرت مرزا صاحب کے نزدیک حدیث شریف میں مذکور دجاّل کا گدھا یہی ریل گاڑی ہے۔آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم کہ اپنے علم کی رُو سے بتائیں کہ دجاّل کا گدھا کیا ہے۔مولوی صاحب نے ٹیلیفون کے متعلق بات کر کے ٹالنا چاہا۔انگریز اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر کے دریافت کرنے پر مَیں نے اسے یہ سوال وجواب بتایا تو اس نے بھی مولوی صاحب سے دریافت کیا۔لیکن وہ کچھ نہ بتا سکے۔البتہ ایک روز راستے میں مِل گئے تو کہنے لگے۔بابو صاحب! اچھے آدمی ہیں۔آپ کے اخلاق اچھے ہیں۔آپ مجھے اچھے تو لگتے ہیں۔لیکن مجھے دُکھ ہوتا ہے۔آپ کو بندگی کہوں یا رام رام کہوں؟مَیں نے ہنس کر کہا کہ آپ تصدیق کرتے ہیں کہ مَیں اچھا آدمی ہوں۔میرے اخلاق اچھے ہیں۔لیکن میری احمدیت کیوجہ سے آپ کو دُکھ ہے اور میری اچھائی احمدیت ہی تو ہے۔مجھے آپ کے دُکھ پر آپ سے ہمدردی ہے۔بندگی وغیرہ کہنے پر آپ کو کس نے مجبور کیا ہے؟ آپ کو یہ دُکھ کیوں ہے؟ کہنے لگے۔بابو صاحب! چھوڑیں۔آپ تو فلسفہ اور دلائل چھیڑ بیٹھے ہیں۔مَیں نے تو یونہی بات کی تھی۔

آپ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ اسلامیہ ہائی سکول امرتسر کے ایک سالانہ جلسے میں مولوی صاحب مذکور نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ نظم سُریلی آواز سے پڑھی۔

جمال وحسنِ قرآں نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

مَیں کھڑا ہو گیا اور پوچھا کہ یہ اشعار کِن صاحب کا کلام ہے۔سوال سُن کر پہلے تو مولوی صاحب نے تقریر شروع کر دی۔لیکن ایک دومنٹ بعد کہا کہ ایک مرزائی دوست نے یہ سوال کیا ہے۔میں اس مرزائی دوست کی خوشی کے واسطے کہتا ہوں۔کہ یہ نظم مرزا صاحبؑ آنجہانی کی کہی ہوئی ہے۔لیکن یہ انہوں نے اس وقت کہی تھی جب وہ ہمارے تھے۔ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ نظم براہین احمدیہ میں شائع ہوئی تھی۔جب حضور کا ابھی دعویٰ مہدویت ومسیحیت نہیں تھا۔گویا یہ اس امر کا اقرار تھا کہ حضورؑ کی ذات سے مخالفین کو عداوت ہے ورنہ حضور کی تحریرات ودلائل کا سِکّہ بیٹھ چکا ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ ہال بازار میں جہاں کرموں ڈیوڑھی کا بازار شروع ہوتا

ہے۔وہاں کونے کی بالائی چھت پر ایک پبلک احمدیہ لائبریری کھولی گئی تھی۔مَیں اس کا لائبریرین تھا۔بالمقابل بالا خانہ میں ایک نوجوان بازاری عورت کا ٹھکانہ تھا۔نیچے دوکان میں بھانڈ وغیرہ ہوتے تھے۔موقعہ پا کرمَیں اُسے آیاتِ قرآنیہ سُنا کرنصائح کرتا اور بتا تا کہ بڑھاپے میں ان بوڑھی بازاری عورتوں کا سا تمہارا حشر ہوگا۔اس نوجوانی میں کسی نیک نوجوان سے شادی کرلو۔ورنہ پھر یہ ایاّم واپس نہ آئیں گے۔بعض دفعہ وہ آبدیدہ ہوجاتی۔اور بالآخراس نے گندی زندگی کوخیر باد کہہ کرنکاح کرلیااور چلی گئی۔اس پر وہ بھانڈ میرے پیچھے پڑ گئے اور کہتے کہ اس مرزائی نے ہمارا کام خراب کردیا ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ سکھرّ میں پنجاب سے آمدہ ایک مولوی کی تقریر کا اعلان ہوُا۔چونکہ سکھرّ میں علم کی کمی تھی اور عالم شاذ ہی تھے۔اس لئے پنجابی عالم بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔اس نے چند عربی فقرات کہنے کے بعد کہا پنجاب میں ایک شخص مرزا نے اسلام کے خلاف ایک فرقہ بنایا ہے اور خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔مَیں جھٹ بول اٹھا کون کہتا ہے؟ کس کتاب میں یہ لکھا ہے؟ ناواقف عوام میں کیوں غلط بیانی کرتے ہو؟ مولوی صاحب چونک پڑے اور پوچھنے لگے کیا تم مرزائی ہو؟ تمھارا بولنے کا کیا حق ہے؟ تمھارا کتنا علم ہے؟مَیں نے بلند آواز میں کہا حضرت مرزا صاحبؑ کا مذہب قرآن واسلام کے مطابق ہے اوران کی تمام کتابوں میں اسلام ہی بیان ہوُا ہے۔ان صاحب نے ان کے متعلق غلط بیانی کی ہے۔مولوی صاحب نے کہا یہ مرزائی ہے اسے نکال دو۔چنانچہ لوگوں نے مجھے دھکے دے کرنکال دیا۔میری پگڑی بھی اُتر گئی۔اگلے روز مولوی صاحب پنجابی محلّہ میں آئے میں وہاں بھی پہنچا اور سوال کیا۔آیا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا ہوُا ہے؟مَیں نے اتنا ہی کہا تھا کہ مولوی صاحب بھڑک اٹھے اور کہنے لگے شاید یہ کل والا مرزائی ہے اسے مسجد سے باہر نکال دو۔مَیں نے بہت جتن کئے۔کلمہ شریف پڑھا اور کہا کہ مَیں نے چند باتیں کرنی ہیں۔لیکن لوگوں نے دھکےّ دے کر مجھے مسجد سے نکال کر ہی دم لیا۔چند دن بعد مَیں پُل پر ڈیوٹی پر تھا کہ مولوی صاحب گزرے مَیں نے کھڑے ہوکر خوش آمدید کہا۔اورازراہ شرافت کرسی پیش کی۔مولوی صاحب اپنے کردار کی وجہ سے خائف تھے۔ان کا رنگ فَق ہوگیا۔مبادا مَیں اپنے ماتحتوں کے ذریعہ پٹواؤں

اور خوشامدانہ رنگ میں کہنے لگے۔بابو صاحب! میں آپ کی مومنا نہ جرأت کی داد دیتا ہوں۔آپ نے چائے کی دعوت دی تھی۔دل چاہتا تھا لیکن کیا کریں ہم مولوی جو ہوئے ہمارا گذارہ لوگوں کے چندوں پر ہے۔مَیں نے کہا سنّت اللہ کے مطابق الٰہی فرستادوں کے ساتھ لوگ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔

آپ لکھتے ہیں کہ قادیان کے ایک دوست میرے پاس سکھر آئے تو مَیں اُن کے ساتھ سکھرؔ بند پر سیر کے لئے گیا۔وہ دوست میرے کہنے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشعار خوش الحانی سے پڑھنے لگے۔ایک سماں بندھ گیا اور کئی لوگ سننے کے لئے ٹھہر گئے۔اتنے میں سکھرؔ کے مشہور لسّان مولوی عبدالکریم جنہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف فتویٰ کفر دیا تھا گذرتے ہوئے ٹھہر گئے اس وقت وہ دوست ’’اے محبت عجب آثار نمایاں کردی‘‘ والا شعر وجد سے پڑھ رہے تھے۔مولوی صاحب اس مضمون پر اور خوش الحانی پر لٹّو ہوگئے۔مَیں درخت کے سایہ میں ہوگیا تھا۔اور مولوی صاحب مجھے دیکھ نہیں پائے تھے۔مولوی صاحب جیبی کاپی میں یہ اشعار تحریر کرنے لگے۔انہوں نے پوچھا یہ اشعار کس بزرگ کے ہیں۔اس دوست نے کہا کہ میرے آقا کے ہیں۔مولوی صاحب نے دریافت کیا آپ کے آقا کہاں کے رہنے والے ہیں؟ان کا اسم شریف کیا ہے؟اس دوست نے کہا میرے آقا کا مقامِ رہائش دارالامان ہے۔یہ سنتے ہی مولوی صاحب کا چہرہ فق ہوگیا اور کہنے لگے اوہ! یہ شعر مرزا............ کے ہیں اور جھٹ کاپی جیب میں ڈال کر چلتے بنے۔مَیں نے یہ سب کچھ دیکھ کر انہیں آستین سے پکڑ لیا اور حاضرین کے سامنے کہا مولوی صاحب! آپ کو حضرت مرزا صاحب کے نام سے اتنا بَیر کہ ان کے مضمون پر لٹّو ہوتے ہیں لیکن ان کا نام سُن کر شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔مولوی صاحب آستین چھڑا کر چلے گئے اور مَیں نے مجمع سے کہا علماء کا یہ حال ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ کے مضامین وتحریرات پر تو فریفتہ ہیں لیکن ان کی ذات سے عداوت ہے۔

امرتسر کے ایک ریلوے انسپکٹر مسٹر لانگ مَین نے جو انگریز یا اینگلو انڈین تھا۔تبلیغی گفتگو میں کہا آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟ عیسائی؟ میں عیسائی نہیں۔مَیں نے ایک دفعہ دیکھا کہ قیامت آگئی ہے اور مَیں اور میری بیوی دونوں دوزانو ہو کر عیسٰے مسیحؑ اپنے نجات دہندہ کو

پکارنے لگے۔اتنے میں آسمان سے ایک تخت اترا مَیں خوش ہوا کہ ہماری نجات کا سامان ہوگیا ہے لیکن پردہ اٹھا کر کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔اس دن سے میں صداقت اسلام کا قائل ہو چکا ہوں۔آپ نے کہا تب تو آپ کو مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھنی چاہئیں۔انسپکٹر موصوف نے جواب دیا یہ مسلمان ادنیٰ لوگ ہیں۔آپ جیسا مسلمان ہو تو مَیں نماز میں شرکت کرسکتا ہوں۔اس پر آپ نے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصویر دکھائی اور پوچھا آیا خواب میں تخت والے نبی اس شکل کے تھے۔تو اس نے حیرانی سے منہ پر انگلی رکھ لی اور کہا نہ میں انکار کرتا ہوں نہ میں اقرار کرتا ہوں۔

## خدمتِ خلق

آپ کے صاحبزادہ ایم بشیر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ امرتسر کی تعیناتی کے عرصہ میں خصوصاً احمدی مسافروں کی خدمت کا آپ کو خوب موقعہ ملا۔بابو صاحب لکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں گارڈ۔ریلوے انسپکٹر اور بڑے سٹیشنوں کے سٹیشن ماسٹر انگریز ہوتے تھے پڈعیدن سے خان پور تک کا ریلوے عملہ سوائے دو مسلمانوں کے سارا ہندو تھا۔البتہ چونکہ مال گاڑیوں کے گارڈ یا انجنوں کے سٹاف معمولی تعلیم یافتہ ہوتے ہیں ان میں سے کچھ مسلمان بھی تھے اِس زمانہ میں میٹرک پاس ہونے کی وجہ سے میں تعلیم یافتہ شمار ہوتا تھا اور یہ ریلوے عملہ مجھ سے درخواستیں لکھواتا تھا۔

ریلوے عملہ کے ہر ملازم کے لئے حصول ثواب کے بیشمار مواقع میّسر آتے ہیں۔آپ تحریر کرتے ہیں کہ دورانِ سفر میں جھٹ پٹ سے ایک سٹیشن قبل ایک مسلمان ہیڈ ماسٹر کی اہلیہ کو زچگی شروع ہوگئی۔ہندو اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر نے اُسے بتایا کہ اگلے سٹیشن پر ایک مسلمان اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر ڈیوٹی پر ہے۔آپ وہاں پہنچیں۔چنانچہ گاڑی آئی تو میں نے اس خاتون کو پلنگ پر اٹھوا کر اپنے گھر بھجوا دیا۔اور ساتھ ہی اپنے افسر سٹیشن ماسٹر اور اس کی اہلیہ کو بھی بلوالیا۔اور ایک بلوچ لیوی سوار کو ایک تیز رفتار گھوڑے پر بھجوا دیا تا پچیس میل کے فاصلہ سے دایہ کو لے آئے۔میری اہلیہ نے اس خاتون کو اچھی طرح سنبھال لیا۔خدمت کی۔اور اللہ تعالیٰ نے اُسے چار لڑکیوں کے بعد بیٹا عطا کیا۔دایہ بُعد مسافت کی وجہ سے بعد

میں پہنچ سکی۔اس خوشخبری کی وجہ سے ہیڈ ماسٹر صاحب کے کئی اقارب ہمارے ہاں آئے اور یہ خاندان دس روز تک میرے ہاں مقیم رہا۔

## جرأت واصول پرستی

ایم بشیر احمد صاحب موصوف بیان کرتے ہیں کہ والد صاحب ریلوے قوانین کی نہ صرف خود سختی سے پابندی کرتے تھے بلکہ دوسروں سے بھی پابندی کراتے تھے۔قُلی جو گھر سے سٹیشن پر آپ کا کھانا لاتا۔آپ اس کا معاوضہ بھی ادا کرتے تھے۔ہندوؤں کی طرف سے آپ کی مخالفت ہوتی تھی۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء کے مارشل لاء کے ایاّم میں جس کا آغاز ہی امرتسر سے ہوُا تھا۔آپ اپنے فرائض کو ادا کرتے رہے اور ریل گاڑیوں کی آمدورفت سنبھالے رکھّی ۔لیکن ان حالات کی وجہ سے اور آپ کی تبلیغی مساعی کے باعث ہندوؤں کیطرف سے جو تمام محکموں پر چھائے ہوئے تھے۔آپ کی ترقی میں رُکاوٹ پیدا ہوتی رہی اور زیادہ ترقی نہ ہوسکی۔البتہ گرفت میں لینے کی مساعی ان مخالفین کی ناکام رہتی تھی۔ چنانچہ جب آپ کا تبادلہ سکھرؔ سے لاہور ہوُا۔اس وقت والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے آپ کی ہمشیرہ آپ کی سرپرستی میں تھیں۔اس لئے جب ان کا پاس لینا چاہاتو ہیڈ آفس نے دریافت کیا کہ سٹھارجہ سکھرؔ کو تبادلہ ہوُا تو آپ نے ہمشیرہ کا پاس نہیں لیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بلاٹکٹ سفر کرایا تھا۔آپ نے مطلع کیا کہ بینک پیپر پر نصف ٹکٹ اس تاریخ کو جو بنایا گیا تھا وہ اسی بچّی کا تھا۔

میاں صاحب موصوف یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ سٹیشن گوردست ستلانی پر تبدیل ہوئے تو پہلے ہی روز باوجود نحیف ہونے کے آپ نے چار موٹے تازے سِکھ جاٹوں کو روک لیا۔اور کہا تم نے بغیر ٹکٹ سفر کیا ہے۔رقم ادا کرو۔انہوں نے کہا ہم نے آج تک کبھی ٹکٹ نہیں لیا۔آپ نے کہا کہ میں سرکاری ملازم ہوں۔آپ سے ٹکٹ لوں گا یا رقم۔اور باتیں کرتے ہوئے انہیں اپنے کمرے میں لے گئے اور تار کے ذریعہ اٹاری سٹیشن پر اطلاع دی۔چنانچہ دو میل کا فاصلہ طے کرکے پولیس پہنچ گئی۔آپ نے میمو بنا کر پولیس کے سپرد کردیا۔ان لوگوں نے اس یقینی خطرہ کے پیشِ نظر کہ اب پولیس ہتھکڑی لگا کر لے جائے گی

رقم ادا کردی اور بابو صاحب کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ یہ پہلا موقعہ ہے کہ ہم سے رقم وصول کی گئی ہے۔ہم آج رات ہی آپ سے یہ رقم وصول کرلیں گے۔بابو صاحب نے کہا باپ کے بیٹے ہو تو کوتاہی ہرگز نہ کرنا۔انہوں نے حیران ہو کر ایک قلی سے کہا کہ یہ مولوی کیا مصیبت آ گیا ہے۔ہم آج ہی اس کا گھر لُوٹ لیں گے۔اس نے کہا کہ ان کے گھر میں ٹوٹی ہوئی صف۔مٹی کا لوٹا۔مٹی کی کنالی۔اور مٹی ہی کی ہنڈیا ہے۔دھات کا کوئی برتن نہیں۔انکی بیوی کے پاس پیتل تک کا زیور نہیں۔البتہ اگر انہیں زدوکوب کرنے کا ارادہ کیا تو یہ جان لو وہ جماعت احمدیہ کے فرد ہیں۔ان کی جماعتی تنظیم ان کی مدد کرے گی۔اور آپ کا سارا گاؤں اس ظلم کی پاداش میں تباہ ہو جائیگا۔چنانچہ آپ کئی سال تک اس سٹیشن پر متعیّن رہے اور آپ کا بال تک بیکا نہ ہوا۔اور کبھی کسی کو بغیر ٹکٹ وہاں اُترنے کی جرأت نہ ہوئی۔

میاں صاحب ذکر کرتے ہیں کہ والد صاحب جب کوٹ لکھپت کے سٹیشن ماسٹر تھے تو ایک ہندو سٹال والے کی شکایت پر کہ اس کے گھڑے ایک مسلمان نے بھرشٹ کر دیئے ہیں۔آپنے اس مسلمان سے قیمت دلا دی۔چند روز بعد اس ہندو سٹال والے نے مسلمانوں والے گھڑے کو ہاتھ لگا دیا۔آپ نے اسے کہا کہ تم مسلمانوں سے زیادہ گندے ہو۔اس روز مَیں نے ایک مسلمان سے گھڑے کی قیمت دلائی تھی اب تم رقم ادا کرو۔چنانچہ نتیجۃً ہندوؤں کی ایسی شکایات رُک گئیں۔

بابو اللہ بخش صاحب ریلوے گارڈ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بابو صاحب نور پور روڈ سٹیشن (ضلع کانگڑہ) پر متعیّن تھے۔ایک سب ڈویژنل آفیسر کے عہدہ پر متعین شخص وہاں سے تین چار سٹیشن تک روزانہ بلاٹکٹ سفر کرتا تھا۔آپ نے اس سے کرایہ چارج کرلیا۔اور آئندہ اسے اس طرح سفر کرنے سے سختی سے منع کیا۔اس نے مشتعل ہو کر پہلے آپ کے ہاں چوری کروا دی پھر ایک تانگہ والے سے تحصیلدار کی عدالت میں آپ کے خلاف استغاثہ دائر کروادیا۔کہ فلاں روز سَیر کے دوران بابو صاحب نے مجھے بلاوجہ گالیاں دیں۔اور مجھے مار پیٹ کی۔تحصیلدار بھی بابو صاحب کا مخالف تھا۔آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کیا۔آپ نے دعا فرمائی نیز مکرم مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ گورداسپور (حال امیر صوبائی۔مقیم سرگودھا) کو اپنا وکیل مقرر کرنے کا مشورہ

دیا۔ اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ تحصیلدار کے تبادلہ کے احکام صادر ہوگئے اور اس نے یہ سوچ کر کہ مقدمہ تو جھوٹا ہی ہے۔ نیا تحصیلدار اسے ضرور خارج کر دے گا۔ مَیں ہی کیوں نہ خارج کردوں۔ آپ کو باعزت بَری کر دیا۔

## مال ومنال سے نفرت اور کسبِ حلال سے محبت

آپ نے کسی مولوی سے یہ بات سُنی تھی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کاشتکاری کرنا ناپسند فرمایا ہے۔ سو جو تھوڑی سی اراضی باقی تھی اور اس سے آپ استفادہ کر سکتے تھے۔ اس کے قبضہ میں لینے کی بھی آپ نے کوشش نہیں کی اسی طرح کسی مولوی سے آپ نے یہ بھی سنا تھا کہ حضور صلعم نے فرمایا قیامت کے روز مَیں غرباء کے ساتھ اٹھوں گا یا ہوں گا۔ اس بات کا آپ کے قلبِ صافی پر یہ گہرا اثر ہوا کہ زیادہ فارغ البالی کی نسبت غریبانہ زندگی روحانیت کے لئے مفید ہوتی ہے۔ چنانچہ احمد پور سٹیشن پر تعیناتی کے عرصہ میں آپ یہ دعائیں کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے امیر نہ کیجیو۔ بلکہ غریب ہی رکھیو اور تیس روپے ماہوار سے میری تنخواہ بڑھنے نہ پائے۔ اس زمانہ میں سٹیشن ماسٹر کی تنخواہ کی آخری حد یہی تھی۔ اس وقت کے سٹیشن ماسٹر کا لڑکا جو آپ کا ہم عمر اور ان دعاؤں کا شاہد تھا۔ پندرہ سال بعد آپ سے امرت سر میں ملا اس نے یہ یاد دلا کر دریافت کیا کہ اب آپ کی ماہوار تنخواہ کیا ہے؟ آپنے بتایا کہ اس وقت میری تنخواہ باسٹھ روپے ہے جو اس زمانہ کے تیس روپے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اور میرے حالات اور طرزِ بود وباش حسبِ سابق غریبانہ ہے۔

سکھر کا واقعہ ہے کہ سفر پر جانے کے لئے کچھ سامان آپ۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ اور ہمشیرگان اٹھائے ریلوے سٹیشن کو جا رہے تھے۔ کہ راستہ میں چند ریلوے بابو ملے۔ انہوں نے تمسخرانہ انداز سے سلام کیا اور قہقہے لگائے۔ بعد میں بھی وہ دفتر میں اور پلیٹ فارم پر اسی رنگ میں آپ کا مذاق اڑا کر آپ کو تنگ کرتے اور کہتے مولوی فقیر علی صاحب اسٹیشن ماسٹر کے عہدہ کو بدنام کرتے ہیں۔ تانگہ وغیرہ کی بجائے مولویانی صاحبہ اور لڑکیوں سے سامان اٹھواتے ہیں اور خود بھی سامان اٹھاتے ہیں۔ آخر تنگ آ کر ایک روز آپ نے ان بابو صاحبان سے کہا کنجوس اور بے شرم میں ہوں۔ یا تم لوگ جو ریلوے محکمہ کا تیل اور سامان نیز

لوگوں کے پارسل۔بوریوں اور گاڑیوں سے سامان اور پھل چوری کرتے ہو۔بلٹیوں کی رشوت لیتے ہو۔ریل گاڑی میں ٹکٹ کے بغیر سفر کرتے ہو؟ کیا آپ نے کبھی مجھے ان ناواجب امور کا مُرتکب ہوتے دیکھا ہے؟ جب میرے پاس زیادہ روپیہ نہ ہوتو میں کہاں سے خرچ کروں؟ اور مَیں نے اور مستورات نے اپنا سامان خود اُٹھا لیا تو اس میں کون سی ذلت ہے۔تم حرام کماتے اور حرام کھاتے ہو۔لوگوں کی موجودگی میں یہ باتیں سُن کر وہ لوگ بہت شرمندہ ہوئے اور نہ صرف یہ کہ اس روش سے باز آ گئے بلکہ عزت واحترام سے پیش آنے لگے۔

آپ اسراف سے احتراز کرتے نہ کہ انفاق فی سبیل اللہ سے۔اس کا ذکر دوسری جگہ آئے گا۔سمہ سٹہ کے سٹیشن پر ایک فقیر نے آپ سے ایک نئی دوتہی مانگی۔آپ نے نہ دی۔لیکن پھر دیہات میں جا کر اسے تلاش کر کے اور منّت سماجت کر کے دے دی۔آپ حصولِ مال کے ناجائز طریقوں سے قطعی مجتنب رہتے تھے۔چنانچہ آپ لکھتے ہیں اس زمانہ میں ریلوے سٹاف کی بہت قدر تھی۔پبلک ٹیلیگراف ڈاکخانہ میں نہ تھا۔ریلوے ٹیلیگراف ہی پبلک کے لئے بھی تھا۔موٹر کاریں اور بسیں اور ٹرک ابھی جاری نہ ہوئے تھے۔سفر اور حمل ونقل کے ذرائع اندرونِ ملک میں ریل گاڑی تک ہی محدود تھے۔سٹیشن ماسٹر امراء حکام میں نہایت معزز ومحترم سمجھا جاتا تھا۔نواب۔راجے اور مہاراجے ریل گاڑی سے ہی سفر کرتے تھے۔چنانچہ نواب صاحب بہاولپور نے احمد پور کے سٹیشن ماسٹر کو ذاتی استعمال کے لئے دو گھوڑوں والی ایک فِٹن مع کوچوان دے رکھی تھی۔نواب صاحب کے سفر کے لئے ریز روڈ بہ آتا۔اس موقعہ پر وہ سٹیشن ماسٹر کو پچاس روپیہ اور دیگر عملہ ریلوے کو پانچ پانچ روپے دیتے۔

ان حالات میں بھی بابو صاحب کی سادگی اور عدم حرص کا یہ حال تھا کہ آپ نے نواب صاحب بہاولپور کے ہاں ولی عہد کی ولادت کی تاررات کو وصول ہونے پر ایک چپڑاسی کے ہاتھ بھجوادی۔صبح کو اس بات کا علم ہونے پر سٹیشن ماسٹر حیران ہوا۔اور کہا یہ خاص تار بڑی کرّوفر کے ساتھ فٹن میں جا کر پہنچانی چاہئے تھی۔چنانچہ وہ آپ کو فِٹن میں لے جا کر دربار میں پہنچے۔جہاں نواب کو امراء واہل کار تہنیت دے رہے تھے۔سٹیشن ماسٹر نے نذرانہ

پیش کر کے مبارک باد دی اور بابو صاحب کو بھی پانچ روپے دے کر مبارک باد پیش کرنے کو کہا چنانچہ بابو صاحب کو بھی ایک پگڑی اور ایک تھال مٹھائی کا انعام ملا۔

## سیر چشمی ۔قناعت ۔سادگی اور عُسر میں انفاق فی سبیل اللہ

دورِ اوّل میں نادار صحابہ کرام انفاق فی سبیل اللہ کی تحریک ہونے پر محنت مزدوری کر کے جو مٹھی بھر جَو یا کھجوریں ملتیں انشراحِ صدر اور بے پایاں مسرّت کے ساتھ پیش کر دیتے تھے۔ بابو صاحب کی زندگی میں اس اُسوہ حسنہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ چنانچہ آپ کے فرزند ایم بشیر احمد صاحب آپ کی سیر چشمی ۔قناعت اور تنگی میں انفاق فی سبیل اللہ کے تعلق میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ دورے کر کے ضروریاتِ سلسلہ کے لئے روپیہ احباب سے جمع کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت میر صاحبؓ نے ایک ایسے موقعہ پر آپ سے امرتسر میں چندہ مانگا کہ آپ تہی دست تھے۔ آپ نے بتایا کہ میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ لیکن حضرت ممدوح تحریک کرتے ہوئے بار بار فرماتے کہ کچھ دو۔ سوال و جواب ہوتا رہا۔ ڈیوٹی کا وقت ختم ہونے پر آپ کو ساتھ لے کر بابو صاحب گھر پہنچے اور آٹے والا ٹین لا کر دکھایا جس میں صرف آدھ سیر کے قریب آٹا تھا اور حلفاً عرض کیا کہ ہمارے پاس یہی کچھ ہے۔ حضرت ممدوح نے اپنے کپڑے میں وہی انڈیل کر قبول کر لیا۔ اس گھرانے کے لئے یہ بھی بڑی قربانی تھی۔ انہیں رات بغیر کھانے کے بسر کرنی پڑی۔☆

اسی طرح جب حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ قادیان سے لندن روانہ ہوئے تو

☆: خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت میر صاحبؓ قطرہ قطرہ دریا مے شود کی حقیقت سے واقف تھے۔ اس وقت معدودے چند افراد کے سوا ساری جماعت ہی غرباء پر مشتمل تھی۔ خاکسار کو یاد ہے کہ ایک دفعہ آپ ۱۹۱۸ء کے لگ بھگ پاک پتن (ضلع منٹگمری) تشریف لائے۔ حضرت چوہدری غلام احمد خاں صاحبؓ مرحوم ایڈووکیٹ صدر جماعت کے ہاں ملاقات کے لئے محترم والد صاحب جاتے ہوئے مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ مَیں نے والد صاحب سے کہا کہ مجھے بھی کچھ دیں تو میں پیش کروں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے ایک آنہ دیا۔ میری عمر پانچ سال کی تھی۔ حضرت میر صاحب کھانا تناول کر کے ہاتھ دھو رہے تھے۔ بعد فراغت آپ نے ایک آنہ مجھ سے قبول فرمایا۔

امرتسر ریلوے سٹیشن پر بابو صاحب نے آپ کو اپنے ہاں چائے پینے کی دعوت دی۔ دیگر بہت سے احباب بھی ساتھ چل پڑے۔گھر پر چائے تو تیار ہوگئی لیکن اتنے افراد کے لئے اس غریب صاحب خانہ کے ہاں پیالیاں کہاں تھیں۔اور اس زمانہ میں چائے کا رواج بے حد کم تھا۔سو گھر میں میسر برتنوں حتیٰ کہ گھڑوں کے ڈھکنوں وغیرہ تک میں آپ نے چائے پلائی۔

آپ کے بیٹے ایم بشیر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ چھوٹے ریلوے سٹیشنوں پر زمیندار بالعموم بلا ٹکٹ سفر کرتے اور بلا کرایہ سامان لاتے یا لے جاتے ہیں۔اور اس پر چشم پوشی کے عوض سٹیشن ماسٹر کو بھینس کے لئے بھوسہ اور گھر کے لئے اناج مفت فراہم کرتے ہیں۔لیکن بابو صاحبؓ ایسی ناجائز مراعات نہیں دیتے تھے۔ نیز آپ کی دیانتداری کی وجہ سے سٹیشن کا تیل مٹی اور سٹیشنری وغیرہ کا خرچ کم ہوجاتا تھا۔کیونکہ آپ گھر کے لئے ان سرکاری اشیاء کا استعمال حرام سمجھتے تھے۔تبادلہ ہونے پر جو نیا سٹیشن ماسٹر آتا وہ ملنے پر بہت سٹ پٹاتا۔ کیونکہ اپنے گھر کی ضروریات پر صَرف کرنے کی گنجائش نہ پاتا۔اور غصّہ میں کہتا کہ بابو فقیر علیؓ نے تو اس سٹیشن کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ چونکہ رشوت نہ لیتے۔دوسروں کی طرح ٹریفک انسپکٹر کو حصہ نہ دے سکتے تھے۔اس لئے اسکے عتاب کے مَورد بنتے اور وہ اس قسم کی جھوٹی رپورٹیں آپ کے خلاف کرتا کہ سٹیشن کے سِگنلز کے شیشے صاف نہیں۔روشنی مدّھم ہے وغیرہ۔☆

---

☆: آپ نے ۲۹ دسمبر ۱۹۰۸ء کو اپنی آمد و جائیداد کے ۱/۵ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کی آپ کا وصیت نمبر ۳۱۹ ہے دفتر اول چندہ تحریک جدید میں آپ کا۔آپ کی اہلیہ اولیٰ اور اہلیہ ثانیہ کا علی الترتیب تین صد تیس روپے۔باون روپے اور ایک صد گیارہ روپے ادا ہوئے پانچہزاری مجاہدین۔ ص ۱۷۴،۱۷۵) جہاد علاقہ ملکانہ کے دوران میں ان کے لئے عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانیوں کی تحریک جماعت میں کی گئی۔باوجود وقت کی تنگی کے دوسو سولہ قربانیوں کی رقوم (بحساب چھ روپے فی قربانی) پہنچی۔بعض احباب نے آخری وقت علم ہونے پر بذریعہ تار رقوم بھجوائیں بابو صاحب نے ایک قربانی کی رقم ادا کی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی طرف سے چالیس ہزار روپیہ چندہ خاص کی تحریک ہونے پر بابو صاحب نے دس روپے نقد چندہ دیا ہر دو موقع پر آپ سوہل سٹیشن پر متعین تھے

## دِل بہ یارو دست بہ کار

آپ ’’دل بہ یارو دست بہ کار‘‘ پر عمل پیرا تھے۔ایم بشیر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ جس زمانہ میں آپ امرتسر میں متعیّن تھے۔انگریز سٹیشن ماسٹر آپ کو بہت تنگ کرتا تھا۔اس زمانہ میں انگریزوں کا رُعب داب بھی بہت تھا۔وہ کہتا تھا۔مولوی صاحب! کوئی حادثہ کروادو گے۔ہر وقت نماز پڑھتے رہتے ہو۔آپ اس کی ایسی باتوں سے بہت تنگ پڑے۔ایک روز دروازہ اور کھڑکی آپ نے بند کی اور اس کے قریب ہوکر بات کرنے لگے۔تو وہ گھبرا گیا۔مبادا آپ حملہ کردیں۔آپنے اسے اطمینان دلایا کہ میرا ایسا ارادہ نہیں۔مَیں علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔جو یہ ہے کہ آپ دفتر میں قضائے حاجت پر وقت صرف کرتے ہیں۔اسی طرح چائے سگریٹ پینے پر بھی۔پھر مجھ پر معترض کیوں ہیں؟ کہنے لگا یہ امور تو مقتضائے طبیعت ہیں۔آپ نے کہامَیں آپ کے ماتحت ہوں۔آپ کی فرمانبرداری کروں گا۔لیکن صرف الٰہی احکام جو فرض منصبی سے متعلق ہوں۔دیگر امور کے متعلق اطاعت مجھ پر فرض نہیں۔اس لئے نمازوں سے آپ کے کہنے پر مَیں رُک نہیں سکتا۔میری غفلت سے حادثہ رُونما ہو یا ٹرین میں تاخیر ہوجائے تو بے شک آپ مجھ سے نرمی کا سلوک نہ کریں۔یہ کہہ کر آپ نے دروازہ اور کھڑکی کھول دی۔وہ آپ کی گفتگو سے بہت حیران ہوٴا۔آپ کا طریق یہ تھا وقت ملنے پر لوٹا بھر لاتے پھر وضو کرلیتے پھر نماز ادا کرلیتے۔اللہ تعالیٰ مقلّب القلوب ہے اور اپنے بندوں کا مُعین و مددگار ہے۔اس گفتگو کا اس پر ایسا اثر ہوٴا کہ آپ کے لوٹے کو ہاتھ ڈالتے ہی وہ کہتا۔مولوی صاحب! آپ تسلی سے نماز پڑھیں۔مَیں آپ کے کام کا خیال رکھوں گا۔ایک دن آپ کا رُوکھا سُوکھا کھانا دیکھ کر بھی اس پر بہت اثر ہوٴا کہ ان کا یہ حال ہے۔

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶: (الفضل ۲۳/۸/۲۱، ص ۲، ک ۱، ۴۲/۳/۲۱، ص ۱، ک ۱) ۱۹۴۷ء میں حضرت مصلح موعود کی تحریک وقفِ جائیداد کے تحت قادیان کی جائیداد وقف کی اور قیمت کا ۱۰/۱ نقد ادا کیا۔ریٹائرڈ ہونے سے قبل پانچ سو روپیہ قرض لے کر ایران میں تبلیغ کے لئے اعزازی طور پر گئے کئی مہینے وہاں قیام کیا۔

# انتقال وتدفین

''محترم بابو فقیر علی صاحب رضی اللہ عنہ ریٹائرڈ سٹیشن ماسٹر وفات پاگئے۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون''۔ کے زیرِعنوان الفضل رقم طراز ہے:

''ربوہ ۱۴ دسمبر۔ نہایت افسوس سے لکھا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی محترم جناب بابو فقیر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کل مؤرخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۵۹ء بروز اتوار علی الصُبح تین بج کر چالیس منٹ پر قریباً اسی سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ انّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔ آپ ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے تھے۔

''نماز جنازہ کل نماز عصر کے بعد حضرت مرزا بشیر احمد مدّظلہ العالی صاحب نے پڑھائی۔ جس میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد۔ صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے ناظر و وکلاء صاحبان۔ دفاتر کے کارکنان اور دیگر اہل ربوہ کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ مرحوم موصی تھے۔ لہٰذا جنازہ بہشتی مقبرہ لے جایا گیا۔ حضرت میاں صاحب مدّظلہ العالی نے بھی جنازہ کو خاصی دور تک کندھا دیا۔ کثیر التعداد احباب کے علاوہ محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب بھی جنازے کے ہمراہ مقبرہ بہشتی تشریف لے گئے۔ جہاں محترم بابو صاحب کی نعش کو قطعۂ صحابہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ قبر تیار ہونے پر مکرم مولوی جلال الدین صاحب شمس نے دعا کروائی۔

''بابو صاحب محترم احمدیت کے سچّے فدائی۔ نیک اور عابد وزاہد بزرگ تھے۔ نماز باجماعت اور تہجّد کا خاص التزام فرماتے۔ زندگی بھر سِلسلہ کی جملہ تحریکات میں حسبِ استطاعت بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے رہے۔ خاص طور پر تبلیغ کا بے حد شوق تھا۔ جہاں کہیں بھی رہے نہایت مستعدی اور بے

باکی سے فریضۂ تبلیغ ادا کیا۔☆ دینی ذوق وشوق اور مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ امسال بھی جب کہ آپ عمر کے تقاضے اور مسلسل بیماری کی وجہ سے بہت نحیف اور کمزور ہوگئے تھے۔مجلس انصاراللہ مرکزیہ کے امتحان ترجمہ قرآن مجید میں شریک ہوئے اور جملہ انصار میں دوم پوزیشن لے کر اجتماع کے موقع پر انعام حاصل کیا۔ ۱۹۲۸ء میں جب پہلی بار بٹالہ سے قادیان تک ریلوے لائن ممتد ہوئی تو اس وقت آپ ریلوے میں ملازم تھے۔آپ محکمے کی طرف سے قادیان کے پہلے اسٹیشن ماسٹر مقرر ہوئے۔آپ کی سب سے بڑی خوش بختی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محترم جناب مولوی نذیر احمد صاحب علی مرحوم جیسا قابلِ فخر فرزند عطا کیا۔جنہوں نے مغربی افریقہ میں سالہا سال تک رئیس التبلیغ کے طور پر نہایت اخلاص۔ محنت وجانفشانی اور کامیابی کے ساتھ اپنے مُفوّضہ فرائض کو سرانجام دیا۔اور بالآخر ۱۹۵۵ء میں وہیں وفات پا کر شہادت کا مرتبہ پایا۔

''آپ کے دوسرے فرزند مکرم جناب بابو بشیر احمد صاحب قیامِ پاکستان کے بعد سے اپنے تجارتی کاروبار کے سِلسلہ میں مگھیانہ میں مقیم ہیں۔اور امیر جماعتہائے احمدیہ ضلع جھنگ کے طور پر خدمات بجالا رہے ہیں۔

☆: سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تحریک پر کہ ''احمدی احباب غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کیلئے نکل جائیں'' آپ تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینے کی خاطر اپنے خرچ پر ملک ایران تشریف لے گئے تھے۔آپ نے وہاں کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دن طہران میں ایک مجلس میں میں تبلیغ کر رہا تھا۔اور مَیں نے جب یہ بات بیان کی کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ السلام ہی امت محمدیہ کے مسیح موعود اور مہدی معہود ہیں۔اور مَیں نے آپ کو خود دیکھا ہے تو مجلس سے ایک آدمی اٹھا اور میرے قریب آکر اس نے پوچھا ''آغا! آن مسیح موعو ومہدی شما خود دیدی'' تو میں نے جواب دیا ''خود دیدم'' تو پھر اس ایرانی شخص نے میری آنکھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔کیا آپ نے اپنی ان آنکھوں سے مسیح موعود کو دیکھا ہے۔تو وہ شخص محبت اور عشق سے میرے کندھوں کو چومنے لگا۔''

''دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم بابو صاحب مرحوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اپنے خاص قُرب سے نوازے۔نیز پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا کرتے ہوئے دین ودنیا میں ہرطرح اُن کا حافظ وناصر ہو۔آمین''۹؎

# شجرہ نسب

## اللہ بخش ولد خدا بخش

**کاکا**
عمر دین
محمد شفیع

**امام بخش**

**اللہ دتا** (وفات قبل شادی)

**شاہ دین** (ان کی ساری نسل احمدی ہے)

**منگو** (ان کی ساری نسل احمدی ہے)
اولاد: غلام احمد، غلام محمد مرحوم، دل محمد، جان محمد

**کاکا** (وفات قبل شادی)

**عائشہ بی بی** (مدفون کراچی)
- عزیز دین — اولاد: امتہ العزیز، امتہ الکریم، شریف احمد، رشید احمد، لطف الدین، حمید الدین
- فاطمہ بی بی مرحومہ — فوت ہوگئی
- محمد ابراہیم — بچپن میں فوت ہوگیا
- صالحہ بیگم — اہلیہ اللہ بخش

**حضرت بابو فقیر علیؓ** (صحابی۔ مدفون بہشتی مقبرہ ربوہ۔ اولاد از بطن اہلیہ اول برکت بی بی مدفون بہشتی مقبرہ قادیان ۱۹۱۴ء وفات دوسری شادی ۱۹۱۶ء اہلیہ دوئم اللہ رکھی سے کوئی اولاد نہ ہوئی) ریلوے گارڈ خانپور

**فاطمہ بیگم** (وفات قبل شادی)

**ریشم بیگم** بہ نکاح حکیم مہر دین سکنہ چلیخاں بعد وفات حکیم مہر دین بہ نکاح چوہدری علی محمد ساکن احمد نگر سابق گھسیٹ پورہ ضلع ہوشیار پور
اولاد: رشید احمد، سعید احمد، امتہ القیوم، کلثوم بیگم
- ضلع سیالکوٹ — اولاد: عائشہ بیگم، فاطمہ بیگم (اہلیہ عزیز دین)
- اللہ بخش مہر گارڈ (متعین)، محمد عبداللہ مہر (متعین کراچی)
- اولاد: بشارت احمد، عطاء اللہ
- اولاد: نصر اللہ، ذکاء اللہ، رضاء اللہ، اکرام اللہ، نصرت جہاں، قدسیہ بیگم اہلیہ عطاء اللہ

### اولاد حضرت بابو فقیر علیؓ

**میاں بشیر احمد علی** (امیر جماعت ضلع جھنگ)

**حضرت مولوی نذیر احمد علی** (رئیس التبلیغ مغربی افریقہ)

**محمود احمد** فوت شدہ ۱۹۱۸ء

**شریف احمد** فوت شدہ ۱۹۰۳ء

**حلیمہ بی بی** (اہلیہ غلام رسول صاحب لاہوری مدفون بہشتی مقبرہ قادیان)

سیدہ بیگم (اہلیہ شیخ عبدالقادر لائلپوری خلف حضرت شیخ عبدالرب لائلپوری۔
اولاد: صالحہ بیگم، ماجدہ بیگم، سعد الدین سعدی، نصیر احمد، عبدالماجد، عبدالوحید)

### اولاد حضرت مولوی نذیر احمد علی

- **صفیہ بیگم** — اہلیہ محمد عبداللہ مہر کراچی
- **محمود احمد علی** — (اولاد: مریم محمودہ، شہناز، تنویر، بشریٰ صدیقہ، مقصود احمد علی، روبینہ ناصرہ، صبیحہ ناصرہ)
- **حمید احمد علی بی ایس سی** — امتہ النور — نصیر احمد علی — صبیحہ، شاہ زید
- **حمیدہ بیگم** — اہلیہ رشید احمد (بی ایس سی)
- **امتہ الحفیظ** — اہلیہ مبارک احمد (بی ایس سی)
- **رشید احمد بی ایس سی** — اسسٹنٹ کیمسٹ سوئی گیس — اولاد: امتہ الحفیظ نصیرہ بیگم، حمید احمد سعیدہ بیگم فرید احمد، سعید احمد، رشیدہ بیگم
- **مبارک احمد بی ایس سی** — (پروفیسر احمدیہ سیکنڈری سکول بمقام سیرالیون — اولاد: منور احمد، رفیق احمد، مبارکہ بیگم، خلیل احمد
- **بشارت احمد**
- **منیر احمد**
- **لطیف احمد**
- **کریم احمد**

# حوالہ جات

ا: وفات بتاریخ ۱۹/۷/۱۶ (الفضل ۳۰/۸/۱۶ ص۵)

۲: تین سو تیرہ صحابہ میں سے تھے۔ تاریخ وفات ۱۱/۴/۴۶
(الفضل ۱۲ و ۱۳ اپریل ۱۹۴۶ء زیر "مدینۃ المسیح")

۳: مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۰۵ء

۴: تذکرہ طبع ۱۹۴۹ (ص ۷۵۵)

۵: تذکرہ طبع ۱۹۴۹ صفحہ ۸۱۲

۶: تذکرہ طبع ۱۹۴۹ صفحہ ۸۱۲ تا ۸۱۳

۷: ملخّص از الفضل ۲۵/۱۲/۲۸

۸: الفضل ۲۵ دسمبر ۱۹۵۹

۹: الفضل مؤرخہ ۱۵/۱۲/۵۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم　　نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡد

# شیخ فضل احمد صاحبؓ بٹالوی

## تعارف

حضرت شیخ فضل احمد صاحب☆ بٹالہ میں پیدا ہوئے۔گندمی رنگ،خوبرو کتابی چہرہ، مشرع داڑھی درمیانہ قد، پتلے دُبلے ،سنجیدہ مزاج،ہنس مُکھ،زیرک اور دلیر طبع۔جانبازی کی حدتک تبلیغ کے شائق تھے۔خصوصاً بنوں اور لاہور میں اس بارے میں خاص مساعی کیں۔اپنے انگریز افسران اور مسلم، ہندو وغیرہ عوام کو بھی پیغام احمدیت پہنچانے کا شغف تھا۔لاہور میں آپ سیکرٹری تبلیغ مقرر رہے۔حضرت خلیفہ اوّلؓ کی مجالس میں کثرت سے بیٹھنے کے باعث حضور کی سیرت کے متعلق انمول باتیں کیں۔خلافت اولیٰ سے ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے گہرا رابطہ تھا۔آپ کی قائم کردہ مجلس انصاراللہ میں شامل ہوئے۔اوراس المسیح غیر مبائعین کی تردید میں شائع ہونے والے ٹریکٹوں میں آپ کا نام شامل تھا۔قیامِ خلافتِ ثانیہ پر غیر مبایعین کے سربراہ مولوی محمد علی صاحب کے خُسر اور دست راست،ڈاکٹر بشارت احمد صاحب راولپنڈی میں تھے۔آپ نے ان کا اور ان کے رفقاء کا کامیاب مقابلہ کیا اور متعدد افراد کو مبائع بنایا۔لاہور میں مولوی محمد علی صاحب کے

☆:آپ سے متعدد مرتبہ حالاتِ زندگی خاکسار مؤلف نے بالمشافہ طلب کئے۔فرماتے کہ لکھ کر رکھے ہوئے ہیں۔اورمَیں نے کہہ چھوڑا ہے کہ میری وفات کے بعد آپ کو دے دئے جائیں۔سواب آپ کے صاحبزادہ محترم ملک محمد احمد صاحب نے نقل کر کے بھجوائے ہیں۔**فجزاہ اللّٰہ احسن الجزاء** خاکسار نے ترتیب تبدیل کی ہے اور اکثر مقامات پر اصل عبارت کا خلاصہ دے دیا ہے یا مفہوم درج کیا ہے یا مفہوم سمجھ کر اسکی معمولی تفصیل بھی دے دی ہے جو عبارت سے مترشح ہوتی ہے۔آپنے اپنی سوانح عمری میں بعض باتوں کے متعلق خطوط وحدانی میں (مفہوم) لکھا ہے۔وہ اس اس جگہ اسی طرح درج کیا گیا ہے۔قریباً تمام حوالے خاکسار نے ایزاد کئے ہیں۔یہ بھی عرض ہے کہ ککے زئی قوم کے افراد ملک بھی کہلاتے ہیں اور شیخ بھی۔

ایک اور دستِ راست ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کا گفتگو میں ناطقہ بند کر دیا۔ مشاورت میں کئی بار شریک ہوئے ارتدادِ ملکانہ کے وقت آپ نے وہاں بھی خدمت کی اور ایک خاص فریضہ سپرد ہونے پر آپ نے براہِ راست حضرت خلیفہ ثانیؓ کے ماتحت کام کیا۔ انفاق فی سبیل اللہ کی توفیق پائی۔ چندہ منارۃ المسیح میں شرکت کے باعث آپ اور آپ کی زوجہ اوّل کے اسماء اس پر کندہ ہیں۔ آپ دفتر اوّل کے تحریک جدید کے مجاہد ہیں۔ وقفِ جدید کے چندہ میں حصہ لیتے رہے۔ ارتداد ملکانہ کے موقعہ پر ممتاز طور پر مالی خدمت کی۔ خلافتِ ثانیہ میں خصوصاً معروف وممتاز احباب میں شمار ہوتے رہے۔ بعد پنشن مرکز سلسلہ میں وقف زندگی کی پیش کش کی۔ اور اراضیات سندھ اور دفتر امانت کے تعلق میں آپ نے خدمات کیں۔ خصوصاً بعد تقسیم برصغیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر صیغہ امانت صدر انجمن احمدیہ میں جو لاکھوں روپیہ اور زیورات وغیرہ کی امانتیں تھیں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب کی ہدایت پر آپ خاص تائید ونصرتِ الٰہی سے قادیان سے لاہور لے جانے میں کامیاب ہوئے۔ خلفاء سلسلہ اور ابناء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علاوہ بزرگانِ سلسلہ کے ساتھ آپ کے گہرے مراسم تھے۔ ۳۰ اگست ۱۹۶۸ء کو ربوہ میں بعمر چوراسی سال وفات پائی اور قطعہ خاص میں دفن ہوئے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ۔ آمین

## خاندانی اور تعلیمی حالات

آپ رقم فرماتے ہیں: خاکسار شیخ فضل احمد بٹالوی ولد شیخ علی بخش صاحب ولد شیخ گل محمد صاحب ولد شیخ غلام حسین صاحب، قوم ککّے زئی کی ولادت بمقام بٹالہ (ضلع گورداسپور) غالباً ۱۸۸۳ء میں ہوئی تھی۔ وہیں مَیں نے پرورش پائی۔ والدہ مرحومہ بیان کرتی تھیں کہ تمہاری پہلی والدہ کے بطن سے تمہارے والد کی صرف لڑکیاں تھیں۔ میرے ہاں بھی پہلے لڑکی فیض بتول نام ہوئی۔ انہوں نے اپنے مُرشد کی خدمت میں (جو رتر چھتر والے مشہور تھے اور بمقام دھرم کوٹ رندھاوا ضلع گورداسپور میں رہتے تھے۔ اور ان کی تعریف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمائی ہے) اولادِ نرینہ کے لئے درخواستِ دعا کی۔ بعد دُعا مرشد موصوف نے بتلایا کہ تمہیں ایسا لڑکا ملے گا جو بڑی عزّت اور برکت پائے

گا۔ خاکسار کا یقین ہے کہ خاکسار کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت غلامی سے یہ عزّت اور برکت حاصل ہوئی۔

خاکسار قریباً چھ سال کا تھا کہ غالباً ۱۸۸۹ء میں والد ماجد انتقال فرما گئے۔ آپ تجارت کرتے تھے مجھے یاد ہے کہ آپ کی وفات پر آپ کی دوکان سے کتاب ''پند نامہ عطّار'' نکلی جس کو مَیں بڑے شوق سے پڑھتا تھا۔ والدہ ماجدہ بتاتی تھیں کہ تمہارے والد تہجّد گزار اور بڑے عبادت گذار تھے۔ نماز تہجّد مسجد میں جا کر پڑھتے تھے۔

مَیں نے بٹالہ میں پانچویں جماعت تک گورنمنٹ ہائی سکول میں اور پھر چھٹی سے نویں تک مشن ہائی سکول میں تعلیم پائی۔ مڈل میں کامیابی کے بعد ایک ہندو ہائی سکول میں داخلہ لیا۔ لیکن میٹرک کے امتحان میں کامیابی نہ ہوئی پھر امرتسر میں مخدومی و محسنی جناب شیخ محمد عمر صاحب بیرسٹر کی مدد سے ایک کمرشل سکول میں داخلہ لیا۔ لیکن محنت نہ کرنے کی وجہ سے کامیابی نہ ہوئی۔ پھر دہلی میں ''اے۔ برکت اینڈ کمپنی'' میں ملازمت مِلی مگر دہلی کی مرچوں سے تنگ آ کر میں ملازمت چھوڑ آیا اور اپنے طور پر امتحان دے کر ۱۹۰۱ء میں میٹرک کے امتحان میں کامیاب ہوا۔

۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۳ء میں مختلف مقامات پر ملازم رہا۔ ۱۹۰۴ء میں آبزرور پریس لاہور میں بطور پروف ریڈر ملازم ہوگیا۔ یہاں سے بھی دل برداشتہ ہوکر ملتان چلا گیا۔ اور افریقہ جانے کے خیال سے کراچی گیا۔ چونکہ افریقہ جانے کی صورت نہ بنی اس لئے چند ماہ بعد۔ ہانسی۔ حصار۔ سہارنپور ہوتا ہوا انبالہ چھاؤنی پہنچا وہاں مخدومی برادرم عطاء اللہ خان صاحب مرحوم تھے۔ انہوں نے مجھے انبالہ چھاؤنی میں ملازم کرادیا۔ یہ غالباً ۱۹۰۵ء کی بات ہے۔ ۱۹۰۶ء میں لاہور جانا پڑا۔ پھر ہمارا یونٹ واپس انبالہ چھاؤنی گیا۔ جہاں جنوری تا اپریل ۱۹۰۸ء قیام رہا۔ ایک نہایت شریف انگریز مسٹر اے ڈبلیو ڈی ہیرنگٹن ہماری یونٹ کے کمان افسر ہوکر آئے۔ حضرت چوہدری رستم علی صاحبؓ کی زیارت ہوگئی اور ان سے بہت فیض حاصل کیا۔ پھر کمان افسر کے ساتھ مئی میں کسولی پہاڑ پر جانے پر اپنے عزیز دوست اور بھائی ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب کے ساتھ رہنے کا موقعہ ملا۔ اور ڈاکٹر لعل دین صاحب کے ساتھ ملاقات ہوئی۔

## عیسائیت کے رُعب کا زمانہ

آپ لکھتے ہیں کہ غالباً ۱۸۸۰ء میں یا اس کے قریب ایک عیسائی خاتون جس کو مِس ٹکر کہتے تھے۔ بٹالہ میں آئی وہ بقول بعض کے ملکہ وکٹوریہ کی خالہ زاد بہن تھی اس نے ایک مشن سکول بنام اے ۔ایل۔ او۔ ای (A LADY OF ENGLAND) ہائی سکول قائم کیا۔مَیں نے اس بوڑھی عورت کو دیکھا ہے۔اس کا شاہانہ حال ان باتوں سے ظاہر ہے کہ بچپن میں سُنتا تھا کہ وہ معزز گھروں میں جاکر ان کی مستورات کو شال پشمینہ کی گرم چادروں یا قمیصوں کے قیمتی کپڑے ریشمی وغیرہ کے تحائف دیا کرتی ۔اور بڑی محبت سے نرم نرم باتیں کرتی تھی۔اس زمانہ میں انگریزوں کا بڑا رعب تھا۔اُسے بعض گھروں میں جاتے دیکھنا مجھے بھی یاد پڑتا ہے۔لوگ بہت عزت سے اس کے ساتھ پیش آتے تھے۔وہ محلّہ کے بچوں کو اکٹھا کرکے ان میں مٹھائی تقسیم کرتی۔اس کے ساتھ ایک نوجوان عیسائی عورت غالباً بنام ''نورنشالی'' ایک پالکی میں آتی اور یسوع مسیحؑ کے گیت گاتی تھی۔اس طرح اس کا دخل گھروں میں ہوگیا تھا۔اورعورتیں عیسائیت کی تبلیغ اپنے گھروں میں سُنا کرتی تھیں۔بازاروں میں عیسائی مناد بڑی بڑی تقریریں اور وعظ کرتے تھے۔کسی کی کیا مجال کہ کوئی ان سے جھگڑے یا بحث مباحثہ کرے ہر معزز قوم کے افراد مردوزن آغوشِ عیسائیت میں آنے لگے۔اسی زمانہ کی بات ہے کہ ایک مسجد کے امام الصلوٰۃ مولوی قدرت اللہ صاحب نے عیسائیت قبول کرلی۔لیکن پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوشش سے دوبارہ قبولِ اسلام کی برکت پائی۔

اس مشن ہائی سکول کے علاوہ ایک سکول بنام بیرنگ ہائی سکول بھی قائم کیا گیا تھا۔جو خالصتہً عیسائی بچوں کی تعلیم کے لئے تھا۔اس زمانہ میں پادری وائٹ بریخٹ بھی جو بعد میں غالباً لاٹ پادری ہوکر لاہور میں مقیم رہے بٹالہ میں بطور بڑے پادری کے متعین تھے۔مشن ہائی سکول کا مینیجر پادری کا وڑڈیل تھا۔جو اکثر مشن سکول کے بچوں کو عیسائیت کی تبلیغ کے لئے شام کو بلالیا کرتا تھا۔اورانہیں جُرابیں ،رومال،مٹھائیاں،فالودے وغیرہ دیا کرتا تھا۔اس طرح تالیفِ قلوب کرکے لڑکوں کو مانوس کرلیا جاتا اور پھر ان کی سفارشیں

کر کے ان کو سرکاری ملازمت دلائی جاتی تھی اس وعدہ پر کہ وہ عیسائی ہو جائیں۔
غرض عورتوں اور مردوں میں عیسائیت کی تبلیغ سے ایک قیامت برپا تھی۔جس کا آج کسی کو اندازہ اور خیال بھی نہیں آتا۔چونکہ میں نے عیسائیت کا یہ رُعب داب دیکھا ہوُا تھا۔اور مجھے ادنیٰ اقوام نہیں بلکہ بٹالہ کے ان معزز خاندانوں کا بھی علم تھا جن کے چشم و چراغ عیسائی بن کر دجال بن گئے تھے۔اس لئے میرے دل پر بھی عیسائیت کا یہ اثر تھا کہ اتنی بڑی بلا کو خدا ہی دور کرے تو کرے کسی انسان کی مجال نہ تھی۔
غالباً ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۱ء تھا کہ بٹالہ میں مَیں نے سنا کہ یہ مدرسہ فروخت ہو رہا ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس کو خرید رہے ہیں۔یہ بات میرے لئے اس قدر حیرت انگیز اور تعجب خیز تھی کہ سنتے ہی میرے دل نے چاہا کہ میں سڑک پر ہی سجدہ ریز ہو جاؤں۔میرے وہم میں بھی یہ بات نہ آئی تھی کہ یہ مشن سکول جو مِس ٹکّر کے لاکھوں روپے کے سود پر چلا کرتا تھا اور جس کی شان و شوکت اور عیسائیت کی ہیبت اور رُعب کی کیفیت مَیں نے دیکھی ہوئی تھی آج بک رہا ہے۔نیلام ہو رہا ہے۔خاک میں مل رہا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت کا یہ ایک عظیم الشان نشان تھا۔جن لوگوں نے عیسائیت کا وہ رُعب بٹالہ میں نہ دیکھا ہو وہ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔
خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ نہ معلوم یہ بات کیونکر مشہور ہوگئی۔کیونکہ یہ عمارت اس طرح فروخت نہیں ہوئی۔پہلے کا تو علم نہیں۔لیکن تقسیم برصغیر کے نتیجہ میں برطانوی راج کی جو حمایت اس کو حاصل تھی وہ جاتی رہی۔اور اب تمام عیسائی مِشن ہی زوال پذیر ہیں چمبہ شہر کے دیسی پادری نے پندرہ سال قبل سنایا تھا کہ مِشن کی آمد بہت کم ہوگئی ہے۔جو عمارات مِشنوں کی ہیں ان کی مرمت اور غور و پرداخت مشکل ہو رہی ہے۔اور نیز یہ ایک کھلی حقیقت ہے۔جس کا ذکر اخبارات میں آتا رہتا ہے۔کہ غیر ملکی اور دیسی پادریوں میں ایک دوسرے کی مخالفت شروع ہے۔اور دیسی پادری علی الاعلان اس بارے میں مضامین وخطوط،اخبارات میں بھجواتے ہیں۔دوسری طرف باوجودیکہ قادیان سے حضرت امام جماعت احمدیہ رضی اللہ عنہ اور جماعت کی اکثریت کو اعلام الٰہی کے مطابق ۱۹۴۷ء میں ہجرت کرنا پڑی پھر بھی قادیان کی عظمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص

فضل سے بحال رکھا ہؤا ہے۔اور اس کی عظمت کے سامنے بارہ میل کے فاصلہ پر بٹالہ میں عیسائیت کا وہ رُعب موجود نہیں بلکہ وہ تقسیم ملک سے قبل ہی ختم ہو چکا تھا۔ بٹالہ میں کچھ پادری SEVENTH DAY ADVENTIST مشن کے اور کچھ مُکتی فوج کے رہتے ہیں۔اور چند میل پر دھاریوال میں بھی کچھ پادری مقیم ہیں۔اور ایک بڑا شفا خانہ بھی جاری ہے۔لیکن تبلیغی سرگرمیاں صِفر کے برابر ہیں۔ایک گروہ امریکن یونائیٹڈ پریس بٹیرین چرچ امریکہ متعدد ریاستوں سے انیس خواتین اور سات مردوں پر مشتمل ہندوستان کے دو ماہ کے سفر پر آیا جس کا مقصد عیسائی تبلیغی سرگرمیوں کا جائزہ لینا اور دیگر مذاہب کے مراکز کو دیکھنا تھا۔اور اس گروپ نے امریکہ سے اپنے لائحہ سفر میں قادیان آنا شامل کیا اور بیرنگ کالج کے پرنسپل کے ذریعہ اس کی اطلاع بھجوائی۔اور وہ بتاریخ ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۹ء قادیان بٹالہ سے سات کاروں پر آئے۔اور انہیں تبلیغ ہوئی اور لٹریچر دیا گیا۔تقسیم ملک کے بعد مرکز قادیان کے ذریعہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کم وبیش ایک کروڑ روپیہ جمع ہؤا۔سیرت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تبلیغ احمدیت کے متعلق کئی لاکھ روپیہ کا لٹریچر ہی شائع ہؤا جو انگریزی، اردو، ملیالم، ہندی اور گورمکھی میں ہے۔ایک درجن سے زائد مبلغ تیار ہوئے۔مبلغ تیار کرنے والا مدرسہ احمدیہ جاری ہے۔ ہفتہ وار بدرؔ سترہ سال سے قادیان سے جاری ہے۔غیر مسلموں پر اس مرکز اور اس کے ساکنین کا اخلاقی اور روحانی نہایت گہرا اثر ہے۔اور غیر مسلم دعاؤں کے لئے رجوع کرتے رہتے ہیں۔اور ہندوستان کے متعدد صوبوں میں جلسہ ہائے سالانہ بھی منعقد ہوتے ہیں۔مثلاً اس دفعہ کیرالہ۔یوپی اور اڑیسہ میں منعقد ہو چکے ہیں۔**فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک**

## حضورؑ کی زیارت اور قبولِ احمدیت

پھر آپ لکھتے ہیں بچپن میں مجھے خواب میں کسی نے کہا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھانیدار محمد علی صاحب کے بیٹے ڈاکٹر محمد طفیل خان صاحبؓ کے مکان پر تشریف لائے ہوئے ہیں۔میں بھی اُن کے مکان پر گیا تو مجھے آواز تو آتی تھی یا مجھے خیال آتا تھا کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے باتیں کر رہے ہیں مگر مجھے زیارت نصیب نہ ہوئی ☆۔

بچپن میں ایک دفعہ بٹالہ میں پانی کا سیلاب آیا اور میں بھی بچوں کے ساتھ لیک والے تالاب کے پاس جس کے مغرب کی جانب ذیل گھر ہوا کرتا تھا پہنچا تو کسی لڑکے نے مجھے کہا وہ دیکھو قادیان والے مرزا صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ مَیں نے بھی ذیل گھر کے نچلے کمرہ کی طرف نگاہ کی تو مجھے حضور کی زیارت ہوئی۔ حضور بیٹھے ہوئے تھے۔

دراصل میری احمدیت کی ابتداء لاہور میں ۱۹۰۴ء میں ہوئی تھی۔ جہاں برادرم ڈاکٹر محمد طفیل صاحبؓ نے مجھے آبزرور پریس میں تبلیغ کی تھی۔ انہوں نے مجھے ریویو آف ریلیجنز کا کوئی پرچہ پڑھنے کے لئے دیا تھا۔ جس کا اثر میرے دل و دماغ پر ایسا پڑا کہ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ ریویو میرے نام پر جاری کر دیں حضور علیہ السلام نے گزشتہ سارے پرچے ۱۹۰۴ء تک کے مجھے بھجوا دیئے جن کے مطالعہ سے میرے دل نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے بیعت کر لینی چاہیئے۔ اور شاید مَیں نے بیعت کا خط بھی لکھ دیا۔ کیونکہ مَیں نے ۱۹۰۶ء میں ہی دوسرے دوستوں کو تبلیغ کرنی شروع کر دی تھی۔ جن سے میں ایک تو برادرم ڈاکٹر عطاء اللہ خاں صاحب تھے۔ چونکہ آج سے ساٹھ سال پہلے کی بات ہے اس لئے پوری طرح تو یاد نہیں مگر اتنا یاد ہے کہ حضرت ڈاکٹر محمد علی صاحبؓ وٹرنری اسسٹنٹ (جو ابوالمنیر نورالحق صاحب دارالمصنفین کے دادا کے چھوٹے بھائی تھے) ہمیں انبالہ چھاؤنی میں قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے اور یہ بھی شبہ پڑتا ہے کہ ان کی تبلیغ سے ماسٹر عبدالعزیز صاحبؓ نوشہروی اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب نے بیعت کی تھی۔ اور شاید مَیں نے بیعت دوبارہ تحریری طور پر کی تھی۔

---

☆: تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ مثیل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں لیکن شیخ صاحب کو ابھی زیارت کا موقعہ میسر نہیں آیا۔ نیز یہ کہ تھانیدار محمد علی صاحب کے گھرانہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے۔ جو گویا ابھی ظاہر نہیں سو تھانیدار صاحب کے فرزند حضرت ڈاکٹر صاحب کے قبولِ احمدیت کی توفیق ملنے پر یہ تعلق ظاہر ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب قادیان میں مدرسہ احمدیہ کے سیکنڈ ماسٹر رہے۔ جلسہ سالانہ پر ناظم نظامت اندرون ہوتے تھے۔ قائم مقام صدر عمومی یا نائب نیز صدر محلّہ دارالفضل بھی بعد ہجرت پاکستان میں وفات ہوئی۔

غالباً ۱۹۰۶ء میں حضرت چوہدری رستم علی صاحبؓ نے مجھے سیکرٹری بنا دیا اور تبلیغ کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس زمانہ میں بابو عبدالرحمٰن صاحب ہیڈ ٹریژری کلرک انبالہ شہر زندہ تھے۔ اور ان کے ساتھ ٹھیکیدار محمد یوسف صاحب بھی تھے۔ ماسٹر عبدالعزیز صاحبؓ نوشہروی کے مکان پر جو غالباً توپخانہ بازار میں رہتے تھے۔ ہمارے اجلاس ہوا کرتے تھے☆۔

حضرت چوہدری رستم علی صاحب کی ایک بات مجھے یاد پڑتی ہے۔ ان دنوں وہ کورٹ انسپکٹر تھے۔ یا کورٹ سب انسپکٹر۔ فرمانے لگے کہ میرے پاس ایک تھانیدار صاحب آئے اور انہوں نے مجھے اپنے حلقہ کے متعلق بعض باتیں بتلائیں جن میں سے کچھ کسی چوکیدار کے خلاف تھیں۔ تھانیدار کے جانے کے بعد وہی چوکیدار آ گیا۔ اور اس نے تھانیدار کے خلاف کچھ باتیں کیں۔ مجھے اس چوکیدار پر غصّہ آیا۔ اور میں نے اُسے ایک چپت لگائی۔ وہ روتا ہوا چلا گیا۔ تو مجھے خیال آیا کہ ممکن ہے کہ یہی سچا ہو اور تھانیدار جھوٹا۔ مَیں نے چوکیدار کو واپس بلایا دو روپے اسے دیئے۔ دودھ پلایا اور اس سے افسوس کا اظہار کیا۔ اس زمانہ میں تو سپاہی بھی بڑا بارعب ہوا کرتا تھا۔ پھر تھانیدار تو اپنے آپ کو فرعون سے کم نہ جانتا تھا۔ اس کے اوپر کے مرتبہ والے کورٹ انسپکٹر خدا ہی جانے کس شان کے ہوا کرتے تھے۔ مگر باوجود ایسی شان کے حضرت چوہدری صاحبؓ ایسے منکسر المزاج تھے کہ ایک چوکیدار کا دل دُکھانا بھی انہیں گناہ کبیرہ نظر آیا۔ اور جب تک چوکیدار خوش نہ

---

☆: بابو عبدالرحمٰن صاحب بعدہٗ امیر جماعت انبالہ اور ماسٹر عبدالعزیز صاحبؓ نوشہرہ ککے زئیاں وفات پا چکے ہیں اور ۲۲۳، ۲۲۴ پر منارۃ المسیح پر آپ کا اور آپ کی اہلیہ محترمہ کے اسماء کندہ ہیں غالباً آپ ہی اپنے قبول احمدیت کے حالات میں بیان کرتے ہوئے کہ کن احمدی احباب سے ملاقات ہوئی لکھتے ہیں۔ ''فروری ۱۹۰۳ء میں دفتر بدل کر انبالہ چھاؤنی آ گیا۔ ان دنوں یہاں طاعون کا سخت زور تھا بابو فضل احمد صاحب سکنہ بٹالہ و بھائی شیخ عطاء اللہ صاحب سکنہ دھرم کوٹ بگہّ سے ملاقات ہوگئی۔ اور انکی صحبت میں اخبار بدر کے پرانے فائلوں کے مطالعہ کرنے کا خوب موقعہ نصیب ہوا۔ ۱۹۰۶ء میں بابو فضل احمد صاحب بحصول رخصت چند یوم خادم ہی کے غریب خانہ میں مہمان ہوئے۔ چونکہ آپ پہلے سے احمدی تھے آپ کی صحبت سے مجھے بہت ہی فائدہ حاصل ہوا۔''[۲]

ہوا آپ اس کی خاطر مدارت کرتے رہے۔یہی بات ایک شعر میں بیان ہوئی ہے۔

گر بہ دولت بِرسی مَست نہ گردی مروی

وَر بہ پستی برسی مَست نہ گروی مَروی

خاکسار کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ جب کبھی حضرت چوہدری صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو انہیں حضرت مولوی عبد اللہ صاحب غزنویؒ کی فارسی سوانح عمری سنایا کرتا تھا۔پھر آپ پنشن لے کر قادیان میں آ گئے وہاں بھی میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔

اپریل ۱۹۰۷ء میں میری شادی بٹالہ میں محترمہ سردار بیگم صاحبہ ہمشیرہ شیخ اکبر علی صاحب کے ساتھ ہوئی چونکہ میں نے دستی بیعت ۱۹۰۷ء میں کی تھی اور طبیعت پر ان دنوں بڑا اثر تھا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری مرحومہ بیوی نے بھی بیعت کر لی۔اور اس کو دیکھ کر ان کی والدہ محترمہ اور بھائیوں اکبر علی صاحب اور اصغر علی صاحب مرحوم بھی احمدیت میں داخل ہو گئے۔یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا احسان ہوا کیونکہ آگے ان کی اولاد بھی احمدی ہے☆۔

۱۹۰۷ء کی ابتداء میں حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ (خلیفہ اوّلؓ) کی خدمت میں بعض عریضے میں نے لکھے جن کا اثر آپ کے مبارک اور پاک دل پر اتنا پڑا کہ آپ کی محبت میرے دل میں بیٹھ گئی۔غالباً اگست ۱۹۰۷ء میں مجھے قادیان جانے کا موقعہ خدا تعالیٰ نے محض اپنے رحم سے بخشا۔اور مَیں نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرنی چاہتا ہوں۔آپ نے فرمایا مسجد مبارک میں چلے جاؤ اور بیعت کر لو۔میں نے عرض کیا کہ میں آپ کی معرفت بیعت کرنی چاہتا ہوں۔تو آپ نے فرمایا مسجد مبارک میں جا کر میرا انتظار کرو۔میں مسجد مبارک میں چلا گیا۔اس کی جنوبی کھڑکی میں حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل بیٹھے ہوئے تھے۔اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پہلے سے تشریف لائے ہوئے تھے یا اسی وقت آئے

---

☆: ملک محمد احمد صاحب پسر بابو فضل احمد صاحب بتاتے ہیں کہ اکبر علی صاحب و اصغر علی صاحب دونوں وفات پا چکے ہیں۔مکرم اکبر علی صاحب لاہور میں ۱۶ جون ۱۹۶۹ء کو فوت ہوئے اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔الفضل میں ان کی وفات کے ذکر میں مرقوم ہوا کہ اپنے بہنوئی شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی کے ذریعہ ۱۹۰۸ء میں حضرت خلیفہ اوّلؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے احمدی ہوئے تھے۔الفضل ۲۸ جنوری ۱۹۶۹ء ص ۶

تھے اور بیعت ہونے لگی۔ قاضی صاحب نے مجھے مخاطب کر کے کہا کیا آپ بھی بیعت کرنے کی غرض سے آئے ہوئے ہیں؟ میں اس وقت مسجد کے دروازہ میں حضرت مولوی صاحبؓ کے انتظار میں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اثبات میں جواب دیا تو قاضی صاحب نے مجھے کہا کہ بیعت ہورہی ہے۔ بیٹھ جاؤ اور اپنے سے آگے بیٹھے ہوئے دوست کی کمر پر ہاتھ رکھ لو۔ اور الفاظ دہراتے جاؤ۔ میں نے تعمیل کی۔ جب بیعت اور دعا ہوچکی تو مَیں پھر دروازہ میں آکر کھڑا ہوگیا۔ اور حضرت مولوی صاحبؓ کا انتظار کرنے لگ گیا۔ اتنے میں آپ تشریف لائے۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر آگے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کھڑکی مسجد کی جانبِ شمال تھی لے گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک میں میرا ہاتھ ڈال کر عرض کیا حضور! یہ کالکا سے بیعت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ (میں ان دنوں انبالہ سے کالکا گیا ہوا تھا۔ اور چونکہ میں کالکا سے بھی حضرت مولوی صاحبؓ کی خدمت میں درخواست ہائے دعا بھیجا کرتا تھا۔ اس لئے آپ نے کالکا کا نام لیا۔ جہاں ہمارا یونٹ گیا ہوُا تھا) حضور نے میری طرف نگاہ فرمائی اور فرمایا کیا آپ نے ابھی جو بیعت ہوئی تھی اس میں شامل ہوکر بیعت نہیں کی (مفہوم) خاکسار نے عرض کیا حضور! کرلی ہے۔ اس کے بعد میں اسی جگہ بیٹھا رہا اور حضور کے چہرہ مبارک کو دیکھ دیکھ کر درود شریف پڑھتا رہا۔ اس وقت حضور مولوی محمد علی صاحب سے انگریزی اخبار غالباً سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کی خبریں سن رہے تھے۔ جب حضور مسجد سے تشریف لے گئے تو میں انبالہ چلا گیا۔ پھر حضور کی خدمت میں درخواست کیا کرتا تھا کہ دعا فرمائیں کہ میرا دِل دنیا سے نہ لگے۔ ۱۹۰۸ء میں جب میں کسولی پہاڑ پر گیا وہاں مجھے بابو عبدالحمید صاحب پٹیالوی ملے انہوں نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کی خبر سنائی ☆۔

## ایک معنی خیز رؤیا

آپ بیان کرتے ہیں کہ غالباً ۱۹۰٦ء میں مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی ہمارے محلّہ میں گھوم رہے ہیں۔ چند روز بعد مجھے بٹالہ سے خط ملا کہ ہمارے محلّہ میں طاعون کے کیس ہورہے ہیں۔ مَیں نے دُعا مانگی پھر خواب دیکھا کہ بٹالہ میں ہمارے

☆: مراد حضرت شیخ عبدالحمید صاحبؓ ریلوے آڈیٹر جو قریب میں وفات پاگئے ہیں۔

محلّہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور ایک کُرسی پر تشریف رکھتے ہیں کرسی کے پاؤں کے نیچے پہیے لگے ہوئے ہیں اور کرسی کے پاس ہی کھڑا ہوا میں حضور علیہ السلام سے باتیں کرر ہا ہوں۔ کرسی چلنے لگی اور میں بھی حضور کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ حضور ہمارے محلّہ میں پھرتے رہے۔ اور جب واپس ہونے لگے تو مجھے مخاطب کر کے جو کچھ فرمایا۔ اس کا مفہوم تھا کہ تم صادقوں میں سے ہو۔ چند روز گذرے کہ بٹالہ سے خط آیا کہ اب خدا کے فضل و احسان سے طاعون نہیں رہی۔ محلّہ میں امن ہے.......... خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ گویا عنداللہ جو مقام صدق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اور جو مقام اس کے خلاف حضور کے مکفّر مولوی بٹالوی صاحب کو حاصل ہے وہ اس عجیب رنگ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

## روایات

آپ بیان کرتے ہیں:

(۱): حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خادم حضرت حافظ حامد علی صاحبؓ نے سنایا کہ ابتدائی زمانہ میں جب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ ابھی چھوٹے بچے تھے۔ آپ کی آنکھوں میں سوزش وغیرہ سے بہت تکلیف ہوگئی تو حضور انہیں اور حضرت امّ المؤمنین کو لے کر بٹالہ علاج کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ مَیں بھی خدمت میں ساتھ تھا۔ بٹالہ پہنچ کر مجھے فرمایا کہ شیخ محمد علی صاحب (والد ڈاکٹر محمد طفیل خاں صاحب) کے پاس جا کر پچاس روپے قرض لے آئیں۔ مَیں شیخ صاحب کے پاس گیا باتوں باتوں میں الہام کا ذکر آ گیا۔ شیخ صاحب نے کہا کہ الہام کی بات کچھ ایسی نہیں جس کو بہت وقعت دی جائے۔ مجھے بھی الہام ہوتے ہیں۔ اور بڑی خشکی اور لاپرواہی سے حضرت اقدس کا ذکر کیا۔ بات بڑھ گئی تو مَیں اُن سے ناامید ہوکر بیزاری کے ساتھ واپس آ گیا۔ اور حضور کی خدمت میں تفصیلی عرض کی۔ حضور نے خاموشی اختیار فرمائی یا کچھ جواب دیا۔ مجھ راوی کو یاد نہیں رہا۔ ایک دو روز کے اندر کی بات ہے کہ میں بازار کسی کام کے لئے گیا ہؤا تھا کہ ایک چٹھی رسان نے آواز دے کر کہا کہ بھئی! مرزا صاحب کے تم ملازم ہو! مَیں نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے کہا کہ مَیں دو تین روز سے مرزا صاحب کی تلاش کرر ہا ہوں۔ مجھے ان کا

پتا نہیں لگ سکا مجھے ان کے پاس لے چلو ان کا پچاس روپے کا منی آرڈر آیا ہوُا ہے۔ مَیں اسے حضور کے پاس لایا۔ اور حضور نے یہ رقم وصول کی۔ حافظ صاحب فرماتے تھے کہ جہاں تک مجھے یاد ہے چٹھی رسان اس روز سے تلاش کررہا تھا۔ جس روز شیخ محمد علی صاحب سے بات ہوئی تھی۔ خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ رزقِ غیب اور **مَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسۡبُہٗ** کا یہ کیسا ایمان افروز واقعہ ہے☆۔

(۲): مکرم شیخ فتح محمد صاحبؓ نے جو کسی زمانہ میں احمدیہ سٹور کے مینیجر تھے۔ ابتدائی زمانہ کے تعلق میں مجھے بتلایا کہ میں جموں کے علاقہ میں کسی جگہ ملازم تھا کہ مجھے بعض مشکلات کے سِلسلہ میں قادیان جانا پڑا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے اندر بلا لیا۔ جہاں حضور اشتہارات وغیرہ کے خود ہی پیکٹ بناتے تھے۔ اور پتہ وغیرہ بھی ان پر خود ہی لکھتے تھے۔ مَیں نے عرض کیا کہ مَیں یہ کام کرتا ہوں۔ حضور میری عرض سُن لیں۔ فرمایا۔ آپ بھی میرے ساتھ یہ کام کرتے جائیں اور باتیں بھی کرتے جائیں۔ اس زمانہ میں حضور کے پاس کام کرنے والا عملہ نہ تھا۔ اور حضور خود ہی سارے کام کرتے تھے اور انتہائی محنت سے کام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ حضور پر اپنے انعامات کی بارش برسائے۔ آمین ☆☆۔

(۳): ربوہ میں اگست ۱۹۵۵ء میں ایک روز میں مفتی محمد صادق صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے سنایا کہ لاہور کے ایک احمدی دوست صوفی نبی بخش صاحبؓ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب قادیان سے جانے لگے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی ساتھ چل پڑے۔ صوفی صاحب نے مالی تنگی کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ آپ **اَللّٰھُمَّ اسۡتُرۡ عَوۡرَاتِیۡ وَاٰمِنۡ رَوۡعَاتِیۡ** کی دعا مانگتے رہا کریں۔ کہ اے اللہ تعالیٰ! میرے گناہ بخش دے اور میرے خطرات دور ہٹا دے دور کردے ☆☆☆۔

---

☆: حضرت حافظ حامد علی صاحبؓ کے سوانح کے لئے دیکھئے اصحاب احمد جلد دہم۔

☆☆: آپ کے فرزند مکرم شیخ صالح محمد صاحب سابق صدر جماعت ممباسہ ومشرقی افریقہ آج کل برطانیہ میں مقیم ہیں

☆☆☆: حضرت صوفی نبی بخش صاحبؓ مدفون بہشتی مقبرہ تاریخ وفات ۶ دسمبر ۱۹۴۴ء

# سفر وقیام ڈلہوزی میں بعض عجائبات

آپ نے تحریر فرمایا کہ:

۱۹۰۹ء کا ابتدائی عرصہ انبالہ میں گذار کر گرمیوں میں شملہ سے چار پانچ میل پر چتوگ پہاڑ پر جانا پڑا۔تو مجھے شوق ہوا کہ میں اپنی تبدیلی ڈلہوزی کے دفتر اے ڈی ،ایس اینڈ ٹی ۔لاہور ضلع میں کرالوں تا کہ مجھے قابلِ پنشن جگہ مل جائے۔اس کے لئے میں نے کوشش کی اور ایس اینڈ ٹی کے دفتر میں بطور کلرک لگ گیا۔۱۹۱۰ء کے موسم گرما میں مجھے ڈلہوزی اس دفتر کے ساتھ جانا پڑا۔اس سفر میں اور قیام ڈلہوزی میں عجیب واقعات پیش آئے جو میرے ایمان کی تقویت کا موجب ہوئے۔

سفر ڈلہوزی میں میرے ہمراہ میری اہلیہ اوّل،ان کے بھائی اکبر علی صاحب اور میرے بھائی امیر احمد صاحب سفر کر رہے تھے۔(ہم ایک سرکاری پردہ دار بیلوں والے ٹانگہ میں تھے۔ہم سب قریباً لیٹ کر سفر کر رہے تھے) تین چار ٹانگے ہندو کلرکوں کے تھے۔ہم شام کے وقت دُنیرا کے پڑاؤ پر پہنچے۔وہاں کے ہندوسٹور کیپروں نے اپنے ہندو بھائیوں کو خیمے دے دیئے جن میں اُن کے اہل وعیال اُتر پڑے اور مَیں کھڑا رہ گیا۔ہر چند اِدھر اُدھر مکانات اور خیموں کی تلاش کی مگر بے سود۔اکبر علی صاحب نے گھبرا کر مجھے کہا رات سر پر آگئی ہے اب کیا ہوگا؟میں نے کہا خدا داری چہ غم داری۔خدا ضرور کوئی سامان کرے گا۔اتنے میں ایک گھوڑ سوار آیا۔اور اس نے مجھے محبت سے سلام کیا۔اور کہا۔ہیں آپ کہاں؟مَیں نے قصہ سُنایا تو کہنے لگا آپ ذرا ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔تھوڑی دیر میں وہ ایک خیمہ اور گھاس لایا اور چند سپاہی بھی۔جن کے ذریعہ اس نے خیمہ لگوایا اور گھاس اس میں بچھا کر کہا اپنے گھر والوں کو اس میں اتار دیں۔پھر ایک اور خیمہ بطور بیت الخلاء کے لگوا دیا۔پھر کہا کہ میں آپ کے لئے کھانا لاتا ہوں مگر کچھ دیر ہوجائے گی آپ معاف کریں۔چنانچہ ضروری سامان پانی وغیرہ بھجوا کر خود قریباً گیارہ بجے رات کے کھانا زردہ، دال، روٹی وغیرہ لایا۔اور معذرت کرنے لگا کہ چونکہ دیر ہوگئی تھی۔گوشت نہیں مل سکا۔دال ہی مل سکی ہے آپ یہی قبول فرمائیں۔پھر پوچھنے پر کہنے لگا۔آپ مجھے نہیں جانتے میں نے کہا

معاف کریں مجھے آپ سے ایک دفعہ کی ملاقات کا شبہ پڑتا ہے۔وہ بھی کچھ یادنہیں کہاں ہوئی تھی۔تو اس نے کہا آپ نے میری درخواست لکھی تھی جس پر مجھے دفعداری مل گئی تھی۔اس لئے مَیں آپ کا شکر گزار ہوں۔اور کہا اب رات بہت ہوگئی ہے۔مَیں جاتا ہوں۔چندآدمی چھوڑے جاتا ہوں جورات کوآپ کا پہرہ بھی دیں گے تاکہ سامان چوری نہ ہو۔اور بعد روانگی خیمہ وغیرہ بھی سنبھال لیں گے۔مَیں نے سجداتِ شکر ادا کئے۔اور اللہ تعالیٰ کی اس بندہ نوازی نے میرے ایمان میں بڑی ترقی بخشی۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ڈلہوزی میں مَیں ایک ایسے مکان میں اترا جہاں قریب کوئی احمدی نہ تھا۔کوتوال عبدالغفار صاحب کا مکان راستے میں پڑتا تھا۔وہ مجھے آتے جاتے دیکھتے رہتے تھے۔ان کے مکان پر اکثر مہمان اور وہ بھی بڑے بڑے لوگ اترتے تھے۔ایک مہمان شیخ دین محمد صاحب وکیل گوجرانوالہ تھے۔جو بعد تقسیم ملک سندھ کے گورنر مقرر ہوئے تھے۔مَیں کوتوال صاحب کو سلام کرکے گذرتا۔مگر کبھی ان کے پاس نہ بیٹھتا۔ایک روز انہوں نے کہا آپ میرے پاس کیوں نہیں بیٹھتے؟ دیکھومیرے پاس مہمان اترتے رہتے ہیں۔کھاتے پیتے ہیں۔آپ کبھی نہیں آتے۔میں نے کہا کہ جن چیزوں کی آپ کے پاس افراط ہے اور جنہیں آپ کے مہمان پسند کرتے ہیں۔مَیں ان اشیاء کا نہ شائق ہوں نہ طلبگار مجھے تو ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنے کی خواہش ہوتی ہے جو خدا کی باتیں کریں یا سُنیں ۔اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور مجھے کہا کہ مجھے تو آپ جیسے لوگ پسند ہیں۔مَیں انہیں باہر لے گیا۔انہوں نے دل کھول کر باتیں کیں۔اور کہا کہ یہ دنیا دار تو میرے پاس کھانے پینے کے لئے آجاتے ہیں۔حقیقت میں ان کو نہ میرے ساتھ محبت ہے نہ مجھے ان کی خواہش۔مجھے تو باخدا لوگوں کی خواہش ہے۔سوشکر ہے کہ آپ مل گئے ہیں۔مَیں نے کہا ہمارے سِلسلہ میں ایک نوجوان ایسا ہے جس کا تعلق خدا کے ساتھ ہے۔کہنے لگا وہ کون؟مَیں نے کہا ''مرزا محمود احمد صاحب آف قادیان''اس پر اس نے ملنے کی بڑی خواہش ظاہر کی اور دل سے چاہا کہ آپ پہاڑ پر ہی اُن سے ملیں۔اس خواہش صادق کو اللہ تعالیٰ نے پورا کردیا۔اور وہ اس طرح کہ جب ۱۹۱۰ء میں مَیں ڈلہوزی سے ملازمت چھوڑ کر بٹالہ آگیا تو قادیان جانے پر دیکھا کہ ایک یکّہ مسجد مبارک کی سیڑھیوں کے پاس کھڑا ہے

معلوم ہوا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود صاحبؓ (یعنی خلیفہ ثانی جوان دنوں میاں صاحب کہلاتے تھے) ڈلہوزی تشریف لے جارہے ہیں۔تھوڑی دیر میں آپ تشریف لائے۔ میرے پوچھنے پر یہ فرمایا کہ ڈلہوزی جارہا ہوں۔مَیں نے عرض کیا وہاں کا کوتوال عبدالغفار خاں آپ سے ملنے کا بے حد مشتاق ہے۔غرض تھوڑی دیر میں یکّہ روانہ ہوگیا۔اور میں نے اسی وقت ڈاک میں کوتوال صاحب کواطلاع دی کہ وہ نوجوان صالح جن کا مَیں نے ذکر کیا تھا اور جن کا اسم گرامی ''مرزا محمود احمد صاحب آف قادیان'' ہے ڈلہوزی آرہے ہیں آپ اُن کو ملیں۔اس خط کی روانگی کے بعد کے واقعات کا علم مجھے خود حضرت صاحبزادہ صاحب سے ہی ہوا۔میرا لفافہ ملنے پر کوتوال شہر و چھاؤنی نے اپنے آدمی بھیجے کہ مرزا محمود احمد آف قادیان کا پتہ لگاؤ کہ وہ کہاں اُترے ہیں۔ان لوگوں نے سمجھا کہ وہ ایک بڑے پیر کے لڑکے ہیں اس لئے کسی خاص اہتمام اور خاص خدام کے ذریعہ آئے ہوں گے۔آخر کوتوال صاحب ڈلہوزی شہر گئے تو انہیں معلوم ہوا کہ آپ ایک احمدی بھائی کے مکان پر اُترے ہوئے ہیں۔حضرت نے فرمایا کہ جب میں ڈلہوزی شہر پہنچا تو سیدھا ایک مسجد کو گیا۔وہاں میں نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک احمدی بھائی نے مجھے دیکھ لیا۔نماز کے بعد سلام کرکے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔اور مجھے اپنے مکان پر لے گیا۔ایک دوروز کے بعد کوتوال صاحب آئے اور آپ کا لفافہ دکھلا کر کہا کہ میں آپ کی تلاش کررہا ہوں۔اب جو آپ مل گئے ہیں تو میرے مکان پر تشریف لائیں۔غرض وہ مجھے بیلون بازار چھاؤنی میں لائے اور شہر و چھاؤنی کے شرفاء کو دعوت دے کر بلایا اور مجھے کہا کہ آپ ان کو پہلے تبلیغ کریں۔بعد میں کھانا کھلایا جائے گا۔پھر مساجد میں لے جاکر تبلیغی گفتگو کرائی۔

## ڈلہوزی میں مستعفی ہونا

آپ مزید لکھتے ہیں:

چونکہ میری طبیعت میں مذہب کی طرف توجہ ان دنوں زیادہ ہورہی تھی اور میں چاہتا تھا کہ شوق سے نمازیں پڑھوں اور نماز کے لئے دفتر سے جایا کرتا تھا اس لئے مجھے ہندو کلرک اچھی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے۔اتفاق ایسا ہوا کہ میری تبدیلی میجر جائرس کنٹریکٹ آفیسر کے

دفتر میں ہوگئی۔ میں جب کبھی نماز کے لئے ظہر کے وقت جاتا تو سکھ ہیڈ کلرک نہال سنگھ بُرا مناتا۔ چنانچہ ایک روز اس نے میری شکایت کر دی اور افسر مذکور نے مجھے بلا کر کہا کہ کیا تم نماز کے لئے دفتر کے وقت میں چلے جاتے ہو؟ مَیں نے کہا یہ درست ہے وہ کہنے لگا۔ جب تک مَیں اجازت نہ دوں تم نہیں جاسکتے۔ اس وقت نماز ظہر کا وقت تھا۔ اس پر مَیں نے کہا۔ صاحب! میں نماز ضرور پڑھوں گا۔ اور اگر آپ کو میری یہ بات ناگوار ہو تو میں آپ کو کہے دیتا ہوں کہ اب مَیں نماز کے لئے جاتا ہوں اور آپ مجھے اس سے روک نہیں سکتے۔ یہ کہہ کر مَیں اسی کے سامنے دفتر سے نکل گیا اور سارے دفتر نے یہ نظارہ دیکھا۔

اس کے بعد میں چند روز تک دفتر نہ گیا۔ تو ہیڈ کلرک نے مجھے ایک رقعہ لکھا کہ دفتر میں آکر جواب دو تم کیوں غیر حاضر ہو رہے ہو۔ مَیں نے چپڑاسی کو جو چٹھی لایا تھا کہہ دیا کہ کہ ہیڈ کلرک سے کہدو کہ اگر میرے ساتھ خط و کتابت کرنی ہے تو افسر کو کہو وہ مجھے لکھیں۔ پھر میں جواب دوں گا۔ افسر نے دوسرے روز مجھے رقعہ لکھ کر دفتر بلایا۔ اور پوچھا کہ غیر حاضر کیوں ہو اور کیا چاہتے ہو؟ مَیں نے کہا دفتر سے اس لئے غیر حاضر ہوں کہ آپ مجھے نماز پڑھنے سے روکتے ہیں اور آپ جیسے افسر کے سامنے مجھے کسی قسم کی درخواست کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت صاحب نے میرے اس واقعہ کا ذکر اپنی کتاب ملائکۃ اللہ میں صفحہ پچاس پر کیا ہے۔ افسر مذکور پر کچھ ایسا اثر ہوا جیسے کوئی ڈر جاتا ہے۔ زبان سے کچھ نہ بولا۔ اور مجھے جرنیل کے دفتر میں لے گیا۔ اور بغیر میری پیشی کے جو جرنیل کے پاس ہوئی تھی اور جس کے لئے میں تیار تھا میرا استعفاء منظور کرالیا۔ اور میں بٹالہ چلا آیا۔

## قادیان میں ملازمت اور اہلیہ کی شفایابی

مزید تحریر فرماتے ہیں:

اگست ۱۹۱۰ء میں میری بیوی بیمار ہوگئی۔ انہیں بٹالہ پہنچانا پڑا۔ ڈلہوزی واپس آنے پر میرے ساتھ افسر کا مذکورہ بالا واقعہ پیش آیا اور مجھے استعفٰی دینا پڑا۔ مَیں بٹالہ چلا آیا۔ ملازمت چھوڑنے کی وجہ سے میری بیمار بیوی کے دل پر اور بھی بُرا اثر پڑا۔ اور انہیں تپ محرقہ ہوگیا۔ میں انہیں اور ان کی والدہ محترمہ کو لے کر قادیان گیا۔ جہاں مجھے صدر انجمن

کے دفتر محاسب میں بطور کلرک بیس روپے ماہوار پر جگہ مل گئی۔حضرت مرزا محمد اشرف صاحبؓ کے ماتحت کام کرنے لگا۔مولوی محمد علی صاحب سیکرٹری صدر انجمن نے مجھے خطوط لکھ کر ڈلہوزی میں ہی طے کرلیا تھا کہ مجھے ملازمت دے دی جائے گی۔ بلکہ ترقی وغیرہ کا وعدہ بھی کیا تھا۔شیخ نور احمد صاحبؓ سکنہ کھارا نے میری بڑی مدد کی۔ مجھے ایک مکان کرایہ پر لے کر دیا۔اور دیگر ضروری سامان بھی مہیا کیا۔اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں بیش از بیش ترقیات دے۔آمین ☆۔

لیکن بیس روپے کے قلیل مشاہرہ میں گذارہ کرنا محال ہوگیا۔بظاہر تو یہ ابتلاء تھا۔مگر حقیقت میں انعام۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ خدا کے بندے آلام کو برنگ انعام دیکھتے ہیں۔خدا کا شکر ہے کہ میں بھی اس تکلیف کو برنگ انعام ہی دیکھتا ہوں۔غرض میں قادیان میں کام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میری بیوی کی بیماری نے طول پکڑا۔حضرت خلیفہ اوّلؓ نے علاج بھی بہت کیا۔مگر ان کا بخار نہ ٹوٹا۔

معلوم ہوتا تھا کہ میری بیوی مرضِ دق سِلّ کی آخری منزل پر پہنچ چکی ہے۔حضرت مولوی غلام محمد صاحبؓ امرتسری حضرت خلیفہ اوّلؓ سے ہدایات لے کر علاج کیا کرتے تھے۔ایک دفعہ ان کو حضورؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل دعا کے پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔جو سات روز تک پوری توجہ سے پڑھی جاتی ہے:

**"اسئل اللّٰہ العظیم ربّ العرشِ العظیم ان یشفیک"**

جس کی تعمیل کی گئی مگر بخار پھر بھی نہ ٹوٹا۔حکیم مولوی غلام محمد صاحبؓ موصوف نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو حضرت خلیفہ اوّلؓ نے میری اہلیہ کو دیکھنے کا حکم دیا۔انہوں نے سینہ بین لگا کر دیکھا اور کہا دونوں پھیپھڑے خراب ہو چکے ہیں اور لا علاج ہیں۔کچھ دنوں کے بعد ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب قادیان آئے۔ ہر دو ڈاکٹر صاحبان ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے پاس مہمان خانہ میں موجود تھے۔

---

☆: حضرت شیخ نور احمد صاحب ولد شیخ مہتاب خاں مختارِ عام خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ مدفون بہشتی مقبرہ۔تاریخ وفات ۲۹ فروری ۱۹۳۶ء موضع کھارا قادیان کے قریب جانبِ مشرق ایک گاؤں ہے۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ نے حکیم مولوی غلام محمد صاحب کے ذریعہ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کو کہا کہ وہ میری بیوی کو دیکھیں۔اور بتلائیں کہ کیا حالت ہے۔ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے انہیں کہا کہ میں اس مریضہ کو دیکھ چکا ہوں اس میں اب کچھ نہیں رہا۔دیکھنے کی ضرورت نہیں۔تو ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب نے دیکھنے سے انکار کر دیا۔مولوی غلام محمد صاحب فرماتے تھے کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ڈاکٹر صاحب موصوف پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا☆۔پھر فرمایا کہ اب ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب سے کہیں کہ وہ دیکھیں۔چونکہ ابھی تینوں ڈاکٹر اسی جگہ مہمان خانہ میں اکٹھے بیٹھے تھے اور ان کے سامنے ہی ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب نے دیکھنے سے انکار کیا تھا اس لئے یا کسی اور وجہ سے ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب نے بھی دیکھنے سے انکار کر دیا۔اس کی اطلاع پہنچنے پر بھی حضرت خلیفہ اوّلؓ نے ناراضگی کے وہی الفاظ دہرائے جو سیّد محمد حسین شاہ صاحب کے متعلق کہے تھے۔

میرے دل میں حضرت خلیفہ اوّلؓ کے اخلاق حسنہ اور احسانات کی وجہ سے عشق کا رنگ پیدا ہوگیا تھا۔اور مَیں خواہش مند رہتا تھا کہ ہر وقت آپ کے پاس ہی بیٹھا رہوں۔ایک دفعہ رات کے تین بجے میری بیوی کا بخار بہت تیز ہوگیا۔۱۸نومبر۱۹۱۰ء کو گھوڑی سے گرنے کی وجہ سے تکلیف کے باعث ان دنوں حضور مردانہ حصہ میں سوتے تھے اور احباب کو خدمت کرنے کا موقعہ ملتا تھا۔میں حضرت کے حضور حاضر ہوکر چارپائی کے پاس خاموش ہوکر بیٹھ گیا۔اتنے میں حضور کی آنکھ کُھلی تو حضور نے اسلام علیکم کہا اور فرمایا۔کیا بات ہے۔مَیں نے بخار کا حال عرض کیا تو فرمایا پانی میں کپڑا تر کر کے ریڑھ کی ہڈی پر ملو یہاں تک کہ بخار کم ہوجائے اور فرمایا ہم دعا کریں گے۔حضور کی دعا اور ارشاد سے بخار کم ہوگیا۔اور میں نے اسی حالت میں ایک کشف دیکھا جس میں میرے بھائی امیر احمد مرحوم کی موت کی طرف اشارہ تھا۔خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ بیان حضرت خلیفہ اوّلؓ کی سیرت کے ایک درخشندہ پہلو پر روشنی ڈالتا ہے۔حضور شدید بیمار ہیں۔گھوڑے سے گِر کر

---

☆: شیخ فضل احمد صاحب کہتے ہیں کہ شاید ناراضگی اس وجہ سے تھی کہ انہوں نے تعمیل حکم نہ کی اور دیکھنے سے انکار کر دیا۔

زخمی ہوئے ہیں اور مردانہ میں سونے کی تبھی ضرورت پڑی ہے۔تا ساری رات بھی احباب خدمت میں رہ سکیں۔ایسی حالت میں شیخ صاحب تبھی طبّی مشورہ کے لئے حاضر ہوسکتے ہیں اور خدمت میں حاضر خدام بھی تبھی اجازت دے سکتے ہیں۔جب سب کو حق الیقین ہو کہ حضور خدمتِ خلق کے لئے وقف ہیں اور ایسی شدید تکلیف میں بھی ایسے بے وقت مشورہ لینے کو ہرگز ناپسند نہ فرمائیں گے نہ صرف یہی بلکہ اسے باعث ثواب وموجب راحت سمجھیں گے۔نیز یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ محترم شیخ فضل احمد صاحب حضور سے گہرا رابطہ رکھنے میں اور صاحبِ عزت ہونے میں خدام میں معروف تھے۔

آپ مزید بیان کرتے ہیں کہ میری زوجہ اول کی بیماری کے ایام میں مجھے بڑی پریشانی رہی تھی اور یہ بُت میرے دماغ اور دل پر حاوی تھا کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کے علاج سے مریضہ کو شفاء ہو جائے گی۔دیگر وجوہات کے علاوہ دو بڑی بڑی وجوہات یہ تھیں کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ میرے مُرشد ہیں اور باخدا ہیں اور پھر طبیب بھی اعلیٰ درجہ کے ہیں۔مَیں حضور کو بار بار دعا کے لئے عرض کیا کرتا تھا۔ایک روز بوقت عصر حضور نے مسجد مبارک کی سیڑھیوں کے پاس میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی جوان کو پیٹ درد ہوتی ہے تو وہ خیال کرتا ہے کہ ذرا چلنے پھرنے یا ورزش کرنے سے دور ہو جائیگی۔ جب دور نہیں ہوتی تو اپنی بیوی سے ذکر کرتا ہے جو کہتی ہے کہ میں ابھی چائے وغیرہ تیار کرکے دیتی ہوں اس سے آرام ہو جائے گا۔جب اس سے بھی آرام نہیں آتا تو محلّہ کے کسی طبیب سے دوائی پیتا ہے۔پھر بھی آرام نہیں آتا تو شہر کے بڑے طبیب کے پاس جاتا ہے۔اس کے علاج سے بھی آرام نہیں آتا تو اسے خیال آتا ہے کہ علاج سے تو شفاء نہیں ہوئی تو وہ کسی باخدا بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا حال عرض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دنیا کے علاج معالجوں سے تو کچھ نہیں ہوا۔اگر حضور نے دعا کی تو امید ہے شفاء ہو جائے گی۔مگر جب اس باخدا بزرگ کی دعاؤں سے بھی فائدہ نہیں ہوتا تو وہ خدا کے حضور سجدہ میں گر جاتا ہے یہ کہتے ہوئے کہ اے خدا میں نے سارا جہان دیکھ لیا مگر میری مصیبت دور نہیں ہوئی۔اب تیرے دروازہ پر آیا ہوں۔اب تو رحم فرما اور میرے گناہ بخش کر مجھے شفاء دے تو اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے اور اسے شفا دے دیتا

ہے۔ یہ فرما کر حضور مسجد مبارک کی سیڑھیوں پر چڑھنے لگ گئے۔اور میں بھی ساتھ مسجد مبارک میں چلا گیا۔

اغلباً ۱۹۱۳ء میں مَیں راولپنڈی سے مع اہلیہ اول دوماہ کی رخصت لے کر قادیان آیا۔اور محترم قاضی عبدالرحیم صاحب کے مکان پر بطور کرایہ دار مقیم ہوا۔ایک روز گھر آنے پر اہلیہ نے بتلایا کہ مولوی عبدالحی صاحب خلف الصدق حضرت خلیفہ اوّلؓ آئے تھے اور مجھے گھر پر نہ پاکر واپس چلے گئے۔ مجھے فکر پیدا ہوا کہ کوئی خاص بات ہی ہوگی جو وہ میرے مکان پر آئے تھے۔مَیں جلدی جلدی گیا تو وہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کے مکان کے بیرونی دروازہ پر ہی مل گئے۔مَیں نے عرض کیا کہ آپ کو میرے مکان تک تکلیف کرنے کی کیا وجہ ہوئی۔خیر تو تھی انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ ابّا جان کو آپ سے محبت ہے۔اس لئے میں آپ کے دولت خانہ پر آپ کی ملاقات کے لئے گیا تھا۔اور پھر باتوں باتوں میں مجھے کہا کہ آپ کی صحت اچھی نہیں۔میں نے کہا کہ اپنی صحت کی طرف سے کچھ لاپرواہ سا ہوں۔تو اس پر انہوں نے تعجب سے کہا کہ یہ جسم تو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس کی ناقدری کرنی مناسب نہیں۔خدا تعالیٰ نے یہ جسم اپنے کام کے لئے عطا کیا ہے۔ پس وہ چاہتا ہے کہ ہم اسے اچھی حالت میں رکھ کر اس کا کام کریں۔

مجھے اُن کے کلام سے تعجب ہوا کہ چھوٹی سی عمر میں کیسی باتیں کرتے ہیں☆۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے ابا جان نے سورہ فاتحہ کے بہت سے معانی یاد کرائے ہیں یا پڑھائے ہیں۔جن میں سے سینتیس مجھے یاد ہیں۔پھر کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی اہلیہ صاحبہ کو بیماری سے شفاء کس طرح ہوئی۔مَیں نے کہا نہیں تو بتایا کہ جن ایاّم میں آپ ابّا جان کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کیا کرتے تھے۔اُن ہی دنوں ایک روز ابّا جان گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ فضل احمد کو اپنی بیوی سے بڑی محبت ہے اور ہمیں فضل احمد سے محبت ہے۔ان کی بیوی کا ہر چند ہم نے علاج کیا مگر فائدہ نہیں ہوا۔اس لئے ان کے لئے اب اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر حضور ایک مصلّٰی پر جو صحن میں پڑا تھا سجدے

---

☆: ان کی تاریخ ولادت ۱۵ فروری ۱۸۹۹ء ہے۔

میں گر گئے اور بڑی دیر تک دُعا کی جس کے بعد وہ صحت یاب ہو گئیں۔

## دوبارہ سرکاری ملازمت کرنا

آپ نے رقم فرمایا:

۱۹۱۱ء میں ایک روز میری بڑی ہمشیرہ فیض بتول مرحومہ نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کے حضور عرض کیا کہ بھائی سرکاری نوکری چھوڑ کر آ گیا ہے اور اب گذارہ بڑی تنگی سے ہوتا ہے۔قادیان میں تنخواہ کم ہے۔اور کنبہ زیادہ ہے۔آپ ان کو مشورہ دیں دریافت کرنے پر میں نے حالات عرض کئے۔فرمایا کہ کیا کوئی افسر واقف ہے۔اور ایجاب میں جواب دینے پر فرمایا۔اس کو لکھو اور ملازمت کے لئے کوشش کرو۔اور اس کے ساتھ ہی حضرت مولوی غلام محمد صاحب امرتسری اور حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصریؓ شاگردان خاص کی طرف اشارہ کر کے عجیب انداز اور جلال کے ساتھ فرمایا ہم تو ایسے لوگوں کو پسند کرتے ہیں اور ان کی محبت ہم جنت میں ساتھ لے جائیں گے (مفہوم)..........خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ مراد یہ ہوگی کہ اس قسم کے لوگ جو ہر تنگی ترشی میں گذارہ کر سکیں اور فدائیت اور بے نفسی کا ایک خاص مقام رکھتے ہوں☆۔

چنانچہ میں نے اپنے ایک افسر کو نوشہرہ خط لکھا شاید دو روز میں ہی مجھے اس کا تار ملا کہ فوراً نوشہرہ حاضر ہو کر رپورٹ کروں تار دکھلانے پر حضور خوش ہوئے اور اجازت دی میں نوشہرہ پہنچا تو فوراً چکدرہ بجھوایا گیا۔پھر درگئی۔پھر مالاکنڈ اور پھر چکدرہ بھیجا گیا۔

قلعہ چکدرہ میں میں بطور نائب سٹور کیپر کام کرتا تھا۔میری شہرت ہو چکی تھی کہ احمدی ہوں اور احمدیوں کو لوگ مرزائی مرزائی کہتے اور کافر جانتے تھے۔اس لئے وہاں کے نان بائی نے جو پٹھان تھا روٹی نہ دی اور جس آدمی کو میں نے روٹی لینے کے لئے بھیجا تھا کہہ دیا کہ ہم اس کو روٹی نہیں دیں گے جب روٹی لانے والا واپس آیا تو کافی رات ہو چکی

☆: استاذی المحترم حضرت مولوی غلام نبی صاحبؓ مصری مدرس مدرسہ احمدیہ قادیان بعد تقسیم ملک ربوہ میں فوت ہوئے۔قریب کی اصحاب احمد کی ایک جلد میں آپ کے حالات شائع ہوں گے۔بتوفیقہ تعالیٰ

تھی۔چنانچہ چند پیڑے منگوا کر صبح بطور سحری کھا کے روزہ رکھ لیا۔مگر بہت ضعف ہوگیا۔دوسرے تیسرے روز سٹور کیپر کو جو ہندو تھا اس تکلیف کا علم ہؤا تو اس نے سحری اور شام کی روٹی کا انتظام کردیا۔اور پھر وہ نانبائی بھی روٹی دینے لگ گیا۔یوں اللہ تعالیٰ نے احمدیت کا نام بھی پہنچادیا اور مجھے مفت میں ثواب بھی عطا کردیا۔

جب میں چکدرہ جانے لگا تو کسی نے بتایا کہ وہاں کا ملیریا کا موسم بہت خطرناک ہے اور وہاں تو پتھروں کو بھی ملیریا ہوجاتا ہے مجھے بہت فکر ہؤا اور میں نے عاجزی سے دعائیں مانگیں دوسرے روز چکدرہ روانہ ہؤا تو بہت خوف زدہ ہؤا۔اور چکدرہ آنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دعا اَللّٰھُمَّ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعِ (الخ) بہت عاجزی سے پڑھی اور بہت سوز سے دعائیں کیں۔حضرت خلیفہ اوّلؓ فرماتے تھے کہ اگر کسی وباء زدہ شہر میں جانا پڑے تو اس دعا کے پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وباء سے بچا لے گا۔قلعہ چکدرہ کے پاس دریا کا پانی وہاں کی فصل والی زمین میں سے گذرتا ہے جسے سب پیتے ہیں اس لئے ملیریا ہوجاتا ہے۔وہاں میرے ایک ہم جماعت ہندو ڈاکٹر نے بتایا کہ مجھے چکدرہ میں متعین کیا گیا تو مَیں بہت فکر مند ہؤا۔کیونکہ سخت ملیریا کی وجہ سے یہاں کے ایک سو بیس سواروں میں سے نوّے فیصدی بیمار ہوجاتے ہیں۔مگر میری کوشش کے باعث اس دفعہ تیس فیصدی کے قریب ہی بیمار ہوئے۔مَیں نے کہا کہ اس کا باعث یہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا نے میرے جیسے گنہگار کی زبان پر آکر اپنا خاص اثر دکھلایا ہے۔

اس ملازمت میں تین ماہ گذارنے پر میرے ایک مہربان افسر میجر اے، ڈبلیو، ڈی، ہیرنگٹن کمانڈنٹ کیمل کور، راولپنڈی کی چٹھی آئی کہ جلدی ان کے پاس پہنچوں۔شکر گذار ہوں کہ نوشہرہ والے افسر نے راولپنڈی جانے کی اجازت کے ساتھ پیشگی تنخواہ دلوائی۔اور غالبًا نومبر ۱۹۱۱ء میں راولپنڈی پہنچا۔میجر صاحب مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔اور حکم دیا کہ رہائش اُن کی کوٹھی پر ہی رکھوں۔لیکن کسی کو علم نہ ہو کہ مجھے انہوں نے بُلایا ہے۔فیصلہ تقرری سے ایک روز پہلے مجھے راجہ راج ولی خاں صاحب کے ہاں بطور مہمان بھجوادیا۔اور کہا کہ کل آفس آرڈر کروں گا۔غرض حضرت خلیفہ اوّلؓ کی دعاؤں کی برکت سے

افسر مذکور نے مجھے ہی ملازم رکھا۔ جب کہ اس اسامی کے لئے دوسرے لوگ بڑی کوششیں کررہے تھے۔ کیمل کور میں ہم دو ہی کلرک تھے اور پچاس پچاس روپے مشاہرہ پاتے تھے۔ دوسرے سردار ہری سنگھ ساکن پنڈی گھیپ تھے جو اکاؤنٹنٹ کا کام کرتے تھے۔ اور میں باقی کا کام جو ہیڈ کلرک کا ہوتا ہے۔

اس افسر کے زمانہ میں میں نے بہت آرام پایا۔ مگر اس کے ماتحت ایک لفٹیننٹ پرتھی سنگھ جو راجپوتانہ کے کسی ہندو سردار کی اولاد سے تھے۔ تبدیل ہو کر آگئے یہ شخص بڑا متعصب تھا۔ اور مجھے نفرت سے دیکھتا تھا۔ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی سِکھ ہمارے مکان میں سے گذرتا ہے۔ میری بیوی صحن میں بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے بار بار گذرنے سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ مگر پھر وہ ایسا گیا کہ پھر نہ آیا۔ میں نے اس خواب کی تشہیر کی اور بتایا کہ یہ لیفٹیننٹ مذکور کے متعلق ہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد میجر ہرنگٹن کی جگہ میجر وارڈل تبدیل ہو کر آگئے۔ اُن کے پوچھنے پر میں نے بتایا کہ ڈاک وغیرہ لیفٹیننٹ صاحب کھولا کرتے ہیں کہنے لگے۔ کہ آئندہ سے میری ڈاک میری میز پر رکھا کریں۔ اور اس کو نہ دیں میرے اس حکم کی تعمیل کرنے پر لیفٹیننٹ پرتھی سنگھ کو بہت دکھ پہنچا۔ اور وہ ایک سال کی رخصت پر چلا گیا۔ واپس آیا تو کہنے لگا کہ ہم فضل احمد کی خبر لیں گے۔ یہ تو کہتا تھا میں واپس نہیں آؤں گا مگر دیکھ لو میں آگیا ہوں۔ اس کی خواب غلط نکلی ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت ابھی چند ہی روز گذرے تھے کہ فیلڈ پر جانے کا حکم میرے ذریعہ میجر وارڈل صاحب نے اسے بھجوایا۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے اسے دور کر دیا۔ اور اپنی بشارت پوری کر دی۔

## حضرت خلیفہ اوّلؓ کی طرف سے حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کا اکرام

آپ بیان کرتے ہیں کہ میں اُس خطبہ جمعہ میں موجود تھا جس میں حضرت خلیفہ اوّلؓ نے فرمایا کہ سلیمان تونسوی بائیس ۲۲ سال کی عمر میں خلیفہ ہوئے اور اٹھہتر سال انہوں نے خلافت کی۔ (مفہوم) یہ خطبہ آپ نے غالباً غیر توسیع شدہ مسجد اقصےٰ میں دیا تھا۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ حضرت صاحبزادہ صاحبؓ (خلیفہ ثانی) کا بہت احترام فرماتے تھے۔ اور اس بارے میں مکرم شیخ فضل احمد صاحب متعدد چشم دید واقعات تحریر کرتے

ہیں۔مثلاً آپ بیان کرتے ہیں:
(۱): ایک جلسہ مدرسہ احمدیہ کے صحن میں ہؤا تھا حضرت خلیفہ اوّلؓ غالباً ایک چارپائی پر تشریف رکھتے تھے۔اور حضرت میاں صاحب نے کوٹ پہننے کا ارادہ کیا تو مجھے یاد پڑتا ہے کہ مَیں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ آپ کو کوٹ پہننے میں مدد دے رہے ہیں۔یہ نظارہ مجھے یاد ہے۔
(۲): غالباً ۱۹۱۳ء میں حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں خاکسار آپ کے دولت خانے میں حاضر تھا۔اتنے میں حضرت میاں محمود احمد صاحبؓ (خلیفہ ثانی) جو اُن دنوں میاں صاحب کہلاتے تھے۔آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ کی آمد پر حضرت خلیفہ اوّلؓ اپنی جگہ سے ہلے جیسے کوئی معزز مہمان کے لئے جگہ خالی کرتا ہے۔اور خود سرک کر تھوڑا پَرے ہو جاتا ہے۔حضور نے ایسا کیا۔ایسی عزت افزائی آپ کو کِسی اور کی کرتے میں نے نہیں دیکھا۔ چونکہ میں حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں بہت حاضر ہوتا رہا ہوں۔اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ دیگر افراد جو حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے ہیں۔میری اس بات کی تصدیق کریں گے۔
(۳): ۶،۷ مئی ۱۹۱۱ء کو احمدیہ انجمن بٹالہ کا پہلا سالانہ جلسہ تھا☆۔مکرم شیخ محمد عبدالرشید صاحبؓ نے مجھے قادیان میں پیغام بھیجا کہ ہمیں یہ اطلاع تو مِل چکی ہے کہ حضرت میاں صاحب (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ) امرتسر سے بٹالہ آئیں گے۔(آپ امرتسر میں اپنے ماموں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب اسسٹنٹ سرجن سول ہسپتال امرتسر کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے) اور جلسہ میں ایک تقریر کریں گے۔احباب کی خواہش ہے کہ ایک کی بجائے

☆: یہ دونوں دن حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کی زیرِ صدارت جلسہ ہوا جس کے اہتمام میں حضرت شیخ عبدالرشید صاحب اور حضرت ڈاکٹر ماسٹر محمد طفیل صاحبؓ کا خاص حصہ تھا۔دیگر تقاریر حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی، حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ، سردار محمد یوسف صاحبؓ اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ وغیرہ ھم کی ہوئیں حضرت صاحبزادہ صاحب کی تقریر اول ''حقیقی مذہب کونسا ہے۔'' پرتھی اور جس قابلیت اور مؤثر طریق پر آپ نے اس مضمون کو ادا کیا وہ آپ ہی کا حق تھا اور حصہ تھا۔دوسری ......... ضرورت الہام پر تھی یہ مضمون ایسے مؤثر اور پُر جوش طریق سے پیش کیا گیا کہ بعض آنکھیں بے اختیار پُر نم تھیں۔اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا حاضرین ایک سکتہ کے عالم میں ہیں۔۳۲

آپ دو تقریریں کریں۔سو آپ حضرت خلیفہ اوّلؓ سے جو آپ پر بہت مہربان ہیں اس کی منظوری حاصل کرنے کے لئے درخواست کریں۔مَیں نے عرض کیا تو فرمایا کہ اس میں تو باپ والا رنگ ہے۔مَیں اس کی ایک تقریر برداشت نہیں کرسکتا تو بٹالہ والے ایسے کہاں سے آگئے کہ اس کی دو تقریریں سُن لیں گے☆۔(مفہوم)

(۴): ۱۹۱۱ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول کی بنیاد رکھنے کے لئے حضرت خلیفہ اوّلؓ تشریف لائے۔خاکسار بھی ان دنوں قادیان میں اور اس موقعہ پر موجود تھا۔حضرت خلیفہ اوّلؓ نے خود بھی بنیادی اینٹیں رکھیں اور ارشاد فرمایا کہ۔(۱): حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (۲): حضرت مرزا بشیر احمد صاحب (۳): حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت نواب محمد علی خان صاحب (رضی اللہ عنہم) سے بھی رکھوائیں۔اس موقعہ پر غالباً چالیس سے زیادہ افراد موجود تھے۔آپ نے تقریر فرمائی کہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نیک کام کے لئے چالیس مومن دعا کریں اللہ تعالیٰ وہ دعا قبول کرلیتا ہے۔آؤ ہم بھی دُعا کریں کہ یہ عمارت بابرکت ہو اور اس میں نیک بچے تعلیم پائیں وغیرہ وغیرہ۔پھر حضور نے بڑی دیر تک دُعا کی۔☆☆

## سیرۃ حضرت خلیفہ اوّلؓ

آپ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کی مجلس میں مجھے بکثرت بیٹھنے کا موقعہ مِلا پہلے تو حضور مجھے ''آپ'' کے لفظ سے مخاطب فرماتے تھے۔پھر ''اوئے'' کہہ کر جو اردو میں ''ارے'' کے مترادف ہے پکارنے لگے۔جس سے مجھے بڑی خوشی ہوتی۔کیونکہ اس لفظ سے خاص خادم یا بے تکلّف کو پکارتے ہیں۔

☆: معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کی دوسری تقریر کی بھی اجازت حاصل کرلی گئی ہوگی جس کا بابو فضل احمد صاحب کو علم نہیں ہوا ہوگا۔یا یاد نہیں رہا ہوگا۔بدر ۱۱ مئی ۱۹۱۱ء (ص۱) میں اس جلسہ کا اور ۲۷ اپریل (ص۱) میں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کی علالت کے باعث حضرت ام المؤمنین اور حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کے امرتسر جانے کا ذکر ہے۔

☆☆: تفصیل کے لئے دیکھیے البدر ۱۳ اگست ۱۹۱۲ء یہ بنیاد ۲۵ جولائی ۱۹۱۲ء کو رکھی تھی نہ کہ ۱۹۱۱ء میں۔

حضور اس امر سے متاثر تھے کہ شیخ صاحب خطوط کے ذریعہ محبت بڑھاتے ہیں۔ چنانچہ آپ بیان کرتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ میں آپ کی خدمت میں جلدی جلدی عریضہ دعا بھیجا کرتا تھا۔ان دنوں کارڈ کی قیمت ایک پیسہ تھی۔ میں کارڈ لیتا اور بطور مثال یُوں لکھتا:

سیدی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دعا کا محتاج ہوں اور طلب گار بقول۔

آنانکہ خاک را با نظر کیمیا کُنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کُنند

مفہوم اس شعر سے میرے دل میں یہ ہوُا کرتا تھا کہ حضور کو تو خدا تعالیٰ نے وہ توجہ اور کشش بخشی ہے کہ اگر آپ میرے جیسے خاک سے بھی بدتر انسان پر دعا اور توجہ فرمائیں تو میں سونا بن سکتا ہوں۔ پھر کبھی لکھتا۔

جانا بحاجتے کہ تُرا ہست باخدا!
آخر دمے بپرس کہ مارا چہ حاجتست

کہ اے میرے پیارے !اس حاجت اور دعا کو مدنظر رکھ لیں جو حضور کو خدا تعالیٰ کے حضور پیش کرنی ہے۔اور سائل کی تڑپ کا اندازہ کر کے دیکھ لیں کہ آخر ہماری بھی حاجتیں اور خواہشیں ہیں۔ گو ہم گنہگار ہی سہی۔ پر آخر طلب اور تڑپ تو ہمارے اندر بھی ہے۔

غرض اس قسم کے اشعار گاہے گاہے مَیں لکھتا رہتا تھا۔آپ کے دل پر میرے ان عریضوں کا اثر ہوتا تھا۔مگر مجھے علم نہ تھا کہ اثر ہے بھی کہ نہیں۔اور اگر ہے تو کتنا۔

غالباً ۱۹۰۹ء میں لاہور کے احبابِ جماعت نے احمدیہ بلڈنگز کے پاس ایک میدان میں جلسہ کیا۔اس جلسہ میں حضرت خلیفہ ثانی نے (جن کو ان دنوں ہم میاں صاحب کہا کرتے تھے) بھی تقریر کی۔جس کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے تقریر کی اور اس میں کہا کہ ابھی آپ نے ایک بچے کی تقریر سُنی ہے۔اس سے اندازہ کر لیں کہ اس بچے میں وہی حضرت عیسٰے والی صفت ہے (مفہوم) میں حکیم فضل حق صاحبؓ بٹالوی کو ساتھ ساتھ لئے جلسہ دکھا رہا تھا۔انہوں

نے ابھی تک احمدیت قبول نہ کی تھی۔وہ گھبرا کر اور تنگ آکر کہتے تھے کہ چلو چلیں۔بہت کچھ سُن لیا۔مگر مَیں ان کو ایک جانب سے ہٹا کر دوسری جانب لے جاتا۔اور چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ کوئی کلام سُن کر احمدی ہو جائیں۔اللہ تعالیٰ کی نظر دلوں پر ہوتی ہے۔ہم جلسہ کے اردگرد پھر رہے تھے کہ جناب خواجہ کمال الدین صاحب کی تقریر شروع ہوئی۔اب حکیم صاحب نے مجھے کہا کہ ہم کہیں بیٹھ جائیں۔اور تقریر سُنیں۔میں خوش ہو گیا۔اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔خواجہ صاحب کی تقریر کے بعد کسی اور کی تقریر ہوئی یا نہیں مجھے یاد نہیں۔مگر شام ہونے کو آئی تھی۔کہ حکیم فضل حق صاحب نے مجھے کہا ابھی ابھی کہیں سے کارڈ لیں اور میری بیعت کا خط حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں لکھ دیں باتیں کرتے کرتے ہم ڈبی بازار میں پہنچے۔وہاں ہمارے بٹالہ کے ایک مفتی صاحب سب پوسٹ ماسٹر تھے۔اُن سے کارڈ لیا اور بیعت کی درخواست تحریر کر کے سنہری مسجد کے پاس لیٹر بکس میں ڈالی۔اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔کچھ دنوں بعد بٹالہ جانے پر میں حکیم صاحب کو حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں لے گیا۔مسجد اقصےٰ میں حضور تشریف فرما تھے۔حضور نے حکیم صاحب کو میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ خطوط کے ذریعہ محبت بڑھانا ان سے سیکھیں۔اس وقت مجھے سمجھ آیا کہ میرے خطوط کا حضور کے دل پر اتنا اثر تھا کہ حضور نے توجہ دلائی کہ اپنے مُرشد و آقا کو عریضہ دعا بھیجتے رہنا چاہیئے۔

آپ نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کے متعلق بہت مفید باتیں رقم کی ہیں جو حضور کی سیرت کے سِلسلہ میں نہایت بیش قیمت اور انمول ذخیرہ کا اضافہ ہے جو مندرجہ ذیل گوشوں کو نمایاں کرتا ہے: اللہ تعالیٰ سے مستقل تعلق ہونا، ذِکر الٰہی میں مشغولیت قرآن مجید اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق اور اس کا عِلم عطا ہونا، آپ کی جاذبیت الحبّ والبغض واﷲ النّصح للہ تحدیث بالنّعمۃ، غریب و یتیم پروری، تلقین صبر و رضا بالقضاء مشفقانہ امتحان لینا، بائبل کی تعظیم، تکلفّات سے نفرت۔اکرامِ ضیف، انکسار، کام کو عار نہ سمجھنا، پُر اُمید رہنا جانوروں سے حسن سلوک، بطلانِ وحدۃ الوجودیت، خدمت کا دوسروں کو موقعہ دینا، مہاراجہ سے خائف نہ ہونا بلکہ مہاراجہ کا آپ سے مرعوب ہونا، غرباء کے السّابقون بالایمان ہونے کی حکمت، حسابًا یسیرا کی لطیف تفسیر شام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل کبھی بھوکا نہ رہنا، اللہ تعالیٰ سے خائف ہونا، آپ کے خدام میں مثیل سلیمان ہونا۔انہی عنوانات سے ان ذیل

کی باتوں کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے آپ نے بیان فرمایا:

## (۱) ذکر الٰہی

حضرت خلیفہ اوّلؓ نماز عصر سے نماز مغرب تک تنہائی میں درود شریف پڑھا کرتے تھے۔اور فرماتے تھے کہ جمعہ کے روز نماز عصر میں ایک خاص گھڑی دعا کی قبولیت کی آتی ہے۔

## (۲) قبولیّت دُعا

ایک روز آپ نے فرمایا کہ ایک احمدی فوجی انڈین آفیسر ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ حضور دعا فرمائیں کہ مَیں لڑائی میں بھی نہ جاؤں اور مجھے تمغہ بھی مل جائے۔مَیں نے کہا کہ ہمیں تو آپ کے قواعد کا علم نہیں۔معلوم نہیں تمغہ کس طرح مِلا کرتا ہے۔اس نے کہا کہ میڈل اسے مِلتا ہے جو لڑائی میں جائے۔مَیں نے کہا کہ پھر آپ کو بغیر لڑائی میں جانے کے کیونکر مل سکتا ہے۔وہ کہنے لگے کہ حضور دعا فرمائیں۔ہم نے کہا کہ اچھا ہم دعا کریں گے کچھ عرصہ کے بعد وہ آئے اور بتلایا کہ حضور کی دعا سے مجھے تمغہ مل گیا ہے اور دریافت کرنے پر بتلایا کہ مَیں BASE میں تھا۔کہ میرے نام حکم پہنچا کہ لڑائی کے میدان میں پہنچو۔میں ڈرا مگر چل پڑا۔ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا مگر وہ حد پار کر چکا تھا۔جس کے عبور کرنے پر ایک فوجی افسر تمغہ کا حقدار متصور ہوتا ہے کہ پھر حکم ملا کہ واپس چلے آؤ۔صُبح ہوگئی ہے اور لڑائی بند ہے۔اس طرح حضور کی دعا سے مَیں لڑائی پر بھی نہیں گیا اور مجھے تمغہ بھی مل گیا۔

میں اپنی جوانی اور بچپن میں بہت دُبلا پتلا تھا۔جب میں ڈلہوزی سے استعفاء دے کر آیا اور حضرت خلیفہ اوّلؓ سے پھر ملازمت کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے استعفاء کا حال سن کر فرمایا کہ تم نے انبالہ سے کیوں تبدیلی کرائی تھی۔عرض کیا کہ وہ نوکری پنشن والی نہ تھی۔تو فرمایا کہ تم کو کیا عِلم ہے کہ تمہاری زندگی اتنی ہی لمبی ہوگی کہ تم پنشن پاؤ گے۔مجھے یقین ہے کہ حضور نے میری اس خواہش کا خیال رکھتے ہوئے جہاں میری ملازمت وغیرہ کے لئے دعا فرمائی ہوگی۔وہاں میری عمر اور پنشن کے لئے بھی دعا کی ہوگی۔کیونکہ میرے وہم میں بھی نہ آتا تھا کہ میں اتنی عمر پاؤں گا۔یعنی چوراسی سال اور میں قریباً تنتیس سال سے پنشن

پار ہا ہوں۔

## (۳) عشق رسول اللہ صلعم

ایک روز میں آپ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا دیکھا کہ آپ ایک ہلکے گلابی رنگ کے پھول کو کبھی بوسہ دیتے ہیں اور پھر اسے اپنی آنکھ پر رکھتے ہیں اور بار بار ایسا کرتے ہیں کچھ دیر بعد فرمایا کہ مجھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آرہی تھی۔ حضور کے رخسار مبارک بھی ایسے ہی گلابی رنگ کے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پاک لوگوں کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت ہوتی ہے۔

## (۴) بائیبل کی تعظیم

شیخ محمد تیمور صاحب ایم، اے حضرت خلیفہ اوّلؓ کے ہاں رہتے تھے اور آپ ان سے بڑے پیار اور محبّت سے پیش آتے تھے۔ انہوں نے ایک دن کوئی کتاب آپ کے مکان میں ایک طاق میں کتابوں کے اوپر رکھ دی حضرت کی نظر پڑ گئی۔ چونکہ وہ کتاب بائیبل کے اُوپر رکھی گئی تھی۔ فرمایا کہ تورات اگرچہ محرف ومبّدل ہے مگر پھر بھی خدا کی کتاب ہے۔ اس کا ادب کرنا چاہیئے۔ اور اس کے اوپر کوئی معمولی کتاب نہیں رکھنی چاہیئے۔ (مفہوم)

## (۵) تکلّفات سے نفرت

ایک دفعہ مطب سے آپ جانے لگے تو ہم سب اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور آپ کی واپسی پر پھر کھڑے ہو گئے۔ فرمایا کہ میں تمھارے اٹھنے بیٹھنے پر خوش نہیں ہوتا۔ (مفہوم) گویا حضور اسے ایک رسمی عزّت سمجھتے تھے۔ اس لئے ایسی عزّت افزائی کو کچھ خیال میں نہ لاتے تھے۔

## (۶) اکرام ضیف

ایک موقعہ پر آپ کی زیارت کے لئے بہت سے احباب آپ کے مکان پر جمع تھے۔ بابا عبدالحمید صاحب پٹیالوی اور مَیں پیچھے سے آئے۔ بابو صاحب موصوف نے کہا

کہ کھڑے ہوئے احباب کے پیچھے بیٹھ جاؤ۔ہمیں آپ تک پہنچنے میں قریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔جب ہم دونوں آپ کے پاس پہنچے تو بابو صاحب کو دیکھتے ہی آپ نے پوچھا کہ آپ کے مزاج اچھے ہیں۔اتنے میں کوئی دوست سنگترے لایا۔فرمایا کہ اتنے سنگترے بیوی صاحبہ (یعنی حضرت ام المومنینؓ) کو بھیج دیئے جائیں اور کچھ اندر زنانہ میں۔اور ایک سنگترہ مجھے دیا۔جس سے میں نے سمجھا کہ حضور کو میرے حال پر توجّہ ہے۔

## (۷)الحُبّ و البُغض للّٰہ

راولپنڈی سے آمدہ ایک احمدی دوست سے عندالملاقات حضرت خلیفہ اوّلؓ نے کمال مہربانی سے خاکسار کا حال پوچھا تو ان صاحب نے اپنی خاص طرز سے جس میں مذاق کا رنگ زیادہ ہوتا تھا۔عرض کیا کہ فضل احمد تو کوئی راجہ اترا ہوُا ہے۔اس کے مکان پر بڑے کھانے تیار ہوتے رہتے ہیں۔فرمایا کہ اگر ان کے پاس اتنا روپیہ ہے تو وہ ہمیں کیوں نہیں بھیج دیتے تا کہ غرباء پر خرچ کیا جائے۔واپس آکر ان صاحب نے یہ واقعہ سنایا تو مجھے بہت رنج ہوُا۔مَیں نے خیال کیا کہ مَیں حضرت کی دعاؤں سے محروم ہوگیا ہوں اور حضور مجھ پر ناراض ہیں۔میں نے کہا کہ میں کہاں کا راجہ ہوں۔آپ نے یہ کیا کہہ دیا؟اسی انداز میں یہ صاحب کہنے لگے۔کہ قادیان جانے سے پہلے میں آپ کے پاس آیا تو دیکھا کہ بڑے کھانے پک رہے ہیں۔مَیں نے بتایا کور (CORPS) والے میری دعوتیں بار بار کررہے تھے۔اس لئے مَیں نے بھی سب کی دعوت کردی تھی۔کچھ عرصہ بعد مَیں قادیان گیا تو حضور کو اپنے مکان کے صحن میں کھڑا پایا۔السلام علیکم عرض کیا۔تو فرمایا کہ ہم آپ پر خوش ہیں۔مگر قدرے ناراض بھی۔عرض کیا کہ خوشی تو خوشی ہی ہے۔مَیں حضور کی ناراضگی کو بھی اس رنگ میں دیکھتا ہوں کہ آخر حضور مجھے اپنا خادم ہی سمجھتے ہیں۔جبھی تو ناراضگی کا ذکر فرماتے ہیں۔اگر یہ خادم غیر ہوتا تو حضور ناراض نہ ہوتے۔اس پر حضور بڑے خوش ہوئے۔الحمد للہ کہ غالباً ان صاحب کی بات سے پیدا شدہ ناراضگی کی بات آئی گئی ہوگئی۔اور حضور بھی خوش ہوگئے۔

## (۸) احباب سے محبت

ایک روز آپ اپنے مکان کے صحن میں قرآن کریم کا درس دے رہے تھے کہ شیخ عبدالرزاق صاحب برادر زادہ مکرم شیخ رحمت اللہ صاحب مالک بمبئی ہاؤس لاہور بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے ولایت سے آئے حضور اٹھ کر اُن سے گلے مِلے اور بڑی محبت سے خوش طبعی سے فرمایا کہ آپ لندن کا حج کر آئے ہیں آپ سے بھی معانقہ کرلیں (مفہوم)............☆

میرے ایک عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا:

"مَیں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ مجھے کبھی شوق نہیں ہؤا کہ میں کسی کا علاج کروں☆☆۔"

## (۹) دوسروں کو خدمت کا موقعہ دینا

آپ کا کھانا حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ کی طرف سے آیا کرتا تھا۔ایک شام کھانا آیا۔تو اس میں شامی کباب بھی تھے۔حضور نے ایک روٹی پر شامی کباب رکھ کر سید عابد علی صاحب بدوملہوی کو دی۔انہوں نے یہ روٹی اور کباب مجھے دے دیئے مَیں نے اس تبرک میں سے کچھ کھایا۔اور بقیہ سیّد صاحب کو واپس کر دیا۔انہوں نے دیگر احباب میں یہ تبرک تقسیم کر دیا۔

غالباً ۱۹۰۸ء میں خاکسار قادیان آیا۔میرے پاس زیادہ روپیہ نہ تھا۔مَیں نے چند پَیسوں کے کیلے بٹالہ سے خریدے۔مگر یہ کیلے تازہ نہ تھے۔بلکہ سیاہ رنگ کے ہو چکے تھے اور تھے بھی چھوٹے چھوٹے۔وہی لے کر شرمندہ شرمندہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کے حضور پہنچا۔جب یہ کیلے پیش کئے اور دِل ہی دِل میں خوف زدہ ہو رہا تھا کہ حضور شاید ناپسند کریں گے۔مگر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی کہ حضرت نے خوشی سے لے کر کھانے شروع کر دئے۔ایک یا دو حضور نے میرے سامنے کھائے اور باقی اپنے پاس رکھ لئے۔ **الحمد للہ ثم الحمد للہ**

---

☆: محترم شیخ فضل احمد صاحب اس میں لکھتے ہیں کہ اس قسم کی محبت اور بات سے نوجوان عاشق وشیدا ہو جاتے ہیں۔

☆☆: آگے حصّہ خط کا پڑھا نہیں جاتا۔(فضل احمد)

## (۱۰)تعبیر رؤیا

ایک دفعہ مَیں نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں اپنی یا اپنی اور زوجہ اول کی خواب لکھی جس میں یہ ذکر تھا کہ وہ حج کر کے آئی ہیں۔اور اپنی خواب میں بیت الخلاء کا ذکر کیا۔جواب میں آپ نے رقم فرمایا:

''آپ کی بی بی انشاء اللہ تعالیٰ اپنے کسی مطلب میں کامیاب ہوگئی ہے۔یا کامیاب ہوجائے گی۔آپ کے متعلق بھی کامیابی کی امید ہے۔مگر بیت الخلاء سے پتہ لگتا ہے کہ کچھ آپ کا خرچ ہوجاوے۔
۲۸جون ۱۹۱۰ء''

۱۹۱۱ء میں یہ تعبیر ظاہر ہوئی کہ میں کامیاب ہوکر کیمل کور میں بطور کلرک ملازم ہوگیا اور بعد میں ہیڈ کلرک ہوگیا۔

## (۱۱)النّصح للہ

ایک دفعہ درخواست پر تحریر فرمایا:

''مَیں نے آپ کا اخلاص بھرا رقعہ پڑھا۔قرآن میں لکھا ہے۔وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ہر ایک کام کا ایک دروازہ ہوتا ہے۔اور اس ذریعہ سے وہ کام بابرکت ہوتا ہے۔میری سمجھ میں ایسا آتا ہے کہ آپ اس آیت کو نہیں سمجھے۔سمجھ (دینا) ☆ اصل میں اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے۔مَیں نے تینوں کے لئے دعا کی ہے ☆☆۔اللہ تعالیٰ سمجھ دے دے گا۔''

والسلام

نورالدین

راقم فضل الرحمٰن اگست ۱۹۰۸ء

☆: خطوط وحدانی کا لفظ خاکسار مؤلّف کی طرف سے ہے۔

☆☆: تینوں سے مراد زوجہ اول۔میری چھوٹی ہمشیرہ حمیدہ مرحومہ اور خاکسار فضل احمد۔

## (۱۲) مشفقانہ امتحان

ایک روز میری آنکھ میں سُرخی اور درد پیدا ہوگیا۔ مَیں نے حاضر ہوکر حال عرض کیا۔ حضرت حکیم مولوی غلام محمد صاحبؓ امرتسری کو جو طبیب تھے اور حضور کے خادم خاص بھی۔ فرمایا کہ ان کی آنکھ میں وہ دوائی ڈالو جو کل یا پرسوں کسی نے بھیجی تھی۔ مَیں دوسرے روز آیا تو میری آنکھ بہت سوجی ہوئی تھی۔ اور بالکل بند تھی۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ نے مجھے فرمایا کہ اندر کے کمرہ میں میری کتابیں درست کر کے رکھی جارہی ہیں۔ تم بھی وہاں جا کر دوسرے احباب کے ساتھ کام کرو۔ میں نے کام کرنے کے لئے حکیم غلام محمد صاحب کو کہا۔ تو انہوں نے کہا کہ فلاں کتاب فلاں جگہ رکھ دو۔ حضور کے ارشاد کی تعمیل ہو جائے گی۔ ورنہ آپ کی آنکھ کی تکلیف تو کسی کام کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ حضور نے آپ کا امتحان لیا ہے۔ جب سب احباب کام کر کے آگئے۔ اور مَیں بھی حاضر ہوگیا۔ تو میری آنکھ دیکھ کر حکیم صاحب کو فرمایا کہ ان کی آنکھ تو بہت خراب ہے اب فلاں دوائی ان کی آنکھ میں ڈالیں۔

## (۱۳) پُر اُمید ہونا

جس روز حضرت خلیفہ اوّلؓ کو چوٹ لگی تھی۔ میں اسی دن بٹالہ سے قادیان پیدل جا رہا تھا۔ اور بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیان سے پیدل بھاگتے جاتے ہوئے نہر کے پُل کے قریب مجھے ملے۔ قادیان جا کر علم ہوا کہ آپ کو بہت سخت چوٹ آئی ہے۔ جس سے سخت صدمہ ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ قدرے صحت یاب ہو گئے۔ مگر کبھی کبھی تکلیف بڑھ جاتی تھی۔ ایک روز تکلیف زیادہ تھی۔ حضور کا حکم تھا کہ جو دوست اندر آئے السلام علیکم کہے۔ اپنا نام بتلائے اور واپس چلا جائے۔ خاکسار نے بعد سلام مسنون اپنا نام بتلایا تو فرمایا۔ ''فضل۔ فضل۔ فضل۔'' معلوم ہوتا ہے کہ میرے نام سے حضور نے فال لی ہوگی کہ اب فضل ہو جائے گا۔

## (۱۴) قرآن مجید سے عشق

حضرت خلیفہ اوّلؓ کے گھوڑے سے گرنے کے بعد ایک شام آپ حفّاظ سے قرآن

کریم سُن رہے تھے۔حافظ قاضی عبدالرحمٰن صاحب نے سورہ محمدؐ سنائی۔فرمایا کہ عام طور پر حفّاظ یہ سورت نہیں پڑھا کرتے کیونکہ اس میں ترنم کم ہوتا ہے۔(مفہوم)

غالباً اسی شام حافظ محمود اللہ شاہ صاحب اور حافظ عزیز اللہ شاہ صاحبؓ نے قرآن سنایا تو فرمایا کہ مجھے تمہارے ماں باپ پر رشک آتا ہے۔کہ کیسی نیک اولاد اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے☆۔

## (۱۵) بطلانِ وحدت الوجودیت

ایک موقعہ پر باتیں کرتے ہوئے آپ کو علم ہؤا کہ حکیم فضل حق صاحبؓ بٹالوی کے والد شیخ نور احمد خان صاحب میرے ماموں زاد بھائی ہیں☆☆۔تو آپ نے مجھ سے ان کے حالات دریافت فرمائے۔مَیں نے کہا کہ حضور کے وہ عاشق ہیں۔مگر ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے خدا تعالیٰ ہی کراتا ہے۔فرمایا کیا چکلے خدا تعالیٰ نے خود بنوائے ہیں۔مَیں نے عرض کیا کہ حضور اتفاق سے میری زبان سے بھی اسی قسم کے الفاظ نکلے تھے۔

## (۱۶) تلقین صبر و رضا بالقضاء

غالب خیال ہے کہ میں اس درس میں موجود تھا۔جبکہ حضرت خلیفہ اوّلؓ نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے۔

اوّلم خم شکست و سِرکہ بریخت
من نہ گفتم کہ ایں زیانم کرد
بعد ازآں صد خم صافی
عِوضم داد وشادمانم کرد

---

☆: ہر دو فرزندان حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحبؓ۔قدرے تفصیل کے لئے دیکھئے۔تابعین اصحاب احمد جلد سوئم (یعنی سیرت حضرت امّ طاہرؓ)

☆☆: محترم حکیم صاحب تقسیم ملک کے بعد لاہور میں فوت ہوئے۔آپ حضرت حکیم فضل الرحمٰن صاحبؓ مجاہد مغربی افریقہ کے خسر تھے۔منارۃ المسیح پر نمبر ۱۰۰ پر آپ کا نام کندہ ہے۔

کہ پہلے تو اس نے میرا خم توڑ دیا اور میرا سِر کہ جو اس میں تھا گرا دیا۔مگر میں نے کوئی گلہ نہ کیا۔کہ کیوں میرا نقصان کر دیا۔اس کے بعد یک صد خم عمدہ سِر کہ کے مجھے صبر کے بدلہ میں دیئے اور مجھے خوش کر دیا(مفہوم)اس سے حضور نے سمجھایا کہ صبر کرنے والوں کو صبر سے بڑا انعام ملتا ہے۔

## (۱۷)

ایک دفعہ میں حضرت خلیفہ اوّلؓ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے اپنی پریشانی حال کا ذکر کیا۔اس وقت اکبر شاہ خاں صاحب بھی حضور کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔حضور نے ان سے کہا کہ ان کو اس شعر کے معنی و مطلب سمجھائیں۔

سرنوشتِ ما بدستِ خود نوشت
خوش نویس است ونخواہد بد نوشت

اکبر شاہ خاں صاحب نہ سمجھا سکتے تھے۔حضور کے سامنے کچھ بیان کرنا کارے دارد تھا۔اس لئے حضور نے بیان فرمایا کہ جو خوش نویس ہوتا ہے وہ معمولی سی قلم سے بھی کچھ لکھے تو دوسروں کی نسبت اچھا لکھ لیتا ہے۔بُرا لکھ ہی نہیں سکتا۔جو کچھ بھی لکھے گا اچھا ہی ہو گا۔(مفہوم) اور اس طرح سائل کو تسلّی دلائی۔

## (۱۸) کام کو عار نہ سمجھنا

مسجد اقصیٰ کی توسیع خلافت اولیٰ میں ہوئی تو اس موقعہ پر میں بھی قادیان میں تھا۔میں نے دیکھا کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ خود نیچے اترے اور ٹوکری مٹی کی بھری ہوئی اٹھانے لگے۔احمدی احباب نے جلدی ہی وہ جگہ صاف کر دی۔مٹی باہر نکلوائی گئی۔اور تعمیر کا کام شروع ہوا۔[۹]

## (۱۹) یتیم پروری و غریب پروری

ایک روز میاں عبدالوہاب صاحب حضرت کے پاس آئے۔آپ کوئی کتاب مطالعہ

کررہے تھے۔اور پیسے مانگے۔آپ خاموش رہے۔پاس ہی ایک زمیندار بھائی بیٹھے تھے وہ اپنے پاس سے کچھ دینے لگے۔آپ نے انہیں منع فرمایا۔انہوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ اس طرح بچوں کے اخلاق خراب ہوجاتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے والد کے پاس جولوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔وہ ہمیں کچھ نہ کچھ دیں گے۔تھوڑی دیر تک آپ نے اپنے بچے کو کچھ نہ دیا اور وہ خاموش کھڑے رہے۔اس وقت ان کی عمر غالباً تین چار سال ہوگی۔مگر تھوڑی دیر میں ایک یتیم بچہ آیا اوراس نے شاید رضائی بنوانے کے لئے پندرہ بیس روپے کا مطالبہ کیا جوآپ نے فوراً پورا کردیا۔

ایک دن میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔وہاں ایک نوجوان لڑکا جو زمیندار معلوم ہوتا تھا۔اور بہت غریب تھا بیٹھا تھا۔اتنے میں ہمارے بعض احمدی بھائی جن میں ایک ذیلدار اور کچھ معزز زمیندار تھے آئے۔اورتھوڑی دیر بعد اس غریب لڑکے کے متعلق سفارش کے طور پر عرض کیا کہ یہ واقعی غریب ہے۔حضور خاموش رہے۔جب ان افراد نے دوبارہ یہی بات کہی تو آپ نے حضرت حکیم صوفی غلام محمد صاحبؓ امرتسری کو ارشاد فرمایا کہ وہ بتلائیں کہ ہم اس نوجوان کے لئے کیا کررہے ہیں۔صوفی صاحب نے بتایا کہ آپ نے اس کے لئے پہلے فلاں اٹھارہ یا بیس روپے کی دوائی لاہور سے منگوائی جوموافق نہ آئی۔پھر آپ نے فلاں دوائی منگوائی جس پر اتنے روپے خرچ ہوئے۔پھراس کے لئے پرہیزی کھانے کا انتظام کیا ہؤا ہے۔اوراسے علیحدہ مکان دیا ہؤا ہے اوراس پر بہت سا خرچ اب تک کیا ہے۔حضور نے ان زمیندار بھائیوں سے کہا کہ اگر ہمیں الٰہی خوف یا فرمایا الٰہی محبت نہ ہوتی تو کس طرح ہم اتنا خرچ اس پر کرتے۔یہ بیچارہ تو بالکل نادار ہے۔تمام حاضرین حضور کی فیاضی پر متعجب ہوئے۔

## (۲۰) جانوروں سے حسنِ سلوک

جانوروں سے حسنِ سلوک کا آپ کو ہمیشہ خیال رہتا تھا۔آپ کے سامنے کوئی بھینس لے کر آیا۔اس نے گوبر کردی۔لوگوں نے بُرا مانا اور تھوکنے لگے۔حضرت خلیفہ اوّلؓ نے فرمایا کہ تمہارے پاخانہ سے تو زیادہ بدبودار نہیں؂۵۔

## (۲۱) جاذبیت

غالباً ملتان کے رہنے والے حضرت خلیفہ اوّلؓ کے ایک غیر احمدی دوست جو بیمار تھے آپ کے پاس آئے۔آپ نے بڑی محبت اور محنت سے ان کا علاج کیا۔شفایاب ہوکر انہوں نے بعض داڑھی منڈے نوجوانوں پر اعتراض کرتے ہوئے آپ سے کہا کہ ایسے لڑکوں کو تنبیہ کرنی چاہیئے فرمایا آپ بھی عالم ہیں آپ کا بھی حق ہے کہ نصیحت کریں۔انہوں نے مسجد اقصےٰ میں غالباً صوبہ سرحد کے ایک نوجوان کو کچھ تنبیہ کی۔تو وہ نوجوان غصّہ سے بھر گیا۔اور کہنے لگا ہم کو تو صرف حضور کا ڈر ہے۔ورنہ تمہیں اٹھا کر مسجد سے باہر پھینک دیتے۔مولوی صاحب نے آپ کی خدمت میں یہ بات سنائی تو فرمایا کہ یہ جنّ ہمارے ہی قابو میں ہیں۔مراد یہ تھی کہ آپ لوگوں کی نصیحت پر یہ بے قابو ہوجاتے ہیں۔ہمارے کہنے پر عمل کرتے ہیں۔غیروں کے بَس میں نہیں۔(مفہوم)

## (۲۱) غرباء کے السّابقون بالایمان ہونیکی حکمت

ایک روز فرمایا کہ اگر انگلستان کا بادشاہ جو ان دنوں ایڈورڈ ہفتم تھا۔احمدی ہوجائے اور اس کے دل میں جوش پیدا ہو کہ مَیں اپنے مُرشد وآقا کی زیارت کے لئے قادیان جاؤں اور وہ اپنے وزیراعظم کو حکم دے کہ ہم قادیان جائیں گے۔ہمارے لئے جہاز تیار کیا جائے۔تو وزیراعظم بھی فوراً کہے گا کہ مجھے بھی اجازت ہو کہ آپ کے ہمراہ جاؤں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جہازوں کا ایک قافلہ قادیان آنے کے لئے تیار ہوجائے گا۔اور وہ آخر کار جہازوں سے اتر کر سپیشل ٹرینوں میں بٹالہ آئے گا۔تو پہلا حکم یہ ہوگا کہ بادشاہ سلامت قادیان جارہے ہیں۔کوئی شخص بٹالہ قادیان کی سڑک پر نہیں چل سکتا۔پھر فرمایا قادیان پہنچ کر بادشاہ حضرت کے حضور حاضر ہوتا ہے۔بے شمار تحفے تحائف حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔اور کچھ روز رہ کر واپس ولایت چلا جاتا ہے۔وہاں جا کر اسے خیال آتا ہے کہ میں نے حضرت صاحب کو کیا کچھ دیا۔بیشمار تحفے تحائف اور اُنھوں نے مجھے کیا دیا کچھ نہیں۔مَیں جیسا پہلے بادشاہ تھا۔اب بھی ویسا ہی بادشاہ ہوں۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس

کے دل میں وہ عزّت اور عظمت نہ رہے گی۔اور ایک منافقانہ کیفیّت دل کی ہوجائے گی۔دوسری طرف یہ معاملہ ہے کہ ایک غریب شخص حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوکر ایمان لاتا اور بیعت کرتا ہے۔حضور کی دعاؤں کی برکت سے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ پر پہنچتا ہے۔تو وہ حضور کے احسان کو دیکھ کر قربان ہوجاتا ہے اور کہتا ہے۔میں غریب اور نادار تھا۔حضور کی غلامی سے کیا سے کیا بن گیا۔اور وہ اخلاص میں ترقی کرجاتا ہے۔پھر فرمایا کہ یہ حکمتِ الٰہی ہے جو بڑے بڑے لوگ سابقون میں نہیں آتے۔غرباء ہی آتے ہیں۔اگر پہلے بادشاہ آئیں تو وہ منافق بن جائیں گے۔مگر غرباء ایمان لاکر بادشاہ بن جاتے ہیں اور ایمان میں ترقی بھی کرجاتے ہیں۔(مفہوم)

## (۲۲)حساباً یسیراً کی لطیف تفسیر

ایک روز حکیم غلام محمد صاحب امرتسری نے عرض کیا کہ قرآن شریف میں جو حساباً یسیراً آتا ہے اس کی تفسیر کیا ہے۔سمجھائیں کہ وہ کس طرح ہوگا فرمایا۔اچھا۔کچھ دن گذر گئے اور اس اثناء میں جو رقم حضور کے پاس نذرانہ وغیرہ کی آئی۔آپ حکیم صاحب موصوف کو اپنے پاس رکھنے کی ہدایت کرتے اور جو خرچ آپ کی طرف سے ہوتا اُنھی کے ہاتھ سے کرواتے۔ایک دن حضور نے ان سے کہا کہ نذرانے وغیرہ کی جو رقم آپ کے پاس ہے اس کے حساب لکھ کر لائیں کہ کیا کچھ آیا۔کیا خرچ ہوا اور باقی کیا ہے۔چونکہ موصوف کو یہ خیال اور وہم بھی نہ تھا کہ آپ حساب طلب فرمائیں گے۔اس لئے وہ نذرانہ وغیرہ کی رقم لے لیتے اور مطابق حکم خرچ کرتے رہے تھے۔حساب مانگنے پر بہت گھبرائے اور لگے حساب لکھنے۔مگر حساب لکھا ہوُا تو تھا نہیں۔محض یاد کی بناء پر کچھ لکھا۔کچھ یاد نہ آیا۔دیر ہوگئی۔آپ باربار حساب طلب فرماتے۔ایک روز جب فرمایا کہ جلدی حساب لاؤ۔تو وہی جو تھوڑا بہت لکھا تھا ڈرتے ڈرتے لے گئے۔تو حضور نے دیکھ کر پوچھا کہ حساب میں فلاں فلاں آمد اور فلاں فلاں خرچ درج نہیں تو حکیم صاحب کی گھبراہٹ کی کوئی حد نہ رہی۔یہ حال دیکھ کر فرمایا۔مولوی صاحب ہم جانتے ہیں آپ دیانت دار ہیں۔آپ نے خیانت نہیں کی۔جاؤ حساب ٹھیک ہے۔پھر فرمایا آپ حساباً یسیراً کی تفسیر پوچھتے تھے۔اسی طرح قیامت

میں بھی ہوگا۔تب مولوی صاحب کی جان میں جان آئی۔ یہ مفہوم تھا اس واقعہ کا جو خود مولوی غلام محمد صاحب نے مجھے سنایا تھا۔

## (۲۲۳) ببرکت حضرت رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کبھی بُھوکا نہ رہنا

فرمایا کہ ایک دفعہ ہم مہاراجہ کشمیر کے ساتھ سفر میں تھے کہ راستہ میں لوگ منتشر ہوگئے۔اور مہاراجہ اور میں اور مہاراجہ کے ایک دو ملازم باقی رہ گئے۔رات کو ایک ڈاک بنگلہ پر پہنچے تو دل لگی سے راجہ نے کہا کہ آپ کہا کرتے ہیں کہ میں رات کو بھُوکا نہیں رہ سکتا۔اب دیکھئے کیا ہوتا ہے۔مَیں نے کہا کہ یہ درست ہے۔میرے ساتھ بادشاہ ہے میں بھوکا نہیں رہ سکتا۔راجہ نے خیال کیا بادشاہ سے مراد وہ خود ہیں۔اور اپنے ساتھ جو ملازم تھے ان کو حکم دیا کہ مولوی صاحب کے لئے کھانا لاؤ خواہ کہیں سے لاؤ اور ان کو رات ہرگز بھوکا نہ رکھا جائے۔ملازم میرے لئے کہیں سے کھانا لائے اور مجھے جگا کر کھلایا۔صبح ہوئی تو مَیں نے مہاراجہ سے کہا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ کس طرح میرے بادشاہ (مراد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے رات کھانا بھجوایا۔

غالبًا ۱۹۱۲ء میں مَیں حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے درسوں میں شامل ہوتا رہا۔ایک درس غالبًا نماز عشاء کے بعد ہوتا تھا۔جو آپ اپنی چھوٹی سی بیٹھک میں جس کا دروازہ ڈیوڑھی کے اندر کی طرف کھلتا تھا دیا کرتے تھے۔اس درس میں مجھے یاد پڑتا ہے کہ حکیم نظام جان صاحب بھی موجود تھے۔رات آٹھ اور نو بجے کے درمیان کا وقت تھا کہ احمدی شیر فروش مسمّی محمد بخش صاحب آئے۔جن کی دوکان بھائی شیر محمد صاحب کی دوکان کے ساتھ تھی۔اُن کے ہاتھ میں ایک پیالہ تھا۔جو بالائی سے بھرا ہوُا تھا۔وہ کمرہ میں آکر کھڑے ہوگئے۔آپ نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو انہوں نے کہا۔حضور! آج سارا دن میرے دل میں یہی خواہش پیدا ہوتی رہی کہ آپ کے لئے بالائی لاؤں۔سو دودھ کو جوش دیتا رہا۔اور جب ہلکی سی بالائی آجاتی تو اسے اتار کر پیالہ میں ڈال دیتا۔حضور قبول فرمائیں۔آپ نے پیالہ لے لیا اور فرمایا کہ ہم اندر (گھر میں) گئے تھے۔کھانا مانگنے پر کہا گیا کہ کھانا تو ختم ہو چکا ہے۔بچوں نے کھالیا ہے۔مگر چونکہ ہمارا رات کا کھانا حضرت نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ہے۔اس لئے وہ بالائی کی شکل میں آ گیا ہے۔اور یہ بھی فرمایا کہ ہلکی بالائی ثقیل نہیں ہوتی۔اور پھر وہیں درس میں بالائی کھالی۔

## (۲۴) مہاراجہ سے مرعوب نہ ہونا بلکہ مہاراجہ کا مرعوب ہونا

حضرت خلیفہ اوّلؓ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ مہاراجہ صاحب جموں وکشمیر کشتی میں جھیل ڈَل کی سَیر کررہے تھے۔مہاراجہ کو پوجا کرانے والا پنڈت اور چند اور افراد بھی ہمراہ تھے۔عصر کی نماز کا وقت ہونے پر مَیں نماز پڑھنے لگا۔پنڈت نے کہا۔مہاراج! آپ نے دیکھا کہ مولوی صاحب نے آپ سے اجازت لئے بغیر نماز پڑھنی شروع کردی ہے۔مہاراجہ نے بات سُنی لیکن جواب نہ دیا۔تھوڑی دیر بعد پنڈت نے پھر یہی بات دُہرائی۔مگر مہاراجہ نے خاموشی اختیار کئے رکھی جب مَیں نے نماز پڑھ لی تو مہاراجہ نے مجھے مخاطب کرکے کہا کہ مولبی جی!(یعنی مولوی جی!وہ مولبی تحقیر کے لئے نہیں کہتا تھا۔بلکہ اس کی طرزِ تکلّم ایسی ہی تھی) کیا آپ نے سُنا اس پنڈت نے کیا کہا؟مَیں نے کہا کہ میں نے تو نہیں سُنا۔پھر تھوڑی دیر کے بعد مجھ سے پوچھا اور تیسری بار بھی پوچھا۔میں نے ہر بار یہی جواب دیا۔مہاراجہ کو غصّہ پر غصّہ آرہا تھا۔اور اس کا جوش بڑھتا جارہا تھا۔پھر مجھے مخاطب کرکے کہنے لگا۔مولبی جی! آپ لوگ عالم ہیں اور ہم عالموں سے بہت ڈرتے ہیں۔آپ کو علم ہے کہ فردوسی شاعر تھا۔اور سلطان محمود بادشاہ۔اور بیگم کا بیٹا تھا۔مگر فردوسی نے اپنے شاہنامہ میں لکھ دیا۔

اگر مادرِ شاہ بانو بُدے
مرا سیم وزر تا بزانو بُدے
اگر شاہ را شاہ بودے پدر
بسر بر نہادے مرا تاجِ زر

یعنی سلطان محمود لونڈی کا بیٹا تھا۔اور اس کا باپ بھی شاہ نہ تھا۔غلام تھا ہم لوگ جو راجے اور نواب ہوتے ہیں ہمارے پاس بادشاہوں کے شجرہ نسب ہوتے ہیں۔اور ہم کو خوب علم ہے کہ سلطان محمود بادشاہ کا بیٹا تھا اور اس کی ماں شہزادی تھی۔مگر جہاں میں کیا مشہور ہوگیا۔کہ سلطان لونڈی زادہ تھا۔اسی پر قیاس کرکے مَیں کہتا ہوں کہ آپ کب تک ہمارے ملازم رہیں گے۔ایک

دن یہاں سے چلے جائیں گے۔اور باہر جا کر ہماری نسبت جو کچھ کہیں گے لوگ اس پر یقین کرلیں گے۔اوراس طرح ہماری عزّت پر حرف آئے گا اگر آپ نے ہمیں بُرا بنایا۔ پھر پنڈت کی طرف غصّہ سے دیکھ کر ایک خاص قسم کی گالی نِکال کر جس کی عادت تھی کہا کہ یہ نہیں جانتا کہ آپ ہم سے ڈرنے والے نہیں۔اگر آپ ڈرنے والے ہوتے تو پہلے اجازت مانگتے پھر نماز پڑھتے۔مگر آپ نے تو خدا کی نماز پڑھنی تھی اس لئے آپ کو خدا کا ڈر تھا ہمارا نہ تھا۔ پھر فرمایا کہ جھیل ڈل کا کنارہ آ گیا تو مہاراجہ کشتی سے اترا اور پنڈت کی جان چھوٹی (مفہوم)

## (۲۵) عِلم قرآن عطا ہونا

ایک دفعہ حضرت خلیفہ اوّلؓ نے قرآن کریم کا درس دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا روم (یعنی مولانا جلال الدین رومیؒ) کو قرآن کریم کے سات بطن سمجھائے تھے۔مگر میں تحدیث بالنّعمۃ کے طور پر کہتا ہوں کہ میرے مولا نے مجھے بڑا آدمی بلکہ بہت بڑا آدمی بنایا ہے۔اور مجھے قرآن کریم کا بڑا علم عطا کیا ہے۔(مفہوم) مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان سے بڑھ کر مجھے عِلم قرآن عطا کیا ہے۔

## (۲۶) غلاموں میں مثیلِ سلیمان ہونا

ایک موقعہ پر حضرت حکیم محمد عمر صاحبؓ نے بعض سوالات کئے۔ان میں سے ایک یہ تھا کہ قرآن کریم میں حضرت سلیمان کا ذکر کیوں کیا گیا ہے۔کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں حضرت سلیمان جیسے آنے والے تھے؟ اس پر حضرت خلیفہ اوّلؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان ہے۔نورالدّین کے غلاموں میں سے ایسے ایسے سلیمان پیدا ہوں گے جو حضرت سلیمانؑ سے شان میں کئی درجہ بڑھ کر ہوں گے۔(مفہوم)

## (۲۷) اللہ تعالیٰ سے مستقل و مسلسل تعلق ہونا

ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے کسی بات پر فرمایا کہ اولیاء اللہ عام طور پر خلوت کو پسند کرتے ہیں۔تم اپنے مرزا ہی کو دیکھ لو۔کہ وہ کس طرح خلوت پسند

ہیں۔ بخلاف ان تمام اولیاء اللہ کے ایک نورالدین ہے جو جَلوت میں رہتا ہے۔مگر اس کی تار خدا کے ساتھ ہر وقت لگی رہتی ہے۔(مفہوم)☆

# حضرت خلیفہ ثانیؓ سے تعلقات اور خلافت کی سرگرم تائیدات

آپ بیان کرتے ہیں:

(ا): جب حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحبؓ (خلیفہ ثانی۔جوان دنوں میاں صاحب کہلاتے تھے)۱۹۱۲ء میں حج کے لئے قادیان سے روانہ ہوکر بٹالہ اور بٹالہ سے ریل کے تیسرے درجہ میں سوار ہوکر امرتسر پہنچے۔ساتھ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ قادیانی تھے۔جو غالباً بمبئی تک گئے تھے۔اور سیّد عبدالحئی صاحب غالباً مصر تک ساتھ گئے تھے۔تجویز یہ تھی کہ پہلے آپ مِصر جائیں اور وہاں سے پھر حج کے لئے جائیں۔خاکسار بھی ریل میں آپ کے پاس ہی بیٹھ کر امرتسر تک گیا۔اور راستہ میں دعا کے لئے باربار عرض کرتا رہا۔آپ حج میں اور سفر میں میرے لئے دعا فرمائیں۔امرتسر سے گاڑی روانہ ہونے لگی۔تو مجھے بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے کچھ رقم دی اور ایک تار فارم دیا جو حضرت صاحب کے کسی احمدی رشتہ دار کو (جن کے نام سے پہلے مرزا لکھا تھا) دی گئی تھی۔کہ ہماری گاڑی فلاں روز فلاں سٹیشن پر پہنچے گی۔آپ سٹیشن پر ملاقات کیلئے آئیں یہ تار مجھے دے کر ہدایت کی تھی کہ امرتسر سٹیشن سے ہی بھجوادوں۔غرض یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لئے رحمت کے سامان ہوئے تھے کہ مجھے یہ توفیق ملی کی میرا نام بھی حضور نے سفر اور حج کی دعاؤں میں رکھ لیا۔مجھے اُس زمانہ میں بھی حضور سے محبت کا گہرا تعلق تھا۔میرا خیال ہے کہ ان دعاؤں کے نتیجہ میں مجھے وہ مواقع نصیب ہوئے جن سے میری محبت آپ کے ساتھ دن بدن بڑھتی گئی۔اور مجھے دینی ودنیوی انعامات بھی حاصل ہوئے☆☆۔

☆: یہ جو فرمایا کہ تم اپنے مرزا ہی کو دیکھ لو۔یہ ایک خاصّ محبت اور عشق کے رنگ میں حضور کا قول تھا۔محض یہ دکھلانے کے لئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو اولیاء اللہ سے بڑے ہیں۔وہ بھی خلوت پسند ہیں۔مقابلۃً بات نہ کہی تھی۔فضل احمد۔

☆☆: مکرم عبدالعزیز صاحب بھی بمبئی تک ساتھ گئے تھے۔قادیان سے ۲۶ستمبر۱۹۱۲ء کو

(۲): غالباً ۱۹۱۲ء میں مَیں نے آپ سے قرآن مجید پڑھنے کی خواہش کی۔لیکن آپ کی عدیم الفرصتی مانع ہوئی۔اور آپ نے اس کا عذر کیا۔لیکن آپ کی توجہّ سے مجھے قرآن مجید کی محبت مِل گئی۔

(۳): جولائی تا ستمبر۱۹۱۳ء کوہِ مری میں میرا قیام رہا۔انہی ایام میں مولوی محمد علی صاحب ایم،اے۔ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اور صفدر جنگ صاحب بھی وہاں مقیم تھے۔مولوی صاحب تفسیر القرآن انگریزی کا کام کرتے تھے۔اور نماز مغرب کبھی مجھ سیکرٹری جماعت مَری کے مکان پر ورنہ دیگر نمازوں کی طرح اکثر مولوی صاحب کے مکان پر ہوتی تھی۔ایک دفعہ مولوی صاحب نے مجھے آٹھ یا دس روپے دیئے اور کہا کہ یہ چندہ ہے رسید کاٹ دیں اور پوچھنے پر بھی چندہ دہندہ کا نام نہ بتایا۔ بلکہ کہا کہ نامعلوم اسم لکھ کر رسید کاٹ دیں۔چنانچہ اسی ہدایت کے ساتھ مولوی صاحب مجھے چندہ دیتے رہتے تھے۔اور مَیں حیران ہوتا تھا کہ یہ نامعلوم الاسم شخص بڑا ہی مخیرّ ہے جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ایک شب مولوی محمد علی صاحب کوہ مری سے سنی بنک روانہ ہوئے ان کے ساتھ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب تھے۔اور خاکسار بھی۔غالباً ایک اور شخص بھی تھا۔سنی بنک میں شیخ حسن محمد صاحب (مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور سابق امیر جماعت و جج مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے نانا) کی کوٹھی میں سے حافظ فضل احمد صاحب گجراتی باہر آئے اورانہوں نے کم وبیش بارہ صد روپے دیئے جو مولوی صاحب نے لے کر اپنے نام پر سیونگ بینک پوسٹ آفس مری میں جمع کرا دیئے۔کہا گیا تھا کہ یہ روپیہ رشوت کا تھا۔جو اس نامعلوم الاسم صاحب کا ہے جن کی رقم مجھے چندہ میں ملا کرتی تھی۔

کوہ مری پر مجھے مولوی محمد علی صاحب کی خدمت کا کافی موقعہ ملتا تھا۔مولوی صاحب مجھے سلسلہ کا سرگرم کارکن دیکھ کر چاہتے تھے کہ مجھے اپنا ہم خیال بنالیں۔مگر چونکہ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے بھی بڑی محبت تھی اس لئے کبھی کبھی جوش کے ساتھ میری زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے تھے جن سے حضور کی محبت کا پتہ مولوی صاحب کو بھی لگ جاتا۔انہی ایام میں

---

بقیہ حاشیہ: حضرت صاحبزادہ صاحب روانہ ہوئے تھے۔اور حج میں آپکے ساتھ نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ اور عبدالحئی صاحب بھی شامل تھے۔

کانپور کی مسجد کا قضیہ شروع ہوا۔ حضرت خلیفہ ثانیؓ نے مجھے ان دنوں کئی خطوط لکھے جس میں سے ایک یہ ہے:

”مکرم منشی صاحب!

السلام علیکم اس اخبار (الفضل) میں جو لیڈر درج ہے اسے غور سے پڑھیں اور لوگوں کو سنا دیں خواہ کوئی سُنے یا نہ سُنے۔ یہ مضمون اصل میں حضرت خلیفۃ المسیحؑ کا لکھوایا ہوا ہے۔ مگر آپ نے فرمایا اپنی طرف سے لکھو اس میں کچھ حکمت ہے اور فرمایا خوب زور سے لکھو۔ ڈرنا نہیں۔ مخالفت ہوگی مگر حق کی مخالفت ہوا ہی کرتی ہے۔ والسلام خاکسار مرزا محمود احمد۔“ ☆

مولوی محمد علی صاحب ان دنوں بڑے جوش میں تھے اور کسی کی نہیں سُنتے تھے۔ اور پیغام صلح میں کانپور کے متعلق حضرت خلیفہ ثانی کے مضامین کے خلاف لکھا کرتے تھے۔ جیسا کہ اس خط سے ظاہر ہے گویا دراصل حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی ہی مخالفت ہوا کرتی تھی۔ خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ امر خارج از امکان ہے کہ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء کو مسجد کانپور کے تعلق میں حضرت خلیفہ اوّلؓ کے خیالات کا عِلم تک نہ ہوا ہو۔ یہ لوگ ہمیشہ واقف رہتے تھے اور اطلاعات انہیں ملتی رہتی تھیں۔

ستمبر ۱۹۱۳ء کے آخر میں خاکسار واپس راولپنڈی آ گیا۔ ان دنوں انصار اللہ کے ٹریکٹ شائع ہوا کرتے تھے۔ میرا نام بھی ان میں شائع ہوتا تھا۔ حالانکہ میں نے خود اپنا نام نہیں لکھوایا تھا۔ مجھے یہ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ نے بتلایا کہ جب ٹریکٹ انصار اللہ لکھے جانے لگے تو میں نے اور حضرت خلیفہ ثانیؓ نے آپ (فضل احمد) کا نام لے کر پوچھا کہ اُن کی تحریر تو کوئی نہیں آئی۔ نام لکھا جائے یا نہ۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ ان کا نام شائع کرا دیں ان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو خاکسار پر بڑا اعتماد تھا ☆☆۔

---

☆: مجھے دفتری محاسب قادیان میں کام کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ اور قادیان میں محررین کو منشی کہہ کر پکارتے تھے نیز اس مکتوب پر غالباً اگست یا ستمبر ۱۹۱۳ء کی تاریخ درج تھی (فضل احمد)

☆☆: خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ اعتماد صحیح تھا اور شیخ صاحب نے ان ٹریکٹوں کی تائید کی کبھی مخالفت

(۴): ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو انصار اللہ کے ٹریکٹوں سے بڑی نفرت تھی اور وہ پسند نہ کرتے تھے کہ مَیں بھی انصار اللہ میں شامل رہوں۔اس غرض کے لئے انہوں نے بعض باتیں بیان کیں۔تا کہ میرے ایمان کو متزلزل کیا جائے۔مَیں نے ان کے بیان کردہ تمام اعتراضات بطور سوالات حضرت خلیفہ ثانیؓ کی خدمت میں لکھ کر جواب کے لئے عرض کیا۔تو آپ نے جواب میں ایک مفصّل خط لکھا۔اِن ایاّم میں ڈاکٹر بشارت احمد صاحب سے بھی مجھے بڑی محبت تھی اور عام طور پر راولپنڈی میں ہمیں یک جان ودوقالب سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ جب حضرت میاں صاحبؓ کا خط مَیں نے ان کو سنایا تو انہوں نے گھبرا کر کہا بابو صاحب آپ نے ایک عظیم الشان آدمی (یعنی خلیفہ ثانیؓ) کا دِل دکھادیا ہے۔مَیں نے کہا کہ مجھے تو اپنے ایمان سے غرض ہے اور جو اس کو بچائے اور اس میں ترقی کا موجب ہو وہ مجھے پیارا ہے۔اور چونکہ آپ بھی میرے محبوب ہیں اور مرزا محمود احمد صاحبؓ بھی۔مگر آپ دونوں میں اختلاف ہے اس لئے میں دو کشتیوں میں پاؤں نہیں رکھ سکتا۔آج سے آپ کو مرزا محمود احمد صاحب پر قربان کرتا ہوں۔یہ کہتے ہوئے میں بائیسکل پر سوار ہو کر چلا گیا۔اس وقت سے ڈاکٹر صاحب کے دل میں میری نسبت بغض پیدا ہو گیا۔دراصل میرے لئے یہ کانپور والا جھگڑا خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک خاص نعمت بن گیا کیونکہ اگر ڈاکٹر صاحب موصوف سے میرے تعلقات قائم رہتے تو وہ میرے لئے بدترین ساتھی بنتے۔اور مجھے گمراہ کر دیتے۔اور پیغامیوں میں ملا لیتے۔

(۵): مارچ ۱۹۱۴ء میں ہمیں اطلاعات قادیان سے ملنے لگیں کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کی طبیعت علیل ہے اور ایسا اتفاق ہوُا کہ غالباً ۱۳مارچ کو مجھے دفتر میں جب تار یا خط ملا تو وہ تاریخ ہمارے دفتر کے معائنہ ہونے کی تھی۔اور میرے لئے رخصت حاصل کرنا قریباً ناممکن تھا۔ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو تو مولوی علی صاحب کی طرف سے خاص اطلاع ملتی تھی۔وہ مولوی علی احمد صاحب حقانی کو ساتھ لے کر قادیان چلے گئے اور وہاں ان کو مولوی محمد علی صاحب کی کوٹھی پر ہی رکھا۔اور حضرت صاحبزادہ صاحب کے رفقاء سے ملنے ہی نہ دیا گیا۔

---

بقیہ حاشیہ:۔نہیں کی اور اس اعتماد کے باعث آپس کی خط وکتابت بھی تھی۔اس موقعہ پر قلّت وقت کے باعث دریافت نہ کیا جاسکا ہوگا۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ کی وفات ۱۳ مارچ کو ہوئی اور ۱۴ مارچ کو حضرت خلیفہ ثانیؓ تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔ مَیں نے اطلاع پاتے ہی بیعت کا خط لکھ دیا۔ مگر راولپنڈی کے کسی اور کے بیعت کرنے کا مجھے علم نہ ہوسکا۔ ۲۰ مارچ کو ڈاکٹر صاحب ابھی قادیان میں تھے۔ اس لئے جب احباب نے مجھے جمعہ پڑھانے کو کہا تو میرا خیال تھا کہ دوست خوش نہ ہوں گے۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب کا احباب پر اثر بھی تھا اور وہ خوش الحان بھی تھے۔ مَیں نے خطبہ کے شروع میں کہا کہ جن دوستوں نے نماز ڈاکٹر صاحب کے پیچھے پڑھنے کی نیت کی ہوئی ہے وہ سمجھ لیں کہ ان کی نماز اللہ تعالیٰ کی نماز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نماز وہ ہے جو محض اسی کے لئے پڑھی جائے۔ پڑھانے والا خواہ کوئی احمدی ہو۔ بڑا ہو یا چھوٹا۔ خوش الحان ہو یا بھدی آواز والا۔ بڑے علم والا ہو یا کم علم والا وغیرہ وغیرہ۔ اس کا اثر دوستوں کے دِلوں پر ہوُا۔

ڈاکٹر بشارت احمد واپس آ کر اس امر کی تشہیر کرنے لگے کہ قادیان میں سوائے چند قادیانیوں کے اور لوگوں نے بیعت نہیں کی۔ دوست مولوی محمد علی صاحب کے ساتھ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کی وفات کے ساتھ ہی اہل پیغام نے ایک گمنام ٹریکٹ کی عام اشاعت کردی تھی۔ جس سے احباب بیعت کرنے سے رُک گئے تھے۔ اور اس کا زیادہ اثر راولپنڈی میں تھا۔ وہاں ڈاکٹر بشارت احمد صاحب درس دیا کرتے تھے۔ ۲۷ مارچ دوسرے جمعہ کو ڈاکٹر صاحب نے نماز پڑھائی۔ خطبہ میں حضرت مولوی محمد احسن صاحب پر پھبتیاں اڑائیں اور کہا کہ ان کو تو قرآن کریم کی ہر ایک آیت سے خلافتِ محمود ہی نکلتی نظر آتی ہے۔ نماز کے بعد میں نے احباب کو کہا کہ میری بات سُن کر جائیں۔ مَیں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کا مولوی محمد احسن صاحب پر ہنسی اڑانا بہت ناپسندیدہ امر ہے۔ آپ دوست ڈاکٹر صاحب سے پوچھیں کہ ایسے شخص کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں جو رشوت کا روپیہ لے کر اپنے پاس جمع کر رکھتا ہے۔ یہ شخص مولوی محمد علی صاحب ہیں۔ اور اس واقعہ کے میرے ساتھ خود ڈاکٹر بشارت احمد صاحب بھی گواہ ہیں۔ اس پر لوگوں میں ایک شور پڑ گیا۔ مگر اسی وقت گجرات کے ایک غریب دوست نے جو راولپنڈی میں پھیری کا کام کرتے تھے۔ مجھے بتایا کہ انہوں نے بھی بیعت کر لی ہے۔ اور سید محمد اشرف صاحب نے بھی اسی دن مجھے بتلایا کہ وہ بھی بیعت کا خط لکھ چکے ہیں۔ مگر وہ اس کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔

میں نے بازار میں بعض احمدی احباب سے کہا کہ اب ہم تین احمدی مبائع ہو گئے ہیں ہماری جماعت بن جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ بحثیں بڑے زور سے گرم ہونے لگیں۔ میں نے ان میں اتنا حصہ لیا کہ قریباً روزانہ حضرت خلیفہ ثانیؓ کی خدمت میں رپورٹ بھجواتا۔ اور میں نے سُنا کہ حضور میرا ذکر قادیان میں کیا کرتے تھے۔ یہ ایام میرے لئے ایام جہاد تھے۔ میں ہر وقت اس کوشش میں رہتا تھا کہ کسی پیغامی کو اپنے اندر جذب کیا جائے۔ مولوی علی احمد صاحبؓ حقانی جو عالم متبحر اور خاکسارانہ طرز کے انسان تھے اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے ساتھ قادیان گئے تھے۔ اور انہی کا اثر لے کر واپس آئے تھے۔ انہوں نے ان ایام میں خواجہ صاحب کی مدح سرائی میں بعض اشعار بھی کہے۔ میں اُن سے ملنے گیا تو اپنی عادت کے مطابق بڑی محبت سے پیش آئے۔ مولوی علی احمد صاحب پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں احمدی رہ چکے تھے۔ مگر ایک خواب کی بناء پر جس میں انہوں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعودؑ مشرق کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں احمدیت سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ پھر حضرت خلیفہ اوّلؓ کی بیعت کی اور سِلسلہ میں دوبارہ داخل ہوئے۔ مگر ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی صحبت کی وجہ سے اب پھر ابتلاء میں پڑ گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور میرے ذریعہ ان کے دل میں احمدیت کو پختہ کرنے کا سامان پیدا کر دیا۔ **فالحمدللّٰہ ثم الحمد للّٰہ**

ملاقات میں معلوم ہؤا کہ حقانی صاحب پیغامی حضرت کو راہ راست پر سمجھتے ہیں۔ مَیں نے پوچھا کہ اگر میں آپ کی غلط فہمیوں کی وجہ سے غلط راہ پر پڑ گیا اور میرے ساتھ وہ جو مجھ پر حسن ظن رکھتے ہیں وہ بھی گمراہ ہو گئے تو کیا آپ ان تمام گمراہ لوگوں کے گناہوں کا عذاب اپنی گردن پر اٹھا سکیں گے؟ کیا آپ میں ایسی طاقت اور ہمت ہے۔ ایک نیک انسان کی طرح مولوی صاحب گھبرا گئے۔ اور پھر مَیں نے پوچھا کہ کیا آپ نے اُس شخص سے ملاقات کی جو اپنے آپ کو خلیفۃ المسیح کہتا ہے۔ اور ببانگ دُہل اپنا دعویٰ پیش کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتا ہے کہ میرے منکر خدا تعالیٰ کی گرفت میں آجائیں گے؟ کہنے لگے نہیں انہیں تو مَیں نہیں مل سکا۔ مَیں نے کہا آپ تب تک صبر کریں جب تک میں آپ کی ان سے علیحدگی میں ملاقات نہ کرادوں۔ وہ مان گئے۔ اور وعدہ کیا کہ

قادیان جائیں گے۔مَیں اور سید محمد اشرف صاحب ان کو اپریل ۱۹۱۴ء میں قادیان لے گئے۔مَیں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ مَیں مولوی علی احمد صاحب حقانی کو اس وعدہ پر لایا ہوں کہ حضور سے علیحدگی میں ان کی ملاقات کرائی جائے گی۔حضور نے فرمایا میں آج رات آپ دونوں کو بلاؤں گا۔مسجد مبارک میں رات کے وقت انتظار کریں۔ہم لوگ بڑی رات تک بیٹھے رہے۔مگر ہمیں کسی نے نہ بلایا۔دوسرے دن میں نے عرض کیا کہ ہمیں نہیں بلایا گیا۔فرمایا آج رات بلاؤں گا۔مگر وہ رات بھی گزر گئی اور ہم دونوں انتظار میں بڑی دیر تک مسجد مبارک کی چھت پر بیٹھے رہے۔اب تیسرا دن آیا تو مَیں نے عرض کیا کہ ہماری رخصت کا یہ آخری دن ہے۔کل صبح ہم نے ضرور واپس جانا ہے۔فرمایا آج رات ضرور بلایا جائے گا۔غالباً ۲۰ اپریل تیسری رات تھی۔ہم دونوں پھر مسجد مبارک میں انتظار میں بیٹھے رہے۔رات کے دس بجے ہماری حالت اس شعر کی مصداق تھی۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد!

کہ کسی نے کہا فضل احمد صاحب کون ہیں۔ان کو حضرت نے بلایا ہے۔خوشی خوشی ہم دونوں گئے۔دستک دینے پر حضور نے دروازہ کھولا اور ہم دونوں کو اپنے پاس بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ہمارا دل ابھی خوشی کی لذت محسوس ہی کررہا تھا کہ دروازہ پر پھر دستک ہوئی اور حضرت صاحب خود ہی دروازہ کھولنے گئے۔دیکھا تو مولوی محمد علی صاحب ہیں۔اوران کے ساتھ ماسٹر فقیر اللہ صاحب۔حضرت ان دونوں کو ہمراہ لے کر کمرے میں تشریف لائے۔بیٹھنے پر مولوی محمد علی صاحب نے کہا مَیں چند روز کے لئے لاہور جارہا ہوں۔میری طرف سے مائی صاحبہ (یا کہا بیوی صاحبہ) کی خدمت میں میرا سلام عرض کردیں۔اس کے بعد ہر دوصاحبان رخصت ہوگئے۔حضرت صاحب دروازہ تک گئے۔اور دروازہ بند کرکے آگئے☆۔

اب میں نے مولوی علی احمد صاحب سے کہا کہ لیجئے مولوی صاحب!مَیں نے اپنا وعدہ

☆:حضرت ام المومنینؓ کے لئے بیوی صاحبہ کا لفظ اس وقت عام طور پر بولا جاتا تھا۔مثلاً ’’جنابہ بیوی صاحبہ‘‘ آپ کے متعلق اخبار بدر ۲۷ اپریل ۱۹۱۱ء زیر اخبار احمدیہ مرقوم ہے۔

پورا کر دیا۔اور حضرت صاحب سے عرض کیا کہ مولوی علی احمد صاحب حضرت خلیفہ اوّلؓ کی وفات پر قادیان آئے تھے۔اور مولوی محمد علی صاحب کے مکان پر ٹھہرے تھے۔اب حضور کے سامنے بیٹھے ہیں۔سوال کر کے اپنی تسلی کر لیں۔مولوی صاحب نے کہا کہ میں تین روز تقریریں سنتا رہا ہوں۔میرا دل صاف ہو گیا ہے۔اور کوئی بات پوچھنے والی باقی نہیں رہی۔

مَیں نے خوش ہو کر حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! یہ بات الگ رہی۔مَیں چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب حضور سے کچھ سوالات کر کے جواب لیں۔پھر مولوی صاحب نے انکار کیا اور کہا کہ میرے دل میں کوئی شبہ نہیں رہا۔مجھے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔میں نے زور دیا نیز حضور سے عرض کیا کہ مولوی صاحب کو کہیں کہ ضرور سوال کریں تو حضرت صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی الہامات کی کاپی جواز الۂ اوہام طبع اوّل کے سائیز کی تھی اور قریباً اتنی ہی موٹی تھی کھول کر اس کا ایک صفحہ ہمیں دکھلایا اور پڑھا جس میں تحریر تھا کہ آج محمود نے مجھے اپنی خواب سنائی۔اور فرمایا کہ دیکھو یہ تحریر حضرت صاحب کی ہے میں اس وقت بچہ تھا۔میری تحریر نہیں۔اور خواب کی تعبیر یہی ہے کہ میں خلیفہ بنوں گا اور ہمیں یہ دکھلا کر اس کے دوسرے صفحہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الہامات حضور کی اپنی قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔جن سے ہر قسم کا شبہ رفع ہو جاتا ہے۔فرمایا کیا یہ کام بھی میں خود ہی کر سکتا تھا کہ خود ہی خواب بنا لوں اور اسکی تعبیر بھی یہ ہو کہ میں خلیفہ بنوں گا۔

بعد ازاں پھر میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ کوئی سوال تو کریں۔آخر تنگ آ کر مولوی صاحب نے کوئی سوال کیا جس کا حضور نے جواب دیا۔اتنے میں بڑی رات ہو گئی۔مَیں نے کہا کہ حضور میں حضرت خلیفہ اوّلؓ کی وفات پر نہ آ سکا۔اور حضور کی تحریری بیعت کر لی تھی۔اب دستی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔تو حضور نے ہاتھ بڑھایا۔اور مَیں نے حضور کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔اس کے بعد حضور نے دُعا فرمائی۔جب دُعا ہو چکی اور میں تعجب اور حیرت میں ہی گرفتار تھا کہ یہ کیا ہوا کہ مولوی صاحب کہتے تو یہ ہیں کہ میرا دل صاف ہو گیا ہے،مگر بیعت بھی نہیں کرتے۔اتنے میں مولوی صاحب نے عرض کیا کہ میں بھی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔حضور نے ان کی بیعت بھی قبول فرمائی۔اور دعا کی۔اب میری خوشی

کی کوئی انتہا نہ تھی۔میرا دل کہتا تھا۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

مَیں نے حضرت کے حضور کسی وقت عرض کیا کہ مولوی صاحب میں سادگی بہت ہے مجھے ڈر رہتا ہے کہ کبھی پیغامی انہیں دھوکا نہ دے دیں۔ان دنوں نماز جمعہ میں ہی پڑھایا کرتا تھا۔حضور نے فرمایا ان کو امام بنالو۔مجھے اور بھی خوشی ہوئی اور مولوی صاحب موصوف کو نمازوں میں امام بنادیا گیا☆۔

(۶):غالباً۱۹۱۶ء کی بات ہوگی کہ ایک دفعہ حضرت مولوی علی احمد صاحب حقانی راولپنڈی سے قادیان تشریف لے گئے۔حضرت خلیفہ ثانیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر واپس راولپنڈی آگئے۔خاکسار ان دنوں بنوں میں تھا۔انہوں نے مجھے بنوں خط لکھا کہ دورانِ ملاقات حضور نے آپ کا ذکر کیا تھا میں نے مولوی صاحب کی خدمت میں لکھا کہ کیا ذکر آیا تھا۔اس کے جواب میں مولوی صاحب مرحوم نے یہ شعر تحریر فرمایا۔

مانی از تصویر یار دِلستاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش راچساں خواہد کشید

---

☆:ملاقات کیلئے دو دن وقت دینے پر بھی نہ بُلانے کی کوئی وجہ ہوگی۔ممکن ہے عندالملاقات حضور نے اس کا ذکر کیا ہو۔اب حضرت بابو صاحبؓ زندہ نہیں کہ دریافت کیا جاسکے(مؤلف)

الحمدللہ کہ حضرت حقّانی صاحب کا انجام بخیر ہوا۔ان کے ایک فرزند مکرم چوہدری بشیر احمد صاحب حقانی بی اے ایل ایل بی قریب میں غالباً لاہور میں فوت ہوئے ہیں۔وہ کچھ عرصہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہے تھے۔ایک اور فرزند مکرم ماسٹر نذیر احمد صاحب رحمانی مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان وربوہ بھی بہت مخلص بزرگ تھے۔ربوہ میں ۸ نومبر ۱۹۵۹ء کو وفات ہوئی۔اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہوئے۔حضرت حقانی صاحب کے دو پوتے چوہدری محمد اسلم صاحب اور چوہدری محمد اکرم صاحب لاہور میں سرکاری ملازم ہیں اور اسلامیہ پارک میں سکونت پذیر ہیں۔حضرت حقانی صاحب کی ایک نظم قادیان کے متعلق نہایت وجد انگیز ہے جسکا ذکر مسجد دارالفضل قادیان میں بارہا خاکسار مؤلف نے بعض صحابہ سے سنا اور وہ محترم رحمانی صاحب سے اس کے اشعار جو انہیں زبانی یاد تھے سُنتے تھے۔رضی اللّٰہ عنھم اجمعین

یعنی میں حضرت خلیفہ ثانیؓ کے اس اندازِ محبوبانہ کی کس طرح تصویر کھینچوں جو حضور کے بیان کے وقت حضور کے چہرہ اور بشرہ سے ظاہر ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں مدتوں یہ شعر ہی پڑھ کر مزے لیتا رہا۔

(۷): غالباً ۱۹۲۰ء میں حضرت خلیفہ ثانیؓ نے مجھے مخاطب کر کے حضرت مولوی علی احمد صاحب حقانی کا یہ شعر پڑھا۔

صُورتِ عکس پر آئینہ کو الٹا ہے غرور!
منہ تو دکھلائے اِدھر جب رُخ جاناں نہ ہو

اور فرمایا کہ حقانی صاحب کا یہ شعر بہت عمدہ ہے خاکسار فضل احمد بیان کرتا ہے کہ حقانی صاحب نے اس شعر میں خواجہ کمال الدین صاحب کی تقاریر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اپنی تقاریر میں حضرت مسیح موعودؑ کے بیان فرمودہ مضامین کو چھوڑ کر کچھ بیان تو کر کے دیکھیں کہ کلام میں کوئی چاشنی بھی باقی رہ جاتی ہے۔

(۸): حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک مصرع میں فرمایا ہے۔ع

گر چہ بھاگیں جبر سے دیتا ہے قسمت کے ثمار

یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے ساتھ ہوُا۔ راولپنڈی میں ۱۹۱۸ء یا ۱۹۱۹ء میں بعد نماز جمعہ سید حسن شاہ صاحب سے دوران گفتگو لاہور کے پیغامی احباب کے متعلق میری زبان سے کچھ سخت الفاظ نکل گئے اس پر سید حسن شاہ صاحب نے جو ان دنوں میں پیغامی خیالات رکھتے تھے غصّہ منایا مَیں نے جوش سے دس روپے کا نوٹ نکال کر اُن کے سامنے کیا اور کہا کہ یہ لیں اور قادیان جا کر اس شخص کو تو دیکھیں جو خلافت کا دعویدار ہے۔ پھر اگر دل پر اثر نہ ہو تو آپ بری الذمہ انہوں نے کہا میں روپے نہیں لیتا۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ دونوں قادیان چلتے ہیں۔ مَیں نے کہا بہت اچھا چنانچہ ہم دونوں قادیان گئے۔ اور انہوں نے قادیان میں نہ صرف بیعت ہی کی بلکہ قادیان کے ہی ہو گئے۔ اور وہیں رہ پڑے اندیشہ تو یہ تھا کہ میرے سخت الفاظ کی وجہ سے فساد ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مفت کا انعام دے دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا جبریہ انعام تھا۔ الحمد للہ۔

(۹): ایک دفعہ تمام جماعت کے احباب اور بعض پیغامی احباب کو بلا کر کیمل کور

راولپنڈی میں دعوت دی اور ساری رات بحث میں گذار دی مگر پیغامی احباب پر کچھ اثر نہ ہوا۔اللہ تعالیٰ نے مجھے ثواب دے دیا۔

(۱۰): ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب لاہور جو مولوی محمد علی صاحب کے بڑے مضبوط بازو تھے اور جن کے مکان میں مولوی محمد علی صاحب رہتے تھے کوہ مری تبدیل ہو کر آ گئے تھے۔غالباً ۱۹۲۵ء میں ایسا اتفاق ہوُا کہ بابو شاہ عالم صاحب احمدی ہیڈ کلرک نمبر۵۲ کیمل کور جہلم بھی میرے پاس کوہ مری تشریف لے آئے۔انہوں نے چاہا کہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ تبادلہ خیال کیا جائے۔اور مجھے گفتگو کرنے کو کہا۔پہلے تو میں نے بہت عذر کیا اور کہا کہ شاہ صاحب بہت سخت ہیں اور ان کی بے ادبی اور زبان درازی سے حضرت خلیفہ ثانیؓ کا ذکر کرنے سے اشتعال آ جاتا ہے۔بات کرنی مشکل ہو جاتی ہے۔مگر انہوں نے میری ایک نہ سنی۔اور مجھے اُن کی کوٹھی پر لے گئے۔تعارف کرانے پر شاہ صاحب نے کہا کہ وہ مجھے جانتے ہیں۔بارہا میری غائبانہ تعریف مولوی محمد علی صاحب نے اُن کے سامنے کی ہے۔یہ سُن کر میں نے دُعا کی کہ الٰہی یہ مجھے کسی پیچ میں لاکر خراب نہ کریں اور میں تعریفی الفاظ سُن کر خاموش نہ ہو جاؤں۔بلکہ حق پر قائم رہوں۔نماز ظہر کے وقت میں نے شاہ صاحب سے کہا کہ میں آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا۔انہوں نے کہا کہ اگر آپ یہ بات نہ کہتے تو مَیں آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار تھا۔مگر اب چونکہ آپ نے انکار کر دیا ہے اس لئے میں بھی الگ نماز پڑھوں گا۔غرض میں اور بابو شاہ عالم صاحب ہر دو نے اُن سے الگ نماز پڑھی۔اس کے بعد گفتگو شروع ہوئی۔مَیں نے عرض کیا کہ آپ صدر انجمن احمدیہ کے رُکن تھے۔اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر قریباً تمام ارکان انجمن نے ہم لوگوں کو ہدایت کی تھی کہ سب احمدی حضرت خلیفہ اوّلؓ کی اسی طرح فرمانبرداری کریں جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کرتے تھے۔ہم نے آپ کی ہدایت کی تعمیل کی۔اب ہم پر اعتراض ہے کہ تم محمودی ہو کر مشرک ہو گئے ہو۔اب خدا کے سامنے آپ کا گریبان ہو گا اور ہمارا ہاتھ۔یہ کہتے ہوئے کہ الٰہی! یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہم کو خلیفہ کا فرمانبردار بنایا اور اب اگر اس فرمانبرداری کا نام خلیفہ پرستی ہے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو انہیں سزا ملنی چاہیئے نہ کہ ہمیں۔ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے کہا کہ میرا نام ان اشتہارات میں چھاپا گیا

ہے حالانکہ میں نے شمولیت کا اظہار نہیں کیا۔مَیں نے کہا کہ یہ اور بھی ظلم ہے کہ ۱۹۰۸ء سے یہ شائع ہو رہا ہے اور اب کہ ۱۹۲۵ء ہے سترہ سال بعد آپ نے ظاہر کیا ہے کہ یہ غلط اشتہار ہے۔آج تک آپ نے کیوں حق کو چھپایا۔اور لوگوں کو دھوکے میں رکھا؟ وہ اس کا کچھ جواب نہ دے سکے پھر مَیں نے کہا اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ ایک مومن ہی سمجھ لیں تو آپ کو ماننا پڑیگا کہ ایک پچھتر سال کا مومن جو آخر عمر میں بات کہے گا وہ زیادہ پختہ ہوگی۔مگر یہ عجیب بات ہے کہ بقول آپ کے حضور نے انجمن کو اپنا جانشین بنایا اور اس خلیفہ نے جسے آپ نے بھی مطاع مانا اپنی خلافت کے زمانہ میں صاف صاف کہہ دیا کہ جانشین مَیں ہوں نہ کہ انجمن۔ایسا کیوں ہوُا؟ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ حضور مسیح موعود علیہ السلام کی آخری بات زیادہ وزن دار ہوتی اور خلیفہ اس کی تائید کرتا۔شاہ صاحب نے کہا کہ پہلی دفعہ مریض کو دوا کی تین خوراک دیتے ہیں زیادہ نہیں اور لاجواب ہوکر گفتگو ختم ہوگئی۔

(۱۱): غالباً اپریل ۱۹۱۴ء کی بات ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ مسجد مبارک میں تشریف لاتے اور پھر کسی کام کے لئے اندرون خانہ تشریف لے جاتے مگر کسی کو اجازت نہیں تھی کہ راستہ میں یعنی محراب مسجد مبارک سے بیت الفکر تک حضور سے مصافحہ کرے یا کوئی بات چیت کرے۔حضور کے پیچھے پیچھے جو خادم حضور کیساتھ جاتا تھا اسے میں نے ایک چھوٹے سے پرزہ کاغذ پر یہ شعر لکھ کر دیا۔

دیدار می نمائی وپرہیز می کُنی
بازارِ خویش و آتشِ ما تیز می کُنی

تو حضور نے فرمایا کہ آپ اندر یعنی بیت الفکر میں آجائیں۔آپ کو کس نے روکا ہے؟ یہ حضور کی نوازش خسروانہ تھی۔اندر چند احباب بیٹھے ہوئے تھے۔مَیں بھی وہاں جابیٹھا۔حضور کا کھانا آیا تو حضور نے مجھے بھی کھانے میں شمولیت کا شرف بخشا۔**الحمد للّٰہ ثم الحمد للّٰہ**.

(۱۲): ۱۹۱۸ء میں جب خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر انفلوئنزا کے مرض کا سخت حملہ ہوُا یہاں تک کہ آپ نے وصیت بھی لکھ دی تو ان دنوں میں نے ایک خط آپ کی خدمت میں لکھا۔اس میں یہ دعا کی تھی کہ خدایا! میری نابکار زندگی کس کام کی ہے۔میری عمر جو باقی ہے

وہ حضور کو دے دے۔اس دعا کے چند سال بعد قادیان میں ایک نوجوان نے جو اس وقت حضور کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ملاقات ہونے پر بڑی گرم جوشی سے بغلگیر ہو کر مجھے بتلایا کہ آپ ان چھ دوستوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے اپنی زندگی حضور پر قربان کرنے کے لئے دعا کی تھی۔ان چھ احباب میں حضرت سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹی صحابی بھی تھے۔خدا تعالیٰ نے ان کی قربانی قبول کر لی اور وہ وفات پا گئے۔اور آپ پانچ جو باقی رہ گئے ان کو ثواب مل گیا۔میں نے ان کی بات سُن کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔اور اپنی زندگی کے لمبا ہونے پر یہی دلیل سمجھی کہ چونکہ میں نے زندگی پیش کی تھی خدا نے زندگی بڑھا دی۔ اور حضرت خلیفہ ثانیؓ کے ساتھ مماثلت اور مشابہت بھی پیدا کر دی۔**الحمد للّٰہ ثم الحمد للّٰہ۔**

(۱۳):۱۹۱۹ء یا ۱۹۲۰ء میں ایک دفعہ میں حضور کی زیارت کے لئے قادیان گیا۔حضور نے میری اور بابو عبدالحمید صاحب پٹیالوی کی دعوت کی۔اس دعوت میں حضرت خلیفہ ثانیؓ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔بابو صاحب اور خاکسار تھے۔وہ کمرہ جس میں حضور تشریف لائے تھے سنا گیا تھا کہ محترمہ سیدہ ناصرہ بیگم صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ کا تھا۔حضور نے ایک مرغ بریاں ہماری طرف کر کے فرمایا کہ چھری سے کاٹ کر کھائیں۔پھر خود ہی اس کو کاٹنے لگے اور فرمایا کہ سخت ہے نرم نہیں۔باقی اور کھانے بھی تھے۔جو ہم سب نے کھائے۔مگر بابو صاحب اور میں نے مرغ بریاں نہ کھایا۔

(۱۴):ایک دفعہ حضرت خلیفہ ثانیؓ نے مجھے راولپنڈی لکھا کہ ایک اونٹ اور ایک ویلر گھوڑا ٹانگہ کے لئے نیلام سے خرید کر بھجواؤ۔قادیان سے بٹالہ تک کچی سڑک ہے۔معمولی گھوڑا کام نہیں دے سکتا۔یا فرمایا تھا تھک جاتا ہے۔خاکسار نے اونٹ تو بھجوا دیا مگر گھوڑا ویلر نہ مل سکا۔

(۱۵):۱۹۱۷ء میں بنوں میں مجھے چند روز بخار آیا تو میجر ڈیلی نے جو عارضی طور پر کمانڈر ہو کر آئے تھے۔بڑی محبت سے کہا کہ آپ تبدیل آب و ہوا کے لئے کسی پہاڑ پر چلے جائیں۔مجھے خیال آیا ان دنوں حضرت خلیفہ ثانیؓ شملہ میں ہیں۔مَیں آپ کے پاس چلا جاؤں۔افسر موصوف نے مجھے ریل کا پاس وہاں سے بٹالہ اور بٹالہ سے شملہ اور اسی طرح

واپسی کے لئے دیا۔ میں خوشی خوشی شملہ چلا گیا۔ٹوٹی کنڈی کوٹھی حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ نے کرایہ پر لی ہوئی تھی اور اسی کے ایک حصہ میں حضور قیام فرما تھے۔ میں حضور کے پاس جا ٹھہرا۔ان دنوں مکرم معظم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب اور حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ایم،اے بھی وہاں تھے۔ایک ماہ کے قریب میرا وہاں قیام رہا۔واپسی پر میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر اجازت ہوتو واپسی پر بٹالہ کے سٹیشن پر حضور کے قافلہ کے لئے کھانا میں لاؤں گا۔فرمایا کہ کھانا گھر سے سٹیشن پر کس طرح لاؤ گے۔میں نے ناسمجھی اور اخلاص میں کہا کہ میں لے آؤں گا۔آپ نے منظور فرمالیا۔میں دوتین روز پہلے چلا آیا۔اور حضور کے قافلہ کے لئے جن میں حضرت ام المومنینؓ اور حضور کے حرم بھی تھے۔کھانا تیار کروایا۔جب اُسے سٹیشن پر لے جانے لگے تو بڑی دقت پیش آئی۔شوربے کا بڑا پتیلا چھلکنے لگا۔فِرنی گِر گِر پڑتی۔ویسا ہی باقی اشیاء کا حال تھا۔غرض بڑی مشکل سے بڑی دیر میں سٹیشن پر پہنچا تو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے مجھے ملتے ہی کہا کہ حضرت صاحب ناراض ہیں۔آپ نے کھانا لانے میں بہت دیر کردی۔میں نے حضور کے پیش ہوتے ہی کہا۔ع

از خورداں خطا و زِبزرگان عطا

آپ خاموش ہوگئے اور فرمایا۔اچھا ہمارے فلاں مہمان کو جو ریل میں جارہے ہیں کھانا جلدی دو۔گاڑی چھوٹنے والی ہے۔مَیں نے اسے بھی کھانا دیا اور حضور کو اور قافلہ کو بھی کھانا پیش کیا۔جو سب نے کھایا۔مَیں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

(۱۶): میرے ایک داماد نے خلافتِ ثانیہ کے خلاف فتنہ انگیزی کرنے والوں کے ساتھ شرکت کی۔مَیں نے اس کے ساتھ بیزاری کا اظہار کیا۔حضور نے خوشی کا اظہار فرمایا اور میرا یہ جواب الفضل میں شائع کروایا[۶]۔

(۱۷): غالباً ۱۹۲۱ء میں کشمیر سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ واپس تشریف لائے تو حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ نے جو ساتھ تھے۔قافلہ کو ریل گاڑی پر سوار کرانے وغیرہ ضروری امور انجام دینے کا ارشاد فرمایا۔راولپنڈی سٹیشن کے بعض کلرکوں کی شرارت سے تکلیف پہنچی۔مگر قافلہ بخیریت روانہ ہوگیا۔البتہ ریلوے سٹاف نے لاہور تار دی کہ قافلہ کے سامان کی پڑتال کی جائے۔اس لئے لاہور میں اتروا کر تلوایا گیا۔لیکن غفلت سے حضور کا

بستر وہیں رہ گیا۔جس کا علم قادیان پہنچنے پر ہوا۔مکرم عبد اللہ صاحب ٹیلر نے جو بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں۔مجھے بتلایا تھا کہ انہوں نے راولپنڈی کے سٹیشن پر خود یہ بستر اُٹھا کر سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں رکھا تھا۔جہاں حضور معہ اہل وعیال سوار تھے اور یہ بھی بتایا کہ ایک عرصہ بعد نیلامی کے وقت اس بستر میں سے ایک لفافہ دیکھ کر جس میں حضور کا اسم مبارک اور پتہ درج تھا۔آپ کی شان اور حیثیت کو مدنظر رکھ کر بستر حضور کی خدمت میں بھجوا دیا۔

مجھے جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو مَیں گھبرا جاتا ہوں۔کہ کہیں حضور کے دل میں یہ خیال نہ آیا ہو کہ میری غفلت اس کی گمشدگی کا باعث بنی تھی۔اللہ تعالیٰ ہی غفلتوں سے بچائے اور اس بات سے بھی کہ اپنی شامتِ اعمال سے یہ دن نہ آئے کہ غفلت کسی کی ہو اور نام کسی اور کا لگ جائے اور کسی پاک انسان کے دل پر مَیل آجائے اور گنہگار کو اس پاک دل کے پریشان ہونے کی وجہ سے تکلیف پہنچے.........خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ محترم شیخ فضل احمد صاحب کے قلبِ صافی کی جھلک اس بیان سے ظاہر ہوتی ہے۔کیونکہ ایک مومن کی قلبی کیفیت۔الایمان بین الخوف والرجاء والی ہوتی ہے۔

## خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے نونہالوں کا میرے ہاں قیام

آپ نے بیان کیا کہ:

’’خدائے قدوس کی نظر قلوب پر ہوتی ہے۔میرا خیال ہے کہ چونکہ میں نے ۱۹۱۳ء میں خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو دعوت دی تھی کہ کوہ مری میں میرے پاس تشریف لائیں۔اور آپ نے معذوری ظاہر کی تھی، ۱۹۲۵ء میں آپ کی اولاد اور خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے دیگر افراد کو بھجوا کر اللہ تعالیٰ نے میری خواہش پوری کر دی۔چنانچہ غالباً جولائی ۱۹۲۵ء میں ذیل کے افراد پر مشتمل قافلہ میرے مکان پر اترا:

(۱،۲): حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفہ ثالث)۔مکرم مرزا مبارک احمد صاحب ابناء حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ۔

(۳،۴): مکرم مرزا مظفر احمد صاحب ومکرم مرزا حمید احمد صاحب۔ابناء

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔
(۵تا۷): مکرم مرزا منصور احمد صاحب ومکرم مرزا ظفر احمد صاحب ومکرم مرزا داؤد احمد صاحب۔ ابناء حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ۔
(۸): مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل جٹ مدرس مدرسہ احمدیہ (حال امیر جماعت احمدیہ قادیان)
(۹): مکرم ماسٹر نذیر احمد صاحب مرحوم بی،اے۔(مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام)
(۱۰): مکرم ماسٹر گل محمد صاحب (مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام)
(۱۱): مکرم میاں محمد عبداللہ صاحب حجّام بطور باورچی (حال مقیم ربوہ)

ایک اور احسان اللہ تعالیٰ کی جناب سے ہؤا۔ وہ یہ کہ انہی دنوں حضرت چوہدری محمد نصراللہ خان صاحبؓ معہ اہل بیت اور محترمی چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب پنڈی پوائنٹ مری میں واقع ایک کوٹھی میں تشریف لے آئے اور یوں کوہ مری پر ایک نہایت خوش نما نظارہ پیدا ہوگیا۔ صاحبزادگان کی موجودگی سے ہر ایک قسم کی برکت اور رونق ہوگئی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک روز مکرم چوہدری صاحب نے مجھے انگریزی میں کہا۔ کاش میں آپ کی جگہ ہوتا۔ مراد یہ تھی کہ جس طرح یہ صاحبزادگان آج آپ کے مہمان ہیں یہ نعمت مجھے بھی میسّر آتی۔ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا۔ ورنہ میرے جیسا بے حیثیت کب اس لائق تھا۔ بقول غالب ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

خدا کے فضل اور احسان سے ایسا ہؤا۔ **فالحمدللہ علیٰ ذالک۔**

## ببرکت خلفاء کرامؓ قرض سے نجات اور دوسری شادی اور اس کی برکات

آپ بیان کرتے ہیں:

خاکسار کی پہلی شادی اپریل ۱۹۰۷ء میں ہوئی تھی۔ اس کا سارا خرچ مجھ پر ہی تھا۔ اقارب کے اصرار پر مجھے اپنی ساری برادری میں گڑ تقسیم کرنا پڑا جس سے میں زیر بار ہوگیا۔ اس بارے میں دُعا کے لئے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں عرض کرتا

رہا۔اور جواب مجھے ملتے رہے۔ چنانچہ بقلم مفتی فضل الرحمٰن صاحب ایک عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا:

''اگر قرضہ ادا کرنے کی سچی نیت ہو اور اس فکر میں آدمی لگا رہے اور جس قدر ممکن ہو اس کو ادا کرتا رہے۔تو خدا تعالیٰ ضرور سامان مہیا کر دیتا ہے کہ وہ ادا ہو جائے۔ توبہ۔استغفار اور لاحول کی کثرت کیا کریں۔ نمازوں میں عجز اور زاری سے دعائیں مانگا کریں۔''

والسلام

قادیان ۳ مئی ۱۹۰۷ء

ایک خط کا یہ جواب ملا:

''آپ قرضہ کیلئے توبہ، استغفار، لاحول سے کام لیں اور ادا (کرنے☆) کا ارادہ کرلیں جب تک خود دس ۱۰ بارہ ۱۲ روز یہاں آپ نہ رہیں دعا کا منگوانا مشکل ہے۔''

اگست ۱۹۰۷ء

ایک دفعہ اسی قرضہ کے بارے میں اپنی گھبراہٹ کا ذکر ایک خط میں کر کے دُعا کی درخواست کی تو جواباً تحریر فرمایا:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

''آپ استغفار کریں جس کے معنی ہیں۔الٰہی! مَیں نے غفلت کی اس کے بدنتائج سے مجھے محفوظ رکھ اور غفلت سے بچا۔

''اَسْتَغْفِرُ اللّٰه اور لَاحَوْلَ جس کے معنی ہیں۔الٰہی! تیرے فضل وکرم کے سوا کچھ نہیں بن سکتا۔تو بدی سے پھیر اور نیک بنا۔لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه اور الحمد شریف بلحاظ معنی اور درود بایں خیال کہ الٰہی! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے بڑے دُکھ درد اٹھائے اور بڑی محنت سے ہم تک تیرا دین پہنچایا الٰہی! اس کے بدلہ ہماری طرف سے اس پاک انسان

☆: خطوط وحدانی کا لفظ از مؤلف۔

پر خاص خاص اور عام رحمتیں اور سلام اور برکات پہنچادے۔آمین یہ چار باتیں آپ اختیار فرماویں۔‘‘

نورالدین ۱۲اگست ۷ء

اسی طرح ایک بار تحریر فرمایا:

’’آپ استغفار اور لاحول (پڑھا) کریں دعا تو ہر صورت مفید ہے۔مگر مسلمان خود فضول خرچیاں فرماتے ہیں اور دکھ میں مبتلا ہوتے ہیں۔مَیں بھی انشاءاللہ دعا کروں گا۔‘‘

۱۲رمضان شریف۔مطابق ۲۲/۱۰/۷

ان نصائح پر اللہ تعالیٰ نے مجھے عمل کرنے کی توفیق عطا کی۔اور حضرت خلیفہ اوّلؓ کی توجہ اور دعا سے میرا قرضہ اُتر گیا۔اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔آمین۔

ایک دفعہ تحریر فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ آپ کو صحت بخشے۔آپ کی اولاد نہیں۔اور آپ کی بہن کے گھر بچہ علیل ہے۔اس کا فکر آپ پر واجب ہے۔بہت استغفار، صدقہ کے بعد دعا پر زور دو۔اس کا باعث آپ کی مخفی روحانی بات ہے۔فکر کرو۔میری بات پر آپ نے عقلمندانہ توجہ نہیں کی۔یہ تو ہوا اصل علاج۔☆‘‘

۱۹۱۹ء یا ۱۹۱۸ء میں مَیں نے ایک خط کے ذریعہ حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی کو دعا کی تحریک کی تا صاحبِ اولاد ہو جاؤں۔آپ نے جواب میں تحریر کیا کہ میں نے دعا کی معلوم ہوا کہ موجودہ بیوی سے اولاد نہ ہوگی۔البتہ دوسری بیوی سے اولاد ہوگی۔ابھی دوسری شادی نہیں ہوئی تھی۔

۱۹۱۹ء میں مجھے معلوم ہوا کہ ہمارے لئے کوئی متبنّٰی تجویز ہو رہا ہے۔مَیں نے اہلیہ اول سے کہا کہ میں اس خلافِ شریعت امر پر عمل پیرا ہونے کی بجائے لاولد مرنا بہتر سمجھتا ہوں۔لیکن بات مان لو تو میں نکاح ثانی کرلوں۔ممکن ہے اس طرح ہمیں اللہ تعالیٰ اولاد عطا کردے۔لیکن وہ ناراض ہوگئیں۔ان ایام میں مَیں نے جو خطوط حضرت صاحب کی

---

☆: اس کے بعد حضور نے کوئی نسخہ تحریر فرمایا تھا جو مَیں نے پھاڑ دیا کوئی اور مشورہ دیا تھا جواب موجود نہیں۔فضل احمد۔

خدمت میں لکھے تھے ان میں سے ذیل کا ایک جواب مجھے ملا ہے:

’’مکرمی۔السلام علیکم۔آپ کی طرف سے ۱۰۰ روپیہ پہنچ گیا تھا۔جزاکم اللہ احسن الجزاء۔آپ کی اہلیہ کی طرف سے بھی دس روپے پہنچ گئے۔جزاکم اللہ احسن الجزاء چونکہ اس وقت روپیہ کی خاص ضرورت تھی۔اور خدا تعالیٰ سے دعا کرنے پر وہ روپیہ آیا تھا۔اس لئے خاص طور پر دعا کی گئی۔

’’آپ کے نکاحِ ثانی کے متعلق دعا کروں گا۔استخارہ کرلیں تو اطلاع آنے پر اگر ممکن ہوا تو کوئی جگہ بھی بتلاسکوں گا۔‘‘

خاکسار

مرزا محمود احمد ۱۹۲۰/۱۱/۴

اس گرامی نامہ کے آنے پر مَیں نے استخارہ شروع کر دیا اور قریباً ڈیڑھ پونے دو سال تک کرتا رہا۔اور حضور کی خدمت میں گاہے گاہے عریضے بھی روانہ کرتا رہا۔ جولائی ۱۹۲۲ء میں حضور نے سری نگر سے تحریر فرمایا کہ دو خیمے بھجواؤں۔میں نے تعمیل ارشاد کی۔وقت گذرتا گیا۔اور میرا دل نکاحِ ثانی کی طرف زیادہ مائل ہوتا چلا گیا۔آہستہ آہستہ یہ معاملہ اکتوبر ۱۹۲۲ء تک پہنچ گیا۔اور میں انتظار کرتے کرتے تھک کر قادیان آگیا۔ان ایام میں حضور مسجد مبارک کے نیچے گول کمرہ میں دفتری کام سرانجام دیتے تھے۔جناب مولوی عبدالرحیم صاحب دردؓ پرائیویٹ سیکرٹری سے میں نے عرض کیا کہ آپ حضرت کے حضور عرض کریں کہ مجھے باریابی کا موقعہ بخشیں۔انہوں نے کہا حضور سخت مصروف ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم نے راولپنڈی کے پتہ پر خط لکھ دیا ہے۔وہاں جا کر پڑھ لیں۔میں نے عرض کیا آپ مجھے خط کے مضمون سے مطلع فرمائیں۔اور زیادہ نہیں تو چند منٹ حاضر ہونے کی اجازت بخشیں۔چنانچہ ملاقات میں ہنس کر فرمایا کہ مَیں نے آپ کی خواب کی وجہ سے پہلی تجویز کو چھوڑ دیا ہے۔(یہ تجویز ایک خاتون سے متعلق تھی۔جو کسی اور شخص سے شادی ہو کر چھ ماہ کے اندر فوت ہوگئی) نیز فرمایا۔ابھی کوئی اور جگہ میرے علم میں نہیں اور محترم درد صاحب سے فرمایا کہ مولوی سراج الحق صاحب پٹیالوی نے اپنی لڑکی محمدی بیگم کے متعلق لکھا تھا۔کیا اس کا رشتہ کہیں ہوگیا ہے۔پھر فرمایا کیا آپ کو یہ رشتہ منظور ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں محض حضور

کی پسندیدگی پر ہی یہ معاملہ رکھوں گا۔ کیونکہ میں نے پہلی شادی اپنی خواہش سے کی تھی۔مگر اس کا نتیجہ جو کچھ نکلا وہ ظاہر ہے۔حضور نے پھر فرمایا کیا آپ کو یہ رشتہ پسند ہے۔ پھر بھی مَیں نے منظوری کا معاملہ حضرت پر ہی رکھا۔تو حضور نے فرمایا کہ جب میرے پہلے نکاح کا وقت آیا تھا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے بلا کر پوچھا کہ محمود کیا تمہیں فلاں جگہ رشتہ (یعنی حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہؓ کا) پسند ہے۔میں نے خاموشی اختیار کی حضور نے دوبارہ فرمایا تو پھر بھی مَیں نے شرم سے خاموشی اختیار کی۔تیسری بار حضور نے فرمایا محمود تمہارا نکاح ہونا ہے۔بولو تمہیں وہ جگہ پسند ہے۔(یہ مفہوم تھا) میں بھی اُسی طرح آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو یہ رشتہ پسند ہے کیونکہ آپ کا نکاح ہونا ہے۔اس پر مَیں نے عرض کیا پسند تو حضور ہی کی ہوگی۔البتہ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔غرض یہ تجویز ہوکر غالباً ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو بعد نماز عصر مسجد اقصیٰ میں درس قرآن سے پہلے نکاح کا اعلان کیا اور دعا فرمائی۔ان کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے ۲۰ دسمبر ۱۹۲۳ء کو پہلی اولاد عزیزہ صادقہ سلمہا عطا کی۔یہ درحقیقت حضرت امیر المومنینؓ کی دعا کا نتیجہ تھا۔میں نے کہا۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید!

۱۹۲۵ء میں کوہ مری میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے عزیزم محمد احمد سلمہ پہلے بیٹے کی ولادت کی خوشی دکھائی۔حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؓ نیر جب حج پر تشریف لے گئے۔تو جدّہ کے قریب کشف میں انہوں نے دیکھا کہ میری گود میں ایک لڑکا ہے۔اور ایک ہاتھ میں روپوں کی تھیلی ہے۔عزیز کی ولادت سے یہ کشف بحمد اللہ پورا ہوگیا ☆۔

## ۱۹۱۴ء تا ۱۹۳۳ء ملازمت اور سرگرم تبلیغِ احمدیت

آپ رقم فرماتے ہیں:

☆:اعلانِ نکاح کا ذکر الفضل سے نہیں ملا۔لیکن یہ اندراج مہمانوں کی آمد میں موجود ہے کہ ہفتہ ۱۱ تا ۱۷ اکتوبر میں آپ اور آپ کے خسر محترم دونوں قادیان آئے تھے[8]۔غالباً اسی شادی کے موقعہ پر حضرت حافظ روشن علی صاحب مع مبلغین طلبا، پٹیالہ تشریف لے گئے تھے[9]۔

(۱): دسمبر۱۹۱۴ء میں مجھے جنگ پر اپنی کور کے ہمراہ بنوں اور میراں شاہ وغیرہ جانا پڑا۔مَیں نے کمانڈنگ افسر میجر وارڈل کو''اسلامی اصول کی فلاسفی''(انگریزی) دی تو بعد مطالعہ انہوں نے کہا کہ یہ کتاب بہت عمدہ تالیف ہے۔مَیں چاہتا ہوں کہ اس کا اردو ترجمہ کردو تاکہ اپنی یونٹ کے عہدہ داروں میں اس کی نقول تقسیم کردوں۔مجھ سے یہ معلوم کرکے کہ اصل کتاب اردو کی ہے۔اس کی سینتیس ۳۷ جلدیں سرکاری خرچ پر وی،پی منگوائیں۔باوجودیکہ میں نے ان سے کہا کہ اس کی تقسیم سے فتنہ پیدا ہوگا۔اور غیر احمدی شکایت کریں گے کہ یہ احمدی بابوان لوگوں کا مذہب تبدیل کرانا چاہتا ہے۔افسر موصوف نے

بقیہ حاشیہ:

محترم مولوی سراج الحق صاحب ابن محمد عبداللہ صاحب صحابی ابن صحابی تھے۔موصی نمبر ۷۷ ۹۹ وفات ۳۰ نومبر۱۹۵۴ء بعمر ستر سال۔مدفون مقبرہ بہشتی ربوہ منشی سراج الحق صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کے ایک صاحبزادہ کی ولادت کی خوشی میں قادیان کے یتیموں کی پُر تکلف دعوت حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے مکان پر کی (الفضل ۱۹۲۳ صفحہ ۲)۔اہلیہ اوّل سے آپ کا حسن سلوک آخر تک قائم رہا۔موصوفہ بہشتی مقبرہ میں دفن ہیں:

کتبہ کی نقل سطر بہ سطر درج ذیل کی جاتی ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمہ سردار بیگم صاحبہ

زوجہ شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی

حال قادیان

عمر۴۷ سال وفات ۹/۳۹ ۴۹

وصیت نمبر ۱۶۴۱

شجرہ نسب
علی بخش
شیخ فضل احمد
فیض بتول
امیر احمد نوجوانی کی عمر میں فوت ہوئے (کوئی اولاد نہ تھی)
اہلیہ ثانی محمدی بیگم بنت مولوی سراج الحق صاحب پٹیالوی
سردار بیگم اہلیہ اوّل (کوئی اولاد نہ تھی)
سلیم اللہ خاں
سکینہ بیگم
۱
صادقہ بیگم
اہلیہ قریشی
عبدالمنان صاحب
نیلا گنبد۔لاہور
۱۔قانتہ بیگم
۲۔صادق احمد
۳۔راشدہ بیگم
۴۔مبارکہ بیگم
۵۔مبارک احمد
۶۔عزیز احمد
۲
ملک محمد احمد
نائب افسر امانت
تحریک جدید ربوہ
۱۔امتہ النصیر
۲۔سلطان احمد مبشر
۳۔امتہ الرفیق
۴۔امتہ الطیف
۵۔محمود احمد اطہر
۶۔امتہ الباسط بشریٰ
۳
صالحہ اختر اہلیہ
محمد صالح نور صاحب
۱۔صادق نور
۲۔ثریا بیگم
۳۔عارف نور
۴۔خالد نور
۴
بشریٰ بیگم اہلیہ ملک
رشید احمد صاحب لاہور
۱۔منیر احمد
۲۔سلمہ بیگم
۳۔نصیر احمد
۴۔طاہرہ
۵۔ثریا
۶۔بشیر احمد
۷۔فرحت
۸۔نعیمہ
۵
ملک مبارک احمد
اسسٹنٹ ٹیکسٹ
بک بورڈ لاہور
۱۔بشریٰ
۲۔مبشر احمد
۶
ملک لطیف خالد
مینیجر اسلامک بک ڈپو
فری ٹاؤن
سیرالیون
۱۔محمود خالد
۷
ملک رشید ناصر
العین
ابوظہی سٹیٹ
(غیر شادی شدہ)
۸
امینہ خالد
اہلیہ نعیم اللہ خانصاحب
خالد۔لاہور
۹
لئیق احمد طاہر
مبلغ سلسلہ
نائب امام
لنڈن مشن
(غیر شادی شدہ)

کہا ہم کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ میں نے کہا کہ آپ برطانوی افسر ہیں۔آپ کو تو کوئی نہیں پوچھے گا لیکن ساری بلا میرے گلے آپڑے گی۔مگر وہ نہیں مانے۔اور کہا کہ ہم حکم دیتے ہیں۔میجر رسالدار راجہ راج ولی اور خاکسار بنوں پہنچے۔تو وہاں تمام غیر احمدی عہدہ داروں نے شکایت کی کہ بابو فضل احمد کافر ہے۔ہم اس کے ساتھ کام نہیں کرسکتے۔یہ ہمارا مذہب خراب کر رہا ہے۔اس کا تبادلہ کر دیا جائے۔رپورٹ پہنچنے پر راجہ موصوف ہنس کر کہنے لگے۔کہ اگر میں یہ رپورٹ صاحب تک پہنچاؤں تو ڈر ہے۔مبادا بے عزتی ہو۔کیونکہ وہ آپ کے ہاتھ پر ہیں۔اور آپ جو کہیں گے وہ اسے درست سمجھیں گے۔آپ بتلائیں کہ آپ اس شکایت کا کیا جواب دیتے ہیں۔مَیں نے کہا کہ میں کہوں گا کہ صاحب! آپ دیکھیں۔قرآن کریم عیسائیوں کو پکا کافر کہتا ہے۔پس جب آپ بڑے کافر ہوئے اور آپ کے ساتھ ان لوگوں کا گزارہ ہوسکتا ہے۔تو میرے ساتھ کیوں نہیں ہوسکتا۔حالانکہ میں بقول ان کے چھوٹا کافر ہوں۔رسالدار صاحب سمجھ گئے۔اور وہ ان لوگوں کو کہنے ہی لگے تھے کہ شکایت نہ کرنا کہ اتنے میں سامنے سے افسر موصوف آگیا۔اور رسالدار نے فال ان (FALL IN) کرادیا۔اور صاحب نے ہر ایک کو ایک ایک نسخہ دیا۔اور ہر ایک نے شکریہ ادا کیا۔اور سلام کیا اور کتاب لے لی۔اس کے بعد صاحب نے اس کتاب کی تعریف کی اور کہا کہ اسے پڑھا کرو۔میری میم صاحب تو اس کتاب کی عاشق ہے۔

چند روز بعد صاحب موصوف کے تبادلہ پر ہم الوداع کہنے بنوں ریلوے سٹیشن پر گئے تو موصوفہ نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ میں آپ کی اس کتاب کو ساتھ لے جارہی ہوں۔میں اس سے علیحدگی پسند نہیں کرتی۔اور اس کی بہت تعریف کی۔اس افسر کا یہ کہنا تھا کہ میرے دل پر اس کتاب کا ایسا اثر ہوتا ہے جیسے دہکتے ہوئے کوئلوں پر پانی گرنے سے ٹھس ٹھس کی آواز آتی ہے۔ایسا ہی میرے دل کے شعلے اس سے ٹھنڈے ہوتے ہیں۔

(۲): ۱۹۱۵ء مارچ میں تیس تینتیس ہزار افراد اقوام منگل ہمارے بریگیڈ متعین میراں شاہ پر حملہ آور ہوئے۔مگر جنرل فین (FANE) کے ہاتھوں شکست کھا کر بھاگ گئے۔بریگیڈ کے توپخانہ کو جنرل مذکور نے راتوں رات پہاڑی کے عقب میں جانے کا حکم دیا۔لیکن وہ راستہ بھول گیا۔البتہ تباہ ہوتے ہوتے بچ گیا۔میں نے قادیان آنے پر حضرت

صاحب سے حالاتِ جنگ کا ذکر کیا۔فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اگر انگریز احتیاط نہیں کریں گے تو نقصان اٹھائیں گے۔پھر توپخانہ کا حال سُن کر کہ تباہ ہونے لگا تھا۔فرمایا شاید اسی کی طرف اشارہ تھا۔

(۳): پھر ایک تدبّر کرنے والے افسر میجر جی،ایچ،ڈیوس تبدیل ہو کر آئے۔ایک جمعہ کے روز میں ان کو حساب لکھوا رہا تھا کہ نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔میں نے کہا کہ آپ مجھے نماز پڑھ لینے دیں۔وہ کہنے لگے کہ مَیں نے سفر پر جانا ہے۔میں نے کہا کہ یہ نماز بڑی اہم ہے۔اوراس کا وقت جا رہا ہے۔سوچ سوچ کر کہنے لگا۔بہت اچھا۔نماز پڑھ لو۔مَیں حساب پھر کبھی لکھ لوں گا۔یہی افسر جب کشمیر گیا تو اس نے مجھے وہاں سے ایک مصلّٰی لاکر دیا اور کہا کہ اس پر نماز میرے دفتر میں پڑھا کرو۔یہ ذکر میرا ہی ہے جو بغیر نام کے حضور نے ’’ملائکۃ اللہ‘‘ میں کیا ہے۔فرماتے ہیں:

’’اگر دفتر میں کام کرتے ہوئے نماز کا وقت آجائے تو بے شک وہاں پڑھ لو۔مگر جہاں کوئی مجبوری نہیں اس حالت کے متعلق میرا یہی عقیدہ ہے کہ نماز نہیں ہوتی ..........۔بعض دفعہ ملازموں کو ان کے افسر نماز نہیں پڑھنے دیتے۔ایک افسر تھا۔وہ ایک احمدی کو نماز نہیں پڑھنے دیتا تھا۔اس نے ملازمت چھوڑ دی۔اور دوسری جگہ کر لی۔دوسری جگہ اسے ایسا انگریز افسر ملا جس نے خود مصلّٰی لاکر دیا۔اور کہا اس پر میرے سامنے نماز پڑھا کرو۔تو جو شخص خدائے تعالیٰ کے لئے کوئی کام کرتا ہے۔خدا تعالیٰ خود اس کا انتظام کر دیتا ہے☆۔‘‘[۱۰]

پھر میجر ای۔سی۔چیزنی آگئے اور شروع ۱۹۱۷ء میں ہم لوگ بنوں سے واپس راولپنڈی آگئے بنوں میں ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۷ء مجھے تبلیغ کی بہت توفیق ملی۔میرے ساتھ مولوی محمد عبداللہ صاحب ساکن فتح پور ضلع گجرات تھے جو بعد میں درویش قادیان بن گئے۔اور لائبریرین کا کام ان کے سپرد رہا۔اور وہیں وفات پاکر بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوئے۔یہ

---

☆: اس کتاب میں حضور کی جلسہ سالانہ ۱۹۲۰ء کی تقریر درج ہے ملازمت ترک کرنے کا ذکر پہلے گزر چکا ہے

ابتدا میں بحیثیت دفتری راولپنڈی میں آئے تھے۔ پھر اپنی نیکی ،محنت ،لیاقت اور شرافت کی وجہ سے دفعدار بن گئے۔رسائیدار ہوجاتے مگر ملازمت کا زمانہ ختم ہوگیا۔مَیں اُن کے احسانات کا بہت شکر گذار ہوں۔انہوں نے حقِ دوستی خوب ہی نبھایا۔آپ بڑے معزز خاندان برلاس سے تھے۔اور بہت منکسر المزاج۔اللہ تعالیٰ اُن پر اور ان کی اولاد پر بڑے افضال وانوار کی بارش برسائے۔آمین۔جو انعامات اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کئے ان میں سے ایک دفعدار صاحب کی محبت اور دوستی بھی تھی۔ یہ شخص میرے لئے مجسّم الحبّ للہ تھا۔میاں عبداللہ صاحب درزی جن کو اللہ تعالیٰ نے نوازا اور بہشتی مقبرہ میں جگہ دی۔ہم تینوں دوست تھے۔ہم اکثر اکٹھے ہوتے اور حضرت خلیفہ ثانیؓ کے مبارک کاموں کا ذکر کر کے لطف اُٹھاتے۔انہوں نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چھڑی دی تھی۔جس کا دستہ ابھی تک بطور تبرک میرے پاس محفوظ ہے۔**فجزاہ اللّٰہ خیراً**۔

(۴): بنوں میں ہم دفتر جاتے ہوئے اپنے ساتھ سلسلہ کے ٹریکٹ لے جاتے اور انگریز۔ پٹھانوں۔مسلمانوں اور ہندوؤں میں تقسیم کرتے تھے۔وہاں عبدالہادی صاحب اور شیخ اللہ بخش دو غیر مبائع صاحبان تھے۔کئی دن رات ان سے بحث ہوتی رہی۔ایک شب میرے مکان پر ان سے بحث ہورہی تھی کہ نماز عشاء کا وقت ہوگیا۔مَیں امام تھا اور یہ دونوں مقتدی۔مَیں نے دعا کی کہ الٰہی! ان دونوں میں سے ایک دے دے۔قدرت الٰہی کہ شیخ صاحب نے بَیعت کرلی۔اور عبدالہادی صاحب غیر مبایعین کے بڑے بھاری رُکن بن گئے۔سُنا تھا کہ بعد میں کسی نے ان کو قتل کردیا تھا۔

(۵):لکی مروت کے ایک شریف الطبع مولوی بنّوں تشریف لائے۔کسی نے ان کے پاس شکایت کی کہ یہاں ایک مرزائی بابو آیا ہوا ہے جس کی وجہ سے بعض لوگ احمدی ہورہے ہیں۔انہوں نے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ میں اس سے بات کروں گا۔مَیں نے سُنا تھا کہ یہ مولوی صاحب حضرت سید عبداللطیف صاحبؓ شہید کے خاص دوستوں میں سے تھے اور جب وہ آپ کے وطن خوست گئے تھے تو حضرت ممدوحؓ نے ان کو چارصد روپیہ کی قیمت کا گھوڑا بطور تحفہ دیا تھا۔مکرم عبدالکریم صاحب سیکرٹری تبلیغ جو ان دنوں ہماری کور میں ملازم تھے۔رات کے دس بجے کے بعد مجھے بیدار کر کے یہ بتا کر لے گئے کہ فلاں مکان میں

بہت سے پٹھان مولوی جمع ہیں اور آپ کو بحث کے لئے بُلا رہے ہیں۔ہم پہنچے تو دیکھا کہ ایک بڑی ڈیوڑھی میں بڑی بڑی چارپائیوں پر بڑے بڑے پٹھان مولوی بیٹھے ہیں۔ ان مولوی صاحب نے جو میانہ قد شکیل اور شریف نظر آتے تھے۔ مجھے اپنے پاس جگہ دی۔اور رسمی گفتگو کے بعد پوچھا کہ ہم لوگ کیا کہتے ہیں۔مَیں نے کہا کہ مرزا صاحبؑ نے ہمیں بتلایا ہے کہ حضرت عیسیٰ فوت ہوگئے ہیں۔کہنے لگا کوئی دلیل؟مَیں نے غالبًا یہ آیت **فلمّا توفّیتنی** پڑھ کر اس کی تفسیر بیان کی۔فرمایا اور دلیل؟ میں نے ایک اور آیت پڑھ دی۔ پھر کہا کوئی اور مَیں نے ایک اور آیت پڑھ کر تفسیر شروع کر دی۔اللہ تعالیٰ نے مجھے خوب تبلیغ کرنیکی توفیق بخشی جس پر مَیں بھی اور میرے ساتھی بھی متعجب تھے۔جب رات بہت گذر گئی تو میں نے کہا کہ میں ایک عقلی دلیل دیتا ہوں۔کہ اگر یہ کہا جائے کہ جب تک پہلا جرنیل جو ابھی تبدیل ہوا ہے نہ بُلایا جائے۔اس علاقہ کا انتظام نہیں ہوسکتا۔اور سب کام خراب ہوجائے گا تو کیا موجودہ جرنیل کی کوئی عزت باقی رہے گی؟ خدا جانے کس طرح مولوی صاحب کے مُنہ سے نکل گیا۔نہ سہی۔نہ رہے۔اس پر لوگوں نے مجھے کہا کہ اب آپ جائیں اور وہ پٹھان سخت شرمندگی محسوس کرنے لگے کہ مولوی صاحب نے یہ کیا کہہ دیا ہے۔مَیں اور میرے ساتھی وہاں سے چلے آئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ تبلیغ کی توفیق ملی۔حالانکہ موقعہ بڑا خطرناک تھا۔یہ لوگ ہمیں مار بھی ڈالتے تو کوئی گواہ نہ مِلتا اور نہ مقدمہ ہوسکتا۔

(۶): بنوں میں جب ہر طرف یہ شور اُٹھا کہ مرزائی یہاں تبلیغ کر رہے ہیں تو میں نے حضرت کے حضور عریضہ لکھا کہ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ اور کسی اور مبلغ کو بھجوائیں۔حضور نے درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے حضرت حافظ صاحب اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کو بنوں بھجوا دیا۔دونوں بزرگوں نے خوب تبلیغ کی اور سارے علاقہ میں شور پڑ گیا۔غرض اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ سے یہ کام کرایا۔جب کہ اس زمانہ میں صوبہ سرحد میں تبلیغ احمدیت کرنا بڑا مشکل کام تھا۔**فالحمد اللّٰہ علیٰ احسانہٖ**۔

جو طلب مَیں نے کیا اپنی عنایت سے دیا
تیرے قربان میرے ناز اٹھانے والے

(۷): بنوں میں غالبًا اواخر ۱۹۱۶ء میں ایک روز مَیں اپنے ساتھی کلرک بابو ہری

سنگھ کیساتھ دفتر سے گھر کی طرف آرہا تھا۔ان کے ساتھ اکثر مذہبی گفتگو رہتی تھی۔انہوں نے پوچھا کیا آپ کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے۔مَیں نے کہا کہ آپ سوال کی تصحیح کر کے یہ پوچھیں کہ آپ کا میرے مقابل پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ تعلق ہے۔انہوں نے کہا یونہی سہی۔اثبات میں جواب دینے پر انہوں نے ثبوت طلب کیا۔مَیں نے کہا یہ کہ آپ میرے ہاتھ سے ڈسچارج ہوں گے۔یہ بات تو میرے منہ سے نکل گئی اور میں خود حیرت میں ڈوب گیا کہ یہ کیا بات میرے منہ سے نکلی تھی۔ادھر یہ سکھ بھی حیران تھا کہ یہ کیا جواب مِلا ہے۔اللہ تعالیٰ کی شان تھوڑے عرصہ میں ان کی آنکھوں میں تیز ککرے پڑ گئے۔اور وہ کئی ماہ تک شفا خانہ میں داخل رہے۔وہ صحت یاب ہوئے تو مَیں رخصت لے کر قادیان آگیا۔اور وہ کور کے ساتھ راولپنڈی آگئے میں ابھی رخصت پر تھا کہ بشمول بر چہار ہندوستانی سرداران یعنی افسر یہ سازش کی گئی کہ مجھے ہری سنگھ کے ماتحت کردیا جائے تو میں تنگ آکر ملازمت ترک کردوں گا۔رخصت سے واپسی پر مجھے اس بات کا علم ہوا میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور بڑے الحاح سے دعا کی کہ مَیں گنہگار ہوں۔میرے گناہ معاف فرما کر میری عزّت رکھیو۔مَیں گھر سے دفتر کی طرف جارہا تھا تو یکے بعد دیگرے چاروں ہندوستانی سرداروں سے سامنا ہوُا۔اور ہر ایک نے معذرت کر کے شرارت کسی دوسرے کی بتائی اور بتایا کہ اس میں مَیں قصور وار نہیں۔دفتر میں پہنچا تو بابو ہری سنگھ نے کہا کہ افسر آپ پر مہربان ہے۔اس کو کہیں کہ وہ مجھے ہسپتال لے جا کر طِبّی طور پر مجھے ناقابل ملازمت قرار دلادے تا کہ مجھے پنشن مِل جائے۔چنانچہ میرے کہنے پر افسر نے ایسا ہی کیا۔جب ان کی ملازمت سے فراغت اور وظیفہ (پنشن) کے کاغذات بن گئے اور مَیں ان کے ساتھ گھر کو آرہا تھا تو اچانک بنوں والی بات مجھے یاد آگئی۔اور میں نے ان کو کہا کہ لو بابو صاحب! آج وہ بات پوری ہوگئی کہ آپ میرے ہاتھ سے ڈسچارج ہوں گے اور یہ اسلام کی سچائی کا ثبوت ہے وہ خاموش رہے۔

اے خدا قربانِ احسانت شوم

کانِ احسان بقربانت شوم

(۸):۱۹۱۸ء میجر چزنی کے بعد کپتان پارس آگئے۔اور ہمیں ماری فیلڈ فورس (ہرنائی سے ڈگی) جانا پڑا۔اس افسر نے مخفی کتاب میں تحریر کیا کہا اگر کبھی بابو فضل احمد اور

یونٹ میں اختلاف پڑ جائے تو مَیں پُر زور سفارش کرتا ہوں کہ فضل احمد کی بات پر کمان افسر عمل کرے۔ کیونکہ یہ بہت دیانتدار اور سچا آدمی ہے۔ وغیرہ۔

۱۹۱۴ء میں افسر مذکور کے بعد لیفٹیننٹ اینڈ رسن آئے اور ہمیں نوشہرہ جانا ہؤا۔ یہاں ایک روز ایک رسالدار مجھے ایک سید کے مکان پر لے گئے۔ وہ نوشہرہ کا رئیس تھا۔ اس بدزبان نے حضرت ام المومنینؓ کی شان میں بے ادبی کے کلمات کہے۔ جس سے میرا دل جل گیا۔ اور ابھی تیسرا دن نہ گذرا تھا کہ میرے دل کا شعلہ اس سید کے ٹال پر جا پڑا۔ اور اسے آگ لگ جانے سے اس کا ایک لاکھ روپے کا نقصان ہو گیا۔ میں اس کی پریشانی کو دیکھتا اور اللہ تعالیٰ کے حضور حضرت ام المؤمنینؓ کی قدر و منزلت کو محسوس کرتا۔ اور اس کی قدرتوں کا تصور کر کے محوِ حیرت ہو جاتا کہ شدید البطش نے کتنی جلدی اس رئیس کو پکڑا اور اس کا سینہ جلا دیا۔ ع

میرے دل کی آگ نے آخر دکھایا یہ اثر

ان کے بعد ایک اور کمان افسر کپتان ڈیمیٹر آ گئے۔ مَیں راولپنڈی میں تھا اور ہمارا کور جلال آباد کے قریب۔ وہاں چارج لینے پر میری غیر حاضری میں بعض ہندوستانی افسران نے ان کو کہا کہ آپ کی کور کا کمان افسر تو دراصل بابو فضل احمد ہی ہے۔ جو یہاں کا ہیڈ کلرک ہے۔ اس نے جوش میں آ کر کہا کہ ہم اسے دیکھیں گے۔ اور وہ ہمارے زمانے میں نہ رہ سکے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک بڑے افسر کو جلال آباد میں ملنے گیا۔ جس نے اسے اس یونٹ کا چارج لینے پر مبارک باد دی کہ وہاں ایک بابو فضل احمد نام ہے اور کہا کہ تم اس کی بات مانا کرنا اور اس کے خلاف کسی کی شکایت نہ سُننا۔ وہ حیران ہؤا۔ چند دن بعد راولپنڈی آیا تو ہمارے یونٹ کے سرداروں کے متعلق میری رائے پوچھی۔ مجھے علم تھا کہ وہ کہہ چکا ہے کہ ہمارے زمانہ میں فضل احمد نہیں رہے گا۔ اور اب وہی افسر پوچھ رہا ہے کہ انڈین افسروں کے متعلق اپنی رائے بیان کروں۔ پہلے تو میں خوفزدہ ہؤا۔ مگر اس کے اصرار پر میں نے اپنی رائے بیان کی تو اس نے بہت خوش ہو کر کہا کہ آپ ہمارے زمانہ میں بھی ویسے ہی معزز رہیں گے۔ جیسے پہلے افسران کے زمانہ میں رہے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کے اس کام پر ابھی حیران ہی تھا کہ افسر نے واپس جا کر اپنے پاس مجھے بلانا چاہا۔ مَیں نے روزانہ کی تلاوت

میں ایک روز سورۃ فتح پڑھی۔اور جب پڑھا اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً۔تو میرے دل میں گذرا کہ مجھ پر کوئی انعام الٰہی نازل ہوگا۔تلاوت سے فارغ ہؤا تھا کہ اس کا تار کے ذریعہ میرے نام حکم آیا کہ کچا گڑھی (نزد پشاور) میں پہنچوں۔میں وہاں پہنچا تو افسر مذکور کو جلال آباد جانے کا حکم آ گیا۔اسی جگہ پر ہمارے یونٹ کا قیام تھا۔اتفاق ایسا ہوا کہ لڑائی سے ڈر کر بعض بارگیر بھاگ گئے۔اور اپنے مالکوں کے اونٹ چھوڑ گئے☆۔چونکہ وہ لڑائی کے دن تھے۔کمان افسر نے مالکان شتران کو حکم بھیجا کہ وہ اپنے فرار کردہ بارگیروں کی جگہ اور بارگیر بھیجیں۔مگر کوئی نہ آیا اور نہ مالکان نے جواب ہی دیا۔اس پر کمان افسر نے ناراض ہوکر ان کے اونٹ فروخت کر دیئے۔اور اپنے ماتحتوں کو دے دیئے۔اس کمان افسر نے میرے نام پر دو آسامیاں (چھ اونٹ) لکھ دیئے۔اور اسی طرح دیگر عہدیداران مثلاً انڈین افسروں وغیرہ کے نام پر اونٹوں کا اندراج کر دیا۔جس سے مجھے قریباً دو ہزار روپیہ مفت میں مِل گیا۔ع

اے خدا قربانِ احسانت شوم

لیفٹیننٹ اینڈرسن تبدیل ہوکر آئے اُن کا زمانہ میرے لئے بڑی عزّت اور حکومت کا تھا۔۱۹۲۰ء میں میجر براٹسن آئے۔سنا گیا کہ یہ بڑا سخت افسر ہے۔میں ان دنوں مری میں تھا۔اس کی تار آئی کہ دفتر نیچے لاؤ۔میں راولپنڈی میں آیا اور اُن سے مِلا۔افسر مذکور کو خدا نے ایسا موم کر دیا جیسے کوئی مرید ہوتا ہے۔اور ہر بات مانتا ہے۔

۱۹۲۳ء مجھے ان ایام میں تنخواہ گورنمنٹ سے پچھتر روپے اور یونٹ سے الاؤنس ڈیڑھ سو روپیہ گویا کُل سوا دوصد روپے ماہوار ملتے تھے۔ملٹری آڈٹ نے یہ سوال اٹھایا کہ سرکاری ملازمین کو دو جانب سے تنخواہ نہیں مل سکتی۔کیمل کور کے کلرکوں کی طرح ہم تین احمدیوں (۱) حضرت مولوی فخر الدین صاحب نمبر ۵۴ کیمل کور لاہور چھاؤنی۔(۲) بابو شاہ عالم صاحب نمبر ۵۲ کیمل کور جہلم۔اور (۳) خاکسار فضل احمد نمبر ۵۱ کیمل کور راولپنڈی کو بڑا نقصان پہنچا۔کیونکہ حکومت ہند نے بھی یہی فیصلہ کر دیا کہ صرف تنخواہ ملا کرے گی۔الاؤنس نہیں دیا جائے گا۔اس طرح مجھے سوا دوسو کی بجائے صرف پچھتر روپے ملنے لگے۔چونکہ مجھے سب سے

☆:اونٹوں کے مالک سردار اور ان کے ملازم بارگیر کہلاتے تھے (فضل احمد)

زیادہ الاؤنس ملا کرتا تھا اس لئے مجھے نقصان بھی سب سے زیادہ پہنچا۔خاکسار نے ہر چند چاہا کہ ملازمت چھوڑ کر تجارت شروع کردوں اور استعفیٰ دے دوں مگر حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اجازت نہ دی اور فرمایا ملازمت ہی کرتے رہو۔گواس وقت مجھے اس کا سخت صدمہ ہوا۔کیونکہ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ میں اس حالت میں تھوڑی سی تنخواہ پر کام کروں۔مگر اللہ تعالیٰ اپنے پاک بندوں کے کلام میں برکت رکھتا ہے۔یہ اس کا اثر اور حضور کا احسان ہے کہ مجھے ۱۹۳۶ء سے پنشن مل رہی ہے۔**الحمد للّٰہ علیٰ ذالک**☆۔

۱۹۲۶ء کوہ مری اور پھر بنوں میں قیام رہا۔

۱۹۲۷ء چند ماہ بنوں رہا۔پھر کوئٹہ تبادلہ ہوا۔

۱۹۲۹ء نمونیہ کی وجہ سے داخل شفاخانہ کیا گیا۔میری زندگی کی امید منقطع ہوگئی تھی۔مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دعا اور توجہ سے دوبارہ زندگی پائی۔اور حضور کی توجہ سے ہی جماعت نے میری بے حد خدمت کی۔تین احمدی ڈاکٹر۔حضرت ڈاکٹر خان صاحب محمد عبداللہ صاحب مرحومؓ ☆☆ مکرم ڈاکٹر محمد عبدالرشید صاحب مرحوم پسر حضرت منشی محمد اسمٰعیل صاحب سیالکوٹی ☆☆☆۔اور مکرم ڈاکٹر عبدالمجید خان صاحب ☆☆☆☆۔شاہجہانپوری مقیم قلات میری دیکھ بھال میں مصروف تھے۔اور حضرت مولوی فخر الدین صاحب سابق ہیڈ کلرک نمبر ۵۴ کیمل کور ☆☆☆☆☆۔بابو محمد اسمٰعیل صاحب معتبر ☆☆☆☆☆☆ اور بابو محمد سعید صاحب حال ربوہ نے بہت خدمت کی۔رات کو باری باری کئی گھنٹے میرے جسم کو دباتے رہتے اور تمام رات اسی خدمت میں گذار دیتے اور ساتھ ہی یہ اپنے گھروں کے کام کرتے۔اور اپنے

---

☆: آپ نے بتیس ۳۲ سال پنشن پائی۔

☆☆: آپ قادیان ہجرت کرکے دارالبرکات میں مقیم تھے۔بعد ہجرت پھر کوئٹہ چلے گئے۔اور چند سال قبل وہاں وفات پائی۔

☆☆☆: چند سال قبل وفات پائی۔ان کے والد ماجد کے حالات میں ان کا ذکر اصحاب احمد جلد اول میں آتا ہے۔

☆☆☆☆: آپ قلات میں قیام رکھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆: مدفون بہشتی مقبرہ قادیان۔

☆☆☆☆☆☆: مدفون مقبرہ بہشتی ربوہ۔چند سال قبل فوت ہوئے۔

دفتر بھی حاضر ہوتے تھے۔اور بھی بہت سے احمدی بھائی خدمت کرتے رہے۔**فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء**۔بحالی صحت پر جب میں نے حضرت امیر المومنین کی خدمت میں حالات لکھے اور احباب کے ایثار اور قربانی سے اطلاع دی تو حضور نے جماعت کو مبارک باد کا خط لکھا۔ایک غیر احمدی نے جب اس خدمت کا نظارہ دیکھا تو سمجھا کہ یہ سب میرے رشتے دار ہیں۔اور یہ معلوم کرکے حیران رہ گیا کہ یہ سب اخوّتِ اسلام اور احمدیت کی برکت ہے۔یہ خدمت اور محبت دیکھ کر میں بارہا ان احباب کے لئے دعائیں کرتا اور کہتا رہا۔ع

تیرے کاموں پر مجھے حیرت ہے اے مولا کریم

میرے جیسا گنہگار انسان اور تیری یہ عنایت!**ذالک فضل اللّٰہ یؤ تیہ من یشاء**۔

۱۹۳۰ء غالباً جون میں کوئٹہ سے میری تبدیلی لاہور چھاؤنی ہوگئی۔لاہور میں مجھے سیکرٹری تبلیغ منتخب کیا گیا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی صدارت میں انتخاب ہوا اور محترم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے امیر جماعت لاہور مقرر ہوئے۔انہی ایام میں مکرم ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم مرحوم اور مکرم قاضی محمد نذیر صاحب لائیلپوری (حال ناظر اصلاح وارشاد) لاہور میں تشریف لاکر مباحثات کیا کرتے تھے۔بہت کام ان دونوں معزز احباب نے کیا۔اور میرے زمانہ سیکرٹری شپ میں لاہور میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم سے خوب تبلیغ ہوئی۔**فالحمدللّٰہ علیٰ ذالک**۔

میں اکثر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں دعا کے لئے لکھتا رہتا ہوں۔ ایسے ہی ایک موقعہ پر دعا کے لئے درخواست کی۔جس سے اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوا۔غالباً اگست میں میری زوجہ ثانیہ بیمار ہوگئیں۔ہمارے کمانڈنٹ کرنل رائس نے میرے مطالبہ پر سپرنٹنڈنٹ لیڈی ایچیسن ہاسپٹل کے پاس پرزور سرکاری چٹھی لکھی کہ وہ ان کا علاج توجہ سے کریں۔لیکن ساتھ ہی بتایا کہ وہ ان سے واقف نہیں ہیں۔لیڈی ڈاکٹر انچارج نے چٹھی پڑھ کر کہا کہ کرنل صاحب تو میرے بڑے دوست ہیں۔انہیں شاید علم نہیں کہ مَیں انچارج ہوکر ابھی ایک ہفتہ ہوا ہے لاہور آئی ہوں۔اور اسی وقت جواباً چٹھی لکھ کر مجھے دی کہ میں توجہ سے علاج کروں گی اور اپنے ولایت سے لاہور آنے کا بھی ذکر کیا۔اور مجھے ہر طرح سے تسلی

دی۔ یہ اتنی بارعب لیڈی ڈاکٹر تھی کہ کسی کو شفاخانہ کے احاطہ کے اندر آنے کی اجازت نہ دیتی تھی۔مگر بخلاف عادت میرے لئے شفاء خانہ کے ملازموں کو حکم دیا کہ ان کو ہر وقت اندر آنے کی اجازت ہے۔ بلکہ میرے بچوں کو صوفہ وغیرہ پر کھیلنے سے منع نہ کرتیں۔خوشی سے دیکھتی رہتیں۔میری بیوی کا علاج ہر طرح مہربانی اور محبت سے کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ انہی دنوں میں بعض احمدی بھائیوں کو لیڈی موصوفہ کے پاس لے جاتا تو بڑی توجہ کرتیں۔فیس نہ لیتیں۔ ہر طرح امداد کرتیں۔حالانکہ دوسروں پر اس کی سختی کا یہ عالم تھا کہ لوگ احاطۂ شفاخانہ سے باہر کھڑے رہتے۔دس روپے اس کی فیس اس کو بھیج دیتے۔ بڑی دیر کے بعد وہ اپنے اردلی کے ذریعہ مریض کو بُلواتی۔ بلکہ میں دو چار بار کسی مریضہ کے ساتھ گیا۔تو موصوفہ نے کہا کہ آپ خود نہ آیا کریں۔خود آنے میں تکلیف ہوتی ہے۔اپنا رقعہ مریضہ کو دے دیا کریں۔میں آپ کے مریض کو دیکھ لیا کروں گی۔اور حقیقتاً موصوفہ نے ایسا ہی کیا۔ایک شام جب میں گھر کو آنے لگا۔جو احمدیہ مسجد بیرون دہلی دروازہ کے قریب تھا تو معلوم ہوا کہ مولوی تاج دین صاحب (سابق ناظم دارالقضاء ربوہ) اپنی اہلیہ کو جو سخت بیمار ہیں لائے ہوئے ہیں۔.................... اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے ایک چارپائی پر مریضہ کو لٹا کر اسی ہسپتال میں لے گئے۔مریضہ کی حالت سخت نازک تھی۔اتوار کے روز لیڈی ڈاکٹر ہسپتال نہ آتی تھی۔اس کی نائب انگریز لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ اتوار کو ہم کسی مریض کو داخل نہیں کرتے۔مگر آپ کا لحاظ ہے۔ہم اس مریضہ کو داخل تو نہیں کرتے مگر رات اس کی دیکھ بھال کریں گے۔کل لیڈی ڈاکٹر صاحبہ آئیں گی۔رات بھر مولوی صاحب اور دیگر احباب فکرمند رہے۔مگر دوسری صبح لیڈی ڈاکٹر نے میرا نام سن کر مریضہ کو داخل کرلیا۔اور وہ خدا تعالیٰ کے فضل واحسان سے صحت یاب ہوگئیں۔

ایک روز حضرت قریشی محمد حسین صاحبؓ امیر جماعت لاہور موجد مفرّح عنبری نے مجھے کہا سُنا ہے کہ یہ لیڈی ڈاکٹر آپ کی سفارش پر بہت توجہ کرتی ہے۔میری بہو بیمار ہے۔سو مَیں نے سفارش کرتے ہوئے لکھا کہ مریضہ امیر عورت ہے۔اس سے فیس لے لیں۔جس پر اس نے ایسا ہی کیا اور مریضہ کا علاج کیا۔

جب وہ واپس ولایت جانے لگی تو میں نے ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' (انگریزی) تحفہ پیش کی اور شاید کوئی اور کتاب بھی۔ اور اُن کا بہت بہت شکریہ ادا کیا کہ آپ نے میری بڑی امداد فرمائی اور میری درخواستوں پر مریضوں پر رحم کیا۔ اس نے شکریہ کے ساتھ لٹریچر قبول کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ حضرت صاحب کی دعاؤں کی برکت تھی۔ ع

وگرنہ من آنم کہ من دانم

غالباً ۱۹۳۲ء کے آخر میں لاہور سے ڈیرہ اسماعیل خان میرا تبادلہ ہوا۔ اور ۱۹۳۳ء کی گرمیوں میں رزمک جانا پڑا۔ ان دنوں محمد صادق صاحب ایم ای ایس میں سٹور کیپر تھے۔ میں اپنی فرصت کے اوقات ان کے پاس گذارا کرتا۔ ان کی طبیعت بہت نرم تھی۔ اور یہ سِلسلہ کی گفتگو میں ذوق اور شوق کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ان کے ذریعہ بعض اوقات تبلیغ بھی ہوجاتی تھی۔ علاوہ ازیں وہاں فیروزدین صاحب فورمین اور نصراللہ خاں صاحب الیکٹریشن تھے۔ یہ سب دوست سِلسلہ کے فدائی تھے اور بڑی محبت سے پیش آیا کرتے تھے۔

یہ زمانہ میرے لئے پریشانی کا تھا۔ اور میری توجہ دعاؤں کی طرف تھی۔ ہم ایک خیمہ میں سات آٹھ کلرک رہتے تھے۔ ان میں سے ایک ہندو کلرک مجھے بار بار نماز پڑھتے دیکھتا تو متاثر ہوکر بے اختیار ہوکر کہتا کہ یہ شخص تو دنیا سے مُنہ پھیر کر عبادت میں ہی مصروف رہتا ہے۔ کاش ہم ہندو کلرک بھی ایسے ہی ہوتے۔

اس زمانہ میں لیفٹیننٹ نذیر احمد بھی وہاں تھے اور وہ نئے نئے لیفٹیننٹ ہوکر گورا فوج میں کمانڈر دستہ مقرر ہوئے تھے۔ اور ہر فرصت کے موقعہ پر ورزش جسمانی ہی کرتے رہتے تھے۔ مجھ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ میں اُن کی سفارش خاں بہادر محمد دلاور خانصاحب کے پاس کروں تاکہ انہیں وہ اپنے محکمہ میں لے لیں۔ خاں بہادر صاحب اسسٹینٹ پولیٹیکل ایجنٹ بھی انہی دنوں رزمک میں تھے۔ یہ بالکل پیغامی خیال کے تھے۔ میری ان کے ساتھ اکثر بحث ہوتی رہتی تھی مگر میں نے دیکھا کہ وہ دل کے بہت نرم اور حد درجہ کے شریف طبع تھے۔ حضرت خلیفہ ثانیؓ کے ذکر پر باتیں تو کرتے رہتے تھے مگر

خلافِ شان کبھی کوئی بات نہ کرتے۔ایک احمدی بھائی ملک الطاف خان صاحب محلّہ دارالفضل قادیان میں رہتے تھے۔ان کے بہت مداح تھے اوران کے الہامات کا بھی اکثر ذکرکرتے ۔یہی وجہ تھی کہ خدا نے ان کو پھر جماعت میں شامل ہونے کی توفیق عطافرمائی☆۔

## حضرت مصلح موعودؓ کی قبولیت دعا کا نشان

اللہ تعالیٰ کے مجھ پر بے حد احسان ہوئے۔ایک یہ کہ ۳ نومبر ۱۹۵۷ء کو بندش بول سے کوئی ایک ماہ سے اوپر شدید بیمار رہا۔ایک وقت مجھ پر ایسا آیا کہ میری آنکھیں پتھرا گئیں۔اورنزع کی سی کیفیت وارد ہوگئی۔چھت کی ایک کڑی پر میری نظرتھی۔لیکن بول نہ سکتا تھا۔میرے تمام بیٹے خدمت میں مصروف تھے۔حضرت مصلح موعود۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اورحضرت مرزا شریف احمد صاحب (رضی اللہ عنھم) اور دوسرے بہت سے بزرگ میرے حق میں دعائیں کرتے تھے۔حضرت مرزا بشیراحمد صاحبؓ کا منشاء تھا کہ لاہور جاکر میوہسپتال میں علاج کروایا جائے۔پسرم عزیز محمد احمد سلّمہٗ نے عرض کی کہ اڈہ بس تک لے جانے پر ہی ابا جان کی وفات ہوجائے گی۔ایک روز میاں غلام محمد صاحب اختر عیادت کے لئے آئے۔میری حالت بہت نازک تھی۔میں نے چشم پُر آب ہوکر کہا کہ حضرت مصلح موعود کی خدمت میں حاضر ہوں تو میری طرف سے بعد السلام علیکم عرض کریں کہ بادشاہوں کے ہاں شادی وغیرہ خوشی کی تقریبات پر قیدی رہا کئے جاتے ہیں۔حضور کے خاندان میں بھی ایک ایسی ہی تقریب ہے۔مَیں مرض کا اسیر ہوں۔دعا کرکے مجھے مرض سے آزاد کرائیں۔اختر صاحب نے بعد میں بتایا کہ جب مَیں نے یہ پیغام عرض کیا تو حضور کے چہرہ سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ حضور نے دعا کی ہے☆☆۔اللہ تعالیٰ نے قبول دعا کا یہ نشان دکھایا کہ ایک ماہ سے زائد عرصہ سے آلہ کے ساتھ پیشاب خارج کیا جاتا تھا۔اس واقعہ کے بعد

☆: حضرت ملک محمد الطاف خان صاحبؓ ہجرت کرکے دارالفضل میں مقیم ہوگئے تھے۔بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔خان بہادر صاحب چندسال قبل وفات پاچکے ہیں۔

☆☆: زیر ''اخبار احمدیہ'' الفضل ۱۲ نومبر ۱۹۵۷ء میں آپ کو بندش پیشاب بخار اور اسہال ہونے کا ذکر ہے۔

مجھے خیال آیا کہ خود پیشاب کر کے دیکھوں ۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب کہ پیشاب خود ہی خارج ہوگیا۔اور بعد ازاں با قاعدہ آنے لگا۔**فالحمدللّٰہ علیٰ ذالک۔** میرے دل پر یہ غالب اثر ہے کہ یہ حضور کی قبولیت دعا کا نشان تھا۔جس میں دوسرے بزرگوں کی دعائیں بھی شامل تھیں۔انہی ایام میں ایک روز حضرت مولوی غلام رسول صاحبؓ راجیکی تشریف لائے۔حالات سُن کر دعا کی جس کے دوران میں اللہ اکبر کا نعرہ زور سے ان کی زبان سے بلند ہوا۔اورآپ نے بتایا کہ مَیں نے دعا کے دوران دیکھا کہ آپ کو فرشتے نور کے پانیوں سے غُسل دے رہے ہیں۔جس سے مراد غسلِ صحت نکلا۔ **فالحمد للّٰہ۔**

## جہاد ملکانہ میں شرکت

۱۹۲۳ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ارشاد پہنچا کہ احمدی احباب رخصت لے کر آگرہ آجائیں۔ جہاں آریہ قوم نے بہت سے مسلمانوں کو شدھ کرلیا ہے۔ مجھے اس ارشاد کے ملنے سے خوشی بھی ہوئی لیکن فکر بھی۔اس وجہ سے کہ کوہ مری میں اکیلامَیں کمانڈنگ افسر میجر براٹسن کے ساتھ تھا اور دفتر کا کام کمان افسر صاحب خود نہ کرتے تھے۔ان کا کام محض دستخط کرنے کا تھا۔میں نے ڈرتے ڈرتے افسر موصوف سے ذکر کیا کہ یہ مذہبی معاملہ ہے اور میرے مُرشد کا حکم آیا ہے کہ مَیں بھی آگرہ جاؤں اور ایک ماہ تک وہاں کام کروں۔افسر نے کہا کہ آپ کے سوا اور کوئی کلرک بھی یہاں نہیں دفتر کا کام کون کرے گا۔مَیں نے کہا مجبوری ہے۔ یہ مذہبی معاملہ ہے۔افسر نے سوچ سوچ کر کہا اچھا چلے جاؤ۔مگر اس شرط پر کہ جب مجھے ضرورت پڑے گی تو آپ کو تار دیا جائیگا۔آپ کو واپس آنا ہوگا۔مَیں نے کہا کہ اگر آپ نے مجھے واپس بلایا تو کرایہ آمد ورفت آپ کے ذمہ ہونا چاہیئے۔افسر نے یہ منظور کرلیا۔سو مَیں آگرہ گیا۔اور واپس بلایا گیا۔اپنے مرشد کی فرمانبرداری کے نتیجہ میں مَیں نے کام کا ثواب بھی حاصل کرلیا اور میرا خرچ کچھ بھی نہ ہوا۔ بلکہ سفر الاؤنس کی وجہ سے مجھے فائدہ

---

بقیہ حاشیہ: اور ۱۷ نومبر کے پرچہ میں افاقہ کا اور ۲۱ نومبر کے پرچہ میں بندش پیشاب اور اسہال میں اضافہ ہوکر نقاہت بہت بڑھنے کا۔

رہا۔فالحمد للّٰہ☆۔

آگرہ جانے کے لئے میں قادیان پہنچا۔حضرت امیر المومنینؓ کے ارشاد پر آگرہ گیا۔تو حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیالؓ نے جو ملکانہ کیمپ کے انچارج تھے۔مجھے حضرت چوہدری نصراللہ خاں صاحبؓ۔اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کے ساتھ ریاست بھرت پور بھیجا۔جہاں دونوں بزرگوں نے مہاراجہ کے وزیراعظم سے ملاقات کی۔میں ان کے ہمراہ رہا۔اور مفت کا ثواب حاصل کیا۔ہندو وزیراعظم نے بڑی عہد شکنی کی تھی اور بے اعتنائی بھی۔

آگرہ میں چوہدری فتح محمد صاحب سیال کے پاس کچھ نہیں تھا۔اور وہ روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے بہت تنگ تھے۔مجھے انہوں نے قادیان بھیجا کہ میں ان کی طرف سے عرض کروں کہ روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے بہت تکلیف ہے۔حضور اخراجات کیمپ کے لئے مزید رقم عنایت کریں۔حضرت نے مجھے فرمایا کہ چوہدری صاحب پہلے روپیہ کا حساب دیں کہ کہاں کہاں خرچ ہوا۔پھر ہم مزید رقم دیں گے۔مَیں نے عرض کیا کہ حضور وہ تو سخت تنگ آئے ہوئے ہیں۔حضور ضرور کچھ رقم عنایت فرمائیں۔حضرت نے فرمایا کہ ہم اس شرط

---

☆: دوسری سہ ماہی کے پہلے وفد میں شیخ فضل احمد صاحب ہیڈ کلرک راولپنڈی کا نام درج ہے۔" یہ وفد ۲۰ جون ۱۹۲۳ء کو بعد نماز عصر روانہ ہوا۔سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ایدہ اللہ بنصرہ حسب دستور سابق بیرونِ قصبہ تک الوداع کہنے کے لئے تشریف لے گئے۔قادیان کے قریباً تمام احمدی احباب ساتھ تھے۔حضور نے ارکان وفد کے لئے تقریر فرمائی ............اور دعا کی۔اور سب سے ہاتھ مِلا کر رخصت کیا۔اس فہرست کے ۲۱۔احباب قادیان سے روانہ ہوئے اور باقی آگرہ پہنچ چکے ہیں۱۱۔" حضور کا یہ خطاب تین صفحات پر درج ہے ایسی نصائح فرمائی ہیں کہ ہدایات پر عمل کئے بغیر فائدہ مرتب نہیں ہوتا بہت سی چھوٹی باتیں بڑا اثر رکھتی ہیں۔مومن بزدل نہیں ہوتا۔خود فساد کھڑا نہ کرو۔افسروں کی کامل اطاعت کرو۔لوگوں سے میل ملاقات کی عادت ڈالو۔تبلیغی مقام نہ چھوڑو۔جس جگہ متعین ہو اس کے ماحول کو بھی اپنا ہی علاقہ سمجھو۔آریوں کے ایجنٹوں سے ہوشیار رہو۔دعاؤں پر خاص زور دو۔معترض کو عام فہم جواب دو۔لوگوں سے ہمدردی کرو۔اپنی کارگزاری کی یاداشت رکھو۔پہلے مبلغین کا جنہوں نے سخت مشکلات میں کام کیا شکر گذار بنو۔۱۲

پر ایک ہزار روپیہ دیتے ہیں کہ وہ پچھلا حساب دیں۔اور آپ جا کر اور کوئی کام نہ کریں محض اُن سے حساب لے کر پڑتال کریں۔اور ہمیں رپورٹ کریں۔آج سے آپ اُن کے ماتحت نہیں رہیں گے۔ براہ راست ہمارے ماتحت ہوں گے۔اور ہمارے احکامات کی تعمیل کریں گے۔ورنہ یہ ایک ہزار روپیہ آپ سے لیا جائے گا۔

مَیں روپیہ لے کر آگرہ پہنچا اور چوہدری صاحب کو حضرت کا ارشاد سُنایا اور حساب مانگا۔انہوں نے مجھے کاغذاتِ حساب دے دیئے۔جو مَیں نے پڑتال کر کے حضرت کے حضور پیش کئے تو مشکل حل ہوگئی۔حسابات دیکھنے سے معلوم ہوُا کہ حضرت چوہدری صاحب موصوف کی اپنی رقم بھی خرچ ہو چکی ہے۔جو چوہدری صاحب کو یاد نہیں رہی تھی۔اور وہ رقم میں نے ان کو واپس دلائی۔ یک صد سے زیادہ تھی۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ ایک احمدی دوست کسی گاؤں میں ملکانہ کی شدھی روکنے کے لئے متعین تھے۔وہاں دیوبند کے علماء کی طرف سے کوئی چپڑاسی یا چوکیدار بھی تھا۔جو ہمارے مسلمانوں کو جوش دلا کر جھگڑا پیدا کر دیتا تھا۔مجھے چوہدری صاحب موصوف نے حکم دیا کہ میں دہلی جا کر مولانا کفایت اللہ صاحب سے جو علماء دیوبند کے سرگروہ تھے مِلوں اور ان سے ذکر کروں کہ وہ اپنے آدمی کو سمجھا دیں کہ وہ ہمارے کام میں رکاوٹ نہ ڈالے۔مَیں دہلی پہنچا وہاں ایک احمدی دوست عبدالرحمٰن صاحب فرنیچر ڈیلر کو ہمراہ لے کر مولانا صاحب سے ملاقات کی وہاں مولانا سعید احمد صاحب یا احمد سعید صاحب سے بھی ملا۔مولانا کفایت اللہ صاحب نے حالات سن کر مولوی سعید احمد صاحب کو کہا کہ اپنے آدمی کو تنبیہ کریں کہ وہ جھگڑا نہ کریں۔انہوں نے مجھے فرمایا کہ فلاں بازار میں ہمارا دفتر ہے اور فلاں مولوی صاحب دفتر کے انچارج ہیں۔آپ ان کو یہ رقعہ دے دیں ہم دونوں وہاں جانے لگے تو مولانا احمد سعید صاحب کہنے لگے کہ یہ شدھی کا قصہ ختم ہو لے تو ہم تمام احمدیوں کے خلاف ایک محاذ قائم کریں گے۔اور آپ لوگوں کی ایسی خبر لیں گے کہ آپ کو ہوش آجائے گی۔میں نے جوش سے عرض کیا کہ مولانا ہم تو خدا تعالیٰ سے چاہتے ہیں کہ آپ ہماری مخالفت میں سارا زور لگا لیں اور پھر آپ بھی دیکھیں گے اور ہم بھی دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کس کی مدد کرتا ہے۔مولانا کفایت اللہ صاحب بھی میری بات سُن رہے تھے۔مگر انہوں نے کوئی بات نہ

کہی۔ راستہ میں مجھے عبدالرحمٰن صاحب نے کہا کہ خدا نے ہی تصرف کیا ورنہ یہ احمد سعید صاحب بڑے جوشیلے اور لڑاکے ہیں۔ خدا جانے یہ سب کچھ سن کر کیسے خاموش رہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا کہ بات نے طول نہ پکڑا اور قصہ وہیں ختم ہوگیا جب ہم دونوں دفتر علماء دیو بند پہنچے اور وہاں کے انچارج مولوی صاحب کو پیغام دیا تو انہوں نے کہا کہ میں اس چوکیدار کو ہدایت کروں گا کہ وہ جھگڑا نہ کرے۔ وہاں بہت سے علماء جمع تھے اور وہ ان کی دعوت وغیرہ کا انتظام کررہے تھے۔ مگر وقت بچا کر ہمیں کہنے لگے۔ ایک بات تو آپ لوگ بتلائیں۔ ہم حیران ہیں کہ جس کسی مولوی کو کسی گاؤں میں شدھی وغیرہ روکنے کے لئے بھیجتے ہیں۔ اس کو معقول تنخواہ دیتے ہیں۔ سفرخرچ دیتے ہیں۔ کسی گاؤں میں رہنے کے دیگر ضروری اخراجات بھی دیتے ہیں۔ مگر وہ مولوی تھوڑے دنوں کے بعد ہمیں کہتا ہے کہ میں وہاں نہیں رہ سکتا وہاں یہ آرام نہیں۔ فلاں سہولت نہیں، فلاں تکلیف ہے۔ یہ ہے وہ ہے۔ غرض وہ وہاں نہیں رہتا۔ اور ناراض ہوکر چلا آتا ہے۔ آپ لوگوں کے پاس وہ کونسا جادو ہے جس کے اثر سے آپ کے آدمی اپنی تنخواہ اور اپنا کرایہ خرچ کرکے اپنے خرچ پر گاؤں گاؤں پھرتے ہیں بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔ ماریں کھاتے ہیں۔ دُکھ اُٹھاتے ہیں۔ پھر بھی خوش بخوش ہیں۔ اس میں کیا راز ہے۔ ہم تو آپ لوگوں کے متعلق سوچ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ یہ بات کہنے والے بڑے عالم تھے۔ ہم نے کہا آپ دانا ہیں خود ہی سوچ لیں۔ وہ مسکرا پڑے اور ہم چلے آئے۔

اسی ذکر میں کہ احباب نے علاقہ ملکانہ کے جہاد میں کیسی کیسی جاں نثاری دکھلائی اور کیسی مشکلات کی زندگی کاٹی۔ میں حکیم فضل حق صاحبؓ بٹالوی مرحوم کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں جن دنوں آگرہ میں حسابات تیار کررہا تھا حکیم فضل حق صاحب مرحوم آگرہ آئے۔ انہوں نے مجھے بتلایا کہ میں الور میں متعین ہوں جو اس پہاڑ کے دامن میں ہے۔ جہاں حضرت کرشن جی مہاراج عبادت کیا کرتے تھے۔ وہاں بے شمار سانپ ہیں۔ اور کہتے تھے کہ ہم لوگ نماز عشاء پڑھ کر جب چارپائیوں پر سو جاتے ہیں تو صبح تک چارپائی سے نیچے نہیں اترتے کہ مبادا نیچے سانپ ہو اور وہ ہمیں کاٹ کھائے۔

# بعد پنشن خدماتِ سلسلہ اور رزقِ غیب کا سامان

آپ رقم فرماتے ہیں:

''غالباً آخر ۱۹۳۴ء میں مجھے لاہور چھاؤنی تبدیل کردیا گیا۔ بار بار کے تبادلوں سے میری طبیعت اُکتا گئی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ کسی طرح مجھے پنشن مل جائے اور میں قادیان میں بقیہ زندگی گذاروں۔ سو اللہ تعالیٰ نے میری خواہش پوری کردی اور میں طبّی لحاظ سے ناقابل ملازمت قرار دیا جاکر لاہور چھاؤنی سے غالباً ستمبر ۱۹۳۵ء میں قبل سبکدوشی طویل رخصت پر اپنے گھر قادیان آ گیا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے کمرہ بند کرکے دعا مانگی کہ الٰہی! تو مجھے اپنے رحم خاص سے میری خواہش کے مطابق قادیان لے آیا ہے۔ اب ایک اور نظرِ رحم کرکہ مجھے کسی کے در پر رزق اور ملازمت وغیرہ کے لئے جانا نہ پڑے۔ حتیٰ کہ خلیفہ کے دَر پر بھی نہ لے جائیو۔ اور اپنے فضل سے میرے رزق کے سامان کریو۔ دعا کے بعد میں نے کمرے کا دروازہ کھولا تو ایک احمدی بھائی کو کھڑے پایا۔ جو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی چٹھی لائے تھے۔ جس میں مرقوم تھا کہ آپ مجھے کسی وقت آ کر ملیں۔ میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ یہ قبولیت دعا کا نشان ہے۔ ملاقات میں آپ نے فرمایا کہ میں احمد آباد سنڈیکیٹ کا سیکرٹری ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے دفتر میں کام کریں۔ مَیں نے خوشی اور شکریہ کے ساتھ تعمیل ارشاد کی۔ مجھے علاوہ پنشن کے ۳۰ روپے ماہوار الاؤنس ملنے لگا۔ نیز مجھے احمدیہ سٹور کا مینیجر مقرر کیا گیا اور پندرہ روپے الاؤنس مقرر ہوا۔ اور مجھے اتنی ہی آمدنی ہونے لگی جتنی پنشن سے پہلے تھی۔ **الحمد للّٰہ** کہ اللہ تعالیٰ نے دعا سُن کر میری دستگیری فرمائی۔''

احمد آباد سنڈیکیٹ میں ۱۹۳۶ء اور چند ماہ ۱۹۳۷ء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ

کے ماتحت اور پھر جنوری ۱۹۴۱ء تک محترم خاں صاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ کے ماتحت میں نے کام کیا۔

حضرت میاں صاحبؓ نے اگر کبھی ایک لفافہ بھی ذاتی طور پر کسی کے نام لکھا تو اپنے پاس سے ڈاک خرچ دیا اور اپنا حساب اتنا پاک صاف رکھا کہ مجھے اس پاکیزگی کا علم ہو کر بے حد خوشی ہوئی۔ اور کیوں نہ ہو آخر کس کے صاجزادے تھے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے! سبحان اللہ! فروری ۱۹۴۱ء میں محترم مرزا شفیع صاحبؓ محاسب صدر انجمن احمدیہ نے بطور نگران افسر امانت مجھے لگانا چاہا۔ ۱۹۴۲ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مجھے علاقہ ناگپور میں پنڈھورنا مقام پر بھجوا دیا۔ ۱۹۵۰ء میں مجھے افسر امانت بنا دیا گیا☆۔ اس وقت مکرم مرزا عبدالغنی صاحبؓ مرحوم محاسب تھے۔ چونکہ آنکھوں میں موتیا بند اتر رہا تھا اس لئے ۱۹۵۰ء میں ہی درخواست دے کر میں نے فراغت حاصل کر لی اور چنیوٹ میں خانہ نشین ہو گیا۔ گویا ۱۹۳۶ء سے ۱۹۵۰ء تک خدمت کی توفیق پائی۔

اس فراغت کے باعث میری آمدنی یکدم بہت کم ہوگئی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے میرے بھانجے عزیزم سلیم اللہ خان سلّمہٗ کے دل میں ایسی محبت ڈال دی کہ انہوں نے ماہوار تیس روپے بھیجنے شروع کر دئے اور اس کے علاوہ بھی امداد کی۔ اس طرح غالباً ایک ہزار روپیہ یا اس سے زیادہ کی امداد کی۔ اللہ تعالیٰ اس کے مال۔ اولاد۔ ایمان اور عزت میں ترقی بخشے اور ہر طرح اس کا حافظ و ناصر ہو آمین۔

غرض میرے مولا نے جس کی نسبت کسی نے کہا ہے۔ ع

چو یک در بہ بند و کشاید دگر

میرے حال پر رحم کھا کر اس طرح اپنے فضل کا دروازہ کھول دیا۔ پھر اپنے رحم سے میرے لڑکے عزیز مبارک احمد سلّمہٗ، کو میٹرک کر کے ایک سو روپیہ ماہوار کی ملازمت دلا دی۔ غرض کچھ پنشن کچھ عزیزوں کی طرف سے رقم ملنے لگی۔ اور خدا تعالیٰ کے رحم نے میری دستگیری کی اور میری ماہوار آمد کافی ہوگئی۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ

---

☆: عملہ محاسب میں میزانیہ ۴۹۔۱۹۴۸ء تا ۵۱۔۱۹۵۰ء میں اور صیغہ امانت میں میزانیہ ۵۲۔۱۹۵۱ء میں آپ کا نام درج ہے۔

مومن کو اللہ تعالیٰ آفاق اور خود اس کے نفس میں نشانات دکھاتا ہے مگر کافر نشانات سے ایسے گزر جاتا ہے کہ اس کو نظر ہی نہیں آتے۔ بس میں یہ بھی اس کا نشان سمجھتا ہوں کہ اس نے محض رحم سے میری اور میرے بچوں کی پرورش کے سامان کر دئے حالانکہ بظاہر کوئی سامان نہ تھے۔ مگر میرے خدا نے مجھے ہر طرح نوازا اور میرے ایمان میں ترقی اور تقویت بخشی اس کی عطا اور بخشش سے آسمان اور زمین فیض اٹھا رہی ہے۔ جیسے مولانا روم فرماتے ہیں۔

اے خدا اے خالق عرشِ بریں!
شام را دادی توزلفِ عنبریں!
روز را شمعِ روشن اے کریم!
کردی روشن تر اَز عقل سلیم
اے خدا قربانِ احسانت شوم
کانِ احسانی بقربانت شوم

اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر اگر مَیں ہر وقت شکر ادا کرتا رہوں پھر بھی اس احسان کا کماحقہ، شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ایک خاص احسان مجھ پر یہ ہوُا کہ مجھے احمدیہ سٹور قادیان کا مینیجر ۱۹۳۵ء بنایا گیا تھا۔ اور مجھے یہ توفیق ملی کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی زیر ہدایت میں نے سٹور کے مکانات و دوکانات کی نیلامی کا بندوبست کیا۔ اور اس وقت عام خیال یہ تھا کہ احمدیہ سٹور کی اراضی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ سے ہی خریدی گئی تھیں۔ جب ہم ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد ربوہ آئے اور الاٹمنٹ وغیرہ کی قیمتوں کا سرکار سے مطالبہ کیا گیا تو میں نے تمام خریدارانِ ارضیات ودوکانات ومکانات کو بحیثیت مینیجر خرید کی تصدیقات دی تھیں۔ اس میں ایک ٹکڑا اراضی میرے ایک لڑکے کے نام پر میں نے خریدا ہوُا تھا۔ جب میرا مطالبہ پیش ہونے کا وقت آیا تو خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اراضیات کے ریکارڈ سے یہ پتا نہیں لگتا تھا کہ سٹور کی اراضی اس خاندان سے خرید کی گئی تھی۔ مَیں سخت حیران ہوُا کیونکہ مجھے یہ خوف دامن گیر ہوا کہ افسر متعلقہ نے مجھ سے پوچھ لیا کہ بطور مینیجر

احمدیہ سٹور یہ اراضی کس سے خریدی تھی تو میں کیا جواب دوں گا۔اور ثبوت نہ دے سکا تو وہ مجھ پر مقدمہ بنادے گا کہ یہ خود اپنی ملکیت ثابت نہیں کرسکتا۔اس لئے اس کو جواب دہ ہونا ہوگا۔کہ یہ اراضی کسی غیر کی تو نہ تھی جو اس نے نیلام کردی۔میں نے جب اس معاملہ کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے سامنے رکھا اور عرض کیا کہ مجھے اپنی رقم کا تو فکر نہیں۔فکر اس امر کا ہے کہ کہیں مجھ پر مقدمہ ہی نہ بن جائے۔آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے اور مجھے اس غم سے عزت کے ساتھ خلاصی بخشے۔آپ نے دعا کا وعدہ فرمایا اور میں کاغذات احمدیہ سٹور لے کر جھنگ گیا افسر نے حالات سُن کر ابھی یہ فیصلہ کرنا ہی چاہا تھا کہ صدر انجمن احمدیہ کا ریکارڈ پیش کریں کہ اتفاق حسنہ سے میری بحثیت مینیجر احمدیہ سٹور کاپی پیش کی گئی۔اور اس نے بغیر پس وپیش کئے اسے درست تسلیم کرکے مجھے گیارہ صد روپیہ کی ڈگری دے دی جس وقت وہ افسر حکم لکھ رہا تھا میں محوِ حیرت تھا کہ اگر اس نے صفحہ الٹ کر دیکھا اور بحثیت مینیجر میرے دستخط اور مہر کو دیکھا تو ممکن ہے اس کے دل میں خیال آئے کہ اصل مالک سے ملکیت کا ثبوت مہیا کیا جائے مگر تصرفِ الٰہی نے اسے ایسا کرنے سے روکے رکھا۔مَیں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ربوہ آکر میں نے حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کو یہ واقعہ سُنایا تو آپ نے نہایت خوشی سے فرمایا کہ آپ کے ساتھ وہی معاملہ ہوا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پیش آیا تھا۔جب مرزا امام دین صاحب نے مسجد مبارک کے سامنے دیوار بنادی تھی۔اور الہام ہوا تھا کہ چکی چلی اور فتح ہوئی۔

۱۹۵۲ء میں خاکسار نے ارادہ کیا کہ جو اراضی دو قطعے دارالرحمت شرقی میں میری خرید کردہ ہے کہ اس پر مکان تعمیر کروں۔لیکن اس قدر روپیہ نہ تھا۔سو ارادہ کیا کہ ایک قطعہ فروخت کردوں۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی خدمت میں میں نے اس کا ذکر کیا۔آپ کے دریافت کرنے پر عرض کیا کہ اس ایک کنال کے قطعہ کی قیمت اٹھارہ صد روپیہ کے قریب مجھے مطلوب ہے۔فرمایا یہ تو زیادہ قیمت ہے۔عرض کیا کہ دعا فرمائیں کہ مجھے اتنی رقم مل جائے۔آپ نے قطعہ دیکھ کر دعا کا وعدہ فرمایا۔اور اللہ تعالیٰ نے چند روز میں پونے انیس سو روپیہ میں اس کی فروخت کا سامان کردیا۔اور اس سے مجھے تعمیر مکان کی توفیق عطا کی۔**فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔**

ابتداء ۱۹۵۰ء میں بائیں آنکھ میں نزول الماء کا آغاز ہونے کے باعث میں نے دفتر امانت کے کام سے فراغت حاصل کر لی۔ اور اکتوبر ۱۹۵۶ء میں گنگا رام ہسپتال لاہور میں مکرم ڈاکٹر محمد بشیر صاحب برادر مکرم قاضی محمد اسلم صاحب (حال پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ) نے آپریشن کیا۔ اپریل ۱۹۵۹ء میں اسی شفا خانہ میں دوسری آنکھ پر عملِ جراحی کیا گیا۔ ایسے موقع پر کسی حاضر باش خدمت گذار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر دو بار پسرم عزیزم رشید ناصر صاحب عین وقت پر پہنچ جاتے رہے۔ دیگر کوئی بیٹا فارغ نہ ہو سکتا تھا۔ مالی تنگی بھی تھی۔ پھر نفخ کی تکلیف بھی۔ بعد عملِ جراحی چوبیس ۲۴ گھنٹے سیدھے لیٹا رہنا پڑتا ہے۔ اور حرکت سے زخم متاثر ہوتا ہے۔ اور اپریشن کامیاب نہیں ہوتا۔ ہر دو مواقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا بھی فرمائی۔ اور نصف صد روپیہ کی امداد بھی کی۔ سو بحمد للہ اپریشن کامیاب ہوئے۔

میرے دفتر امانت کے بعض افسران کا خیال تھا کہ ترکِ ملازمت سے میری آمد کم ہونے کے باعث مجھے پریشانی ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحم سے دستگیری فرمائی۔ اور میری آمد دو چند ہوگئی۔ سرکاری پنشن نصف صد روپیہ کے علاوہ میرے ہمشیرہ زاد عزیزم سلیم اللہ خاں سلّمہٗ کچھ عرصہ نصف صد اور کچھ عرصہ تیس روپے ماہوار کی امداد کرتے رہے پھر مجھے ایک بچے سے تیس روپے اور پھر دو بچوں سے ساٹھ روپے ماہوار ملنے لگے۔ **فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔**

## قادیان سے ہجرت

تقسیم برصغیر کے نتیجہ میں کیسے ہولناک مصائب کا سامنا ہوا اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت کیسے ایک قلیل تعداد اور اموال والی جماعت کے نفوس و اموال کی حفاظت کا باعث بنی۔ شیخ صاحب کا اس بارے میں یہ بیان ہے جو خود شیخ صاحب کی سیرۃ پر بھی روشنی ڈالتا ہے آپ بیان کرتے ہیں:

''اگست ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک ہوئی اور قادیان سے نکلنے کا سامان ہونے لگا۔ یہ بڑی مصیبت کے دن تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے ہمارے دلوں پر اپنی

رحمت کے مرہم کا پھاہا رکھا۔حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ لاہور تشریف لے گئے اور وہاں سے صاحبزادہ حضرت مرزا بشیراحمد صاحبؓ کو (جو قادیان میں بحیثیت امیر تمام امور کے منتظم تھے) پیغامات بھیجے کہ قادیان میں جو لوگوں کی امانتیں ہیں لاہور بھجوائی جائیں۔اس پر حضرت ممدوحؓ نے مجھے حکم دیا کہ مَیں وہ امانتیں لاہور لے جاؤں۔ان دنوں حضرت خلیفۃ المسیح لاہور سے ٹرک بھجوایا کرتے تھے۔جن میں قادیان کی مستورات اور بچے لاہور جاتے تھے۔مگر ان ٹرکوں میں لاہور جانا کارِدارد والا معاملہ تھا۔قادیان کے غیراحمدی لوگ بڑا بڑا کرایہ دے کر ٹرک والوں سے جگہ لے لیتے تھے۔اور بہت سے احمدی جگہ نہ پاکر واپس آجاتے تھے۔یہی حالت میری تھی۔میں صُبح کو امانتوں کے ٹرنک دفتر سے حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی کوٹھی پر لاتا۔جگہ نہ ملتی تو شام کو واپس خزانہ صدرانجمن میں لے جاتا۔آخر ۲۰ستمبر کو مجھے جگہ مل گئی۔اور میں یہ ٹرنک لے کر قادیان سے روانہ ہوا۔جب ہم قادیان سے ایک میل باہر آئے تو اس چھ بسوں والے قافلہ کو روکا گیا۔اور سامان اور ٹرنک وغیرہ چیک ہونے کا انتظار کرنا پڑا۔اتنے میں میاں روشن دین صاحب زرگر میرے پاس آئے اور منت سماجت سے کہنے لگے کہ میرا پارسل لاہور لے جائیں۔اس میں سونے کی تین سلاخیں ہیں۔مَیں نے مان لیا اور ان کا پارسل اپنے کیش بکس میں رکھ لیا۔اتنے میں ایک ڈوگرہ لیفٹیننٹ آ گیا اور سامان چیک کرنے لگا۔اس نے مجھ سے پوچھا کہ اس کیش بکس میں کیا رکھا ہے میں نے کہا کہ ایک شخص نے یہ کہہ کر پارسل بطور امانت دیا ہے کہ اس میں تین سلاخیں سونے کی ہیں۔اس نے پارسل کھولا اور میری طرف مخاطب ہوکر کہا کہ یہ دیکھ لیں۔مَیں آپ کی سونے کی سلاخیں آپ کو واپس دے رہا ہوں۔اور پھر بس کے اندر دوسرے سامان کو چیک کرنے لگا۔اس میں فضل عمر ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے جستی ٹرنک اور بڑے بڑے

صندوق تھے۔ان میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔وہ جس صندوق کو کھولتا
اوپر سے نیچے تک چیک کرتا کہ کتابوں کے علاوہ کوئی اور چیز اسلحہ وغیرہ تو
نہیں۔جب وہ دوتین ٹرنک دیکھ چکا اوراس کو اطمینان ہوگیا تو میری
طرف آیااور جہاں میرے والے امانتوں کے جستی ٹرنک تھے۔ان کو دیکھ
کراز خود ہی کہنے لگا یہ بھی ریسرچ کا ہی سامان ہے اوراس نے قافلہ کو
جانے کی اجازت دے دی۔بسیں روانہ ہوئیں۔میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر
ادا کیا۔کیونکہ میرے ساتھ جو امانت کے ٹرنک جارہے تھے اُن میں
لاکھوں روپے کی ڈبیاں اور پارسل تھے۔کسی کے زروجواہر۔کسی کے زیور
کسی میں پونڈ وغیرہ وغیرہ۔واللہ اعلم کیا کچھ نہ تھا۔اوراگراس افسر کو شبہ
بھی ہوجاتا کہ ٹرنکوں میں لاکھوں کا مال ہے تو وہ ضرور روک لیتا اورٹرنک
کھلواتا اوراندر سے ہرایک ڈبہّ کھولتا۔تو خدا جانے وہ لالچ میں آ کر کہتا
کہ ہم جانے نہیں دیں گے۔بھارت سرکار کورپورٹ ہوگی۔اگر سرکار نے
اجازت دی تو یہ مال جائے گا۔ورنہ نہیں۔یہ ایسی مصیبت تھی جس کے
تصور سے ہی میری جان پر بن جاتی تھی۔کہ کسی کو میری بات کا یقین کیسے
آئے گا کہ یہ مال فلاں نے لے لیا ہے۔نہ مجھے کوئی رسید دی جائے گی نہ
کوئی اورصورت اطمینان کی ہوگی۔مگر میں اپنے خدا پر قربان جاؤں کہ
حضرت خلیفۃ المسیح کی توجہ سے یہ مشکل یوں حل ہوئی کہ فوجی افسر نے بغیر
دیکھے ہی یہ سمجھ لیا کہ یہ ریسرچ کا سامان ہے۔اور چونکہ وہ ریسرچ کے
ٹرنک دیکھ کراطمینان کر چکا تھا کہ ان میں کتابیں ہیں اور کچھ نہیں اس لئے
اس نے یہی گمان کیا کہ ان میں بھی کتابیں ہیں۔یہ کس قسم کا زمانہ تھا۔اور
کیسی مصیبت کا وقت تھا۔جن لوگوں نے وہ مصیبت نہیں دیکھی وہ اس کا
قیاس بھی نہیں کرسکتے اور میں نے چونکہ یہ نظارے دیکھے تھے۔اس لئے
میرے دل پر یہی اثر ہے کہ یہ محض خدا کا رحم اور فضل تھا۔جو حضرت خلیفہ
ثانی کی توجہ اور دعاؤں سے مجھ پر ہوا۔کیونکہ حضور چاہتے تھے کہ امانتیں

لاہور پہنچ جائیں اور اس پر زور دیتے تھے جیسا کہ میں نے سُنا ہے۔ یہ کہتے ہوئے کہ حضرت نبی کریم صلی للہ علیہ وسلم نے جب ہجرت فرمائی تھی تو حضرت علیؓ کو حکم دیا تھا کہ امانتیں جلد اُن کے مالکوں تک پہنچادیں۔ یہ تڑپ تھی جو احمدیوں کا مال بچا کر لانے کا ذریعہ بن گئی۔ ورنہ بظاہر مجھے کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

''جب ہمارا قافلہ موضع تتلے کی نہر کے پل پر پہنچا تو بس کے کلینر نے شور کرنا شروع کر دیا کہ سر نیچے کرو سامنے سِکھ بندوقیں لے کر مورچے بنائے بیٹھے ہیں۔قریب ہے کہ قافلہ پر حملہ کر دیں۔

ایک آفت سے تو مرمر کے ہوا تھا جینا!
پڑگئی اور یہ کیسی میرے اللہ نئی!!

بَسیں جب پُل سے پار ہوئیں تو قافلہ کے انچارج حوالدار نے حکم دیا کہ بَسیں اسی جگہ ٹھہر جائیں اُس نے اُتر کر اپنی بَرین گن سَیٹ کی اسی طرح اُس کے ایک ماتحت نے بھی۔ سِکھوں نے جو کھیتوں کی منڈیروں کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک قسم کا مورچہ بنائے ہوئے تھے۔ گولیاں چلانی شروع کر دیں مگر خدا تعالیٰ نے بچا لیا قافلہ کے کسی فرد کو نہ لگیں۔ اور حوالدار اور اس کے ساتھی نے فائر کرنے شروع کئے۔ کہا جاتا تھا کہ تیس بتیس سِکھ مارے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ **واللّٰہ اعلم**۔ غرض قافلہ وہاں سے روانہ ہوا۔ اور کچھ ہی دور گیا تھا کہ سامنے سے سِکھوں یا ڈوگروں کی فوج کے افسر ایک جیپ میں آرہے تھے۔ ہمیں خیال آیا کہ جب وہ سکھوں کی لاشیں دیکھیں گے تو ہمارے قافلہ کا تعاقب کر کے ہمیں روک لیں گے۔ مگر خدا تعالیٰ نے رحم کیا اور ہم بٹالہ پہنچ گئے۔ وہاں سڑک پر دیکھا کہ ایک ڈھیر لگا ہوا ہے۔ اور اس میں سینکڑوں قرآن مجید پڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے وہاں سے چند قرآن شریف اٹھا لئے۔ بٹالہ میں قافلہ کو روکا گیا۔ بڑی دیر میں چلنے کی اجازت ملی ہم نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا

اور روانہ ہوئے۔امرتسر پہنچے تو وہاں بڑی دیر لگی۔وہاں سے چلے تو راستہ
میں چھ بسوں میں سے ایک خراب ہوگئی۔غرض خدا خدا کر کے لاہور بارڈر
پہنچے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا جنت میں آگئے ہیں۔رات کے دس بجے
ہم جودھامل بلڈنگ پہنچے۔الحمدللّٰہ ثم الحمد للّٰہ۔‘‘

## چنیوٹ کی امارت

آپ بیان کرتے ہیں کہ بوجہ نزول الماء دفتر امانت سے فارغ ہونے پر تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ انتخابات ہوئے۔چنیوٹ میں مکرم حاجی تاج محمود صاحبؓ ایک نہایت نیک اور پاک بزرگ تھے۔مَیں نے ان کا نام پیش کیا۔مگر مکرم صوفی محمد ابراہیم صاحب امیر جماعت نے جو چنیوٹ سے ربوہ منتقل ہو رہے تھے۔امارت کے لئے میرا نام پیش کیا اور مجھے متفقہ طور پر منتخب کر لیا گیا۱۳؎۔چونکہ مجھے وہم گمان بھی نہ تھا کہ چنیوٹ جیسی جگہ میں جہاں مجھ سے بدرجہا بہتر۔لائق اور قابل احمدی احباب موجود ہیں۔مجھے امیر بنایا جائیگا۔اس لئے مجھے حیرت پر حیرت ہوئی۔اور میں نے دعا مانگی کہ یا الٰہی تجھے علم ہے کہ مَیں نے اس امارت کی خواہش نہیں کی یہ تیری تقدیر کے ماتحت ہوا ہے۔مگر میں عرض کرتا ہوں کہ اگر اس کا نتیجہ ذلت اور گناہوں کی سزا ہے تو تیری صفات کا واسطہ دیتا ہوں کہ رحم فرما اور مجھے اس ذلت سے بچا اور میرے گناہ معاف فرما جن کی سزا مجھے ملنے لگی ہے۔اور اگر یہ کام تیرے دین کی خدمت کا ذریعہ بنے گا تو تیرا احسان و کرم ہے۔پھر میری مدد کر اور میرا معین ہو جا سو الحمد للہ کہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۱ء تک وہ میری مدد فرماتا رہا جس کے بعد میں ربوہ منتقل ہو گیا۔

## انفاق فی سبیل اللہ

آپ کو انفاق فی سبیل اللہ کی توفیق مِلی اور اس بارے میں آپ کے معیار اور تعہد سے ایک آریہ سماجی افسر بھی متعجب و متاثر ہوا آپ تحریر فرماتے ہیں:

(۱): ڈیرہ اسماعیل خان میں جہاں میں ۱۹۳۴ء میں متعین تھا ایک عجیب لطیفہ

ہوا۔ہمارا کرنل (جو انگریز تھا) رخصت یا پنشن پر ولایت جانے لگا تو اس کو پارٹی دینے کی تجویز کلرکوں نے کر کے ایک فیصلہ کیا کہ چیف کلرک ہر ایک کلرک کی تنخواہ سے کچھ رقم کاٹ لے اور یہ ساری رقم جمع کر کے پارٹی کے اخراجات میں صرف کی جائے۔اس کے مطابق ایک فہرست بنائی گئی اور ہر ایک کلرک سے اس کے نام کے سامنے رقم لکھ کر دستخط کرائے گئے۔میرے نام پر جو رقم لکھی گئی وہ اتنی زیادہ تھی کہ میں اس کام کے لئے اس کو ادا کرنا پسند نہ کرتا تھا۔اس لئے میں نے اپنا نام کاٹ دیا۔اس پر دفتر میں شور پڑ گیا۔قریباً تمام کلرک اکٹھے ہو گئے ان کو دیکھ کر چیف کلرک آیا۔اس نے جب فہرست کٹی ہوئی دیکھی تو کہنے لگا آپ نے یہ کیا کیا۔مَیں نے کہا آپ دیکھ رہے ہیں جو مَیں نے کیا ہے کہنے لگا کیا آپ کرنیل صاحب کو پارٹی دینا نہیں چاہتے۔میں نے کہا کہ میں اتنی رقم نہیں دے سکتا۔کہنے لگا کیا آپ باقی کلرکوں کا ساتھ نہیں دیں گے۔مَیں نے کہا یہ کوئی مذہبی بات نہیں جو مجھے مجبور کرے کہ مَیں ضرور دوں کہنے لگا یہ بعد میں فیصلہ کریں گے پہلے کرنیل صاحب سے پارٹی کا وقت معلوم کر لیں۔پوچھنے پر کرنیل نے کہا کہ پارٹی کے لئے میرے پاس کوئی وقت نہیں وہ لٹکتا ہوا منہ لے کر واپس آ گیا دفتر بند ہونے پر ہم گھروں کو روانہ ہو گئے۔مگر تمام کلرک میری اس جرأت پر تعجب کرتے تھے۔بازار میں پہنچنے پر چیف کلرک نے مجھ سے پوچھا کہ اس قسم کی دلیری کی وجہ کیا ہے۔مَیں نے کہا میں احمدی ہوں اور ہر ایک احمدی ماہوار چندہ دیتا ہے۔اس لئے وہ اپنے اخراجات پر غور کرتا ہے کہ کیا میرے چندہ پر اثر تو نہیں پڑے گا۔میں نے بھی سوچا تو مجھے خیال آیا کہ یا مَیں چندہ نہ دوں یا گھر والوں کو مقررہ خرچ نہ دوں۔تب مَیں اتنی رقم جو آپ مانگ رہے ہیں آپ کو دے سکتا ہوں۔اس لئے میں نے فیصلہ کیا چندہ ضرور دینا ہوگا۔آپ لوگ ناراض ہوجاتے ہیں تو ہوں۔چیف کلرک مجھ سے پوچھنے لگا کہ کتنا چندہ تم ماہوار دیا کرتے ہو۔مَیں نے جب بتایا تو تعجب سے کہنے لگا میں تو اتنی رقم آریہ سماج کو (وہ آریہ تھا) سال بھر میں بھی نہیں دیتا۔جتنی آپ ایک ماہ میں دیتے ہیں۔اور پھر کہا کہ اب مجھے سمجھ آئی کہ آپ لوگ اتنے دلیر کیوں ہیں یہ کہہ کر اور کچھ اثر لے کر چلا گیا۔

(۲):اللہ تعالیٰ کے بعض انعامات بالکل اسی رنگ میں ملتے ہیں۔جیسے حضرت مسیح

موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ ع گر چہ بھاگیں جبر سے دیتا ہے قسمت کے ثمار

منارۃ المسیح کی تعمیر کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

''اب جو دوست اس منارہ کی تعمیر کے لئے مدد کریں گے میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بھاری خدمت کو انجام دیں گے۔ اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ ایسے موقعہ پر خرچ کرنا ہرگز ہرگز ان کے نقصان کا باعث نہیں ہوگا۔ وہ خدا کو قرض دیں گے اور مع سود واپس لیں گے۔''[۱۴۰]

خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے اور میری زوجہ اوّل سردار بیگم کو اس چندہ کے ادا کرنے کی اس حال میں توفیق بخشی جب کہ ہمارے پاس زیادہ مال نہ تھا اور ہمارا نام منارہ پر لکھوادیا۔ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ جیسا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ''مع سود واپس لیں گے'' ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ معاملہ کیا۔ مجھے اس چندہ کے ادا کرنے کے بعد بہت سا روپیہ دیا اولاد بھی دی اور زوجہ اوّل کو بھی بہت سا روپیہ دلایا۔ **الحمد اللّٰہ ثم الحمد اللّٰہ**☆۔

(۳): آپ نے ۲۰۔۱۹۱۹ء میں مدرسہ احمدیہ کے طلباء کے لئے فنڈ میں دو روپے ماہوار وظیفہ دیا حضرت خلیفہ رشیدالدین صاحبؓ جنرل سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ ایسے ''بزرگوں'' کے متعلق ''جنہوں نے اس مبارک تحریک میں حصہ لیا'' تحریر کرتے ہیں:

''مَیں اس جگہ ان اصحاب کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جو اگر چہ اپنے لڑکے تو مدرسہ میں نہیں بھیج سکے۔ لیکن انہوں نے اس خاکسار کی تحریک پر ایسے لڑکوں کے کُل یا بعض اخراجات اپنے ذمہ لے لئے ہیں۔ جن کو انجمن خرچ نہیں دے سکتی۔ اللہ تعالیٰ ان کے مالوں میں برکت دے اور ان کے روپوں سے تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کو توفیق دے کہ وہ ان کی خواہشوں کے مطابق دین کے سچے خادم بنیں اور ان کے لئے خدمتِ دین میں صدقہ جاریہ ہوں☆☆۔''

---

☆: آپ دونوں کے اسماء یوں کندہ ہیں: ۱۴۱ شیخ فضل احمد بٹالہ، ۱۴۲ اہلیہ فضل احمد بٹالہ

☆☆: رپورٹ (ص ۶۳ تا ۶۵) ان اکیس افراد میں سے تین نے ایک روپیہ دیا۔ چار نے دو روپے۔

(۴): علاقہ ملکانہ کے ارتداد کے سلسلہ میں ہنود کے جو منصوبے تھے ان کو ناکام بنانے کے لئے مالی قربانی بھی درکار تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مشاورت ۱۹۲۳ء میں فرمایا کہ اسلام پر یہ نازک وقت آیا ہے۔ جیسے بچہ مری ہوئی ماں کو طمانچہ مارتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ وہ مخول کررہی ہے۔ اگر وہ سمجھ جائے کہ ماں مرگئی ہے تو خیال کرو کہ اس کا کیا حال ہوگا۔ اسی طرح اسلام پر دشمن کا جو حملہ ہے اگر اسے پورے طور پر سمجھ لیا جائے تو کوئی قربانی مسلمان اس کے انسداد کے لئے اٹھا نہ رکھیں۔ اس فتنہ کے انسداد کے لئے چندہ خاص نصف لاکھ روپیہ کی فراہمی منظور کی گئی۔ اور اس کا اقل چندہ ایک سو روپیہ رکھا گیا۔ جنرل اوصاف علی خان صاحب مالیر کوٹلہ کے نصف ہزار روپیہ کے چیک کا حضور کی طرف سے اعلان کرنے پر احباب نے رقوم پیش کرنا شروع کیں۔ جن کی تعداد قریباً ساڑھے دس ہزار ہوگئی۔ بابو فضل احمد صاحب نے سوا دو صد روپیہ لکھوایا☆☆۔

(۵): چندہ تحریک جدید میں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے دفتر اوّل میں شمولیت کی توفیق بخشی۔ حالانکہ میری حالت بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اسی طرح خدائے رحیم وکریم نے چندہ وقف جدید میں شامل ہونے کی توفیق بھی عطا کی☆☆☆۔ آپ نے ۱۹۱۳ء میں وصیت کی تھی گویا اس رنگ میں پچپن سال تک مالی قربانی کا موقعہ آپ نے پایا☆☆☆☆۔

---

بقیہ حاشیہ: دو نے تین روپے تین نے پانچ روپے۔ تین نے چھ روپے ایک نے دس روپے اور پانچ نے بارہ روپے ماہوار کا ذمہ لیا تھا۔ آپ کا نام بابو فضل اللہ ہیڈ کلرک کیمل کور نمبر ۵۱ چھاؤنی نوشہرہ مرقوم ہے فضل احمد کی بجائے سہو کتابت ہے۔

☆☆: رپورٹ مشاورت (صفحہ نمبر ۵۵) مزید اس وقت سینتیس ۳۷ افراد نے ایک ایک صد دو نے ڈیڑھ ڈیڑھ صد دو نے بشمول حضور دو دو صد۔ جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے اڑھائی صد۔ ایک نے تین صد ایک نے چار صد تیرہ۔ پانچ نے پانچ پانچ صد اور حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ نے ایک ہزار روپیہ پیش کیا۔

☆☆☆: ''تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین'' میں آپ کی محترمہ اہلیہ دوم کا چندہ انیس سالہ سات سو اٹھہتر روپے درج ہے۔ ۱۵

☆☆☆☆: نمبر وصیت ۵۹۷ تاریخ وصیت ۱۹ جولائی ۱۹۱۳ء۔

# خاندان حضرت مسیح موعودؑ سے رابطہ

غالباً ۱۹۲۲ء میں ایک دفعہ حضرت اُم المؤمنینؓ واقعہ محلّہ دارالامان میں میرے مکان پر تشریف لائیں۔ اہلیہ اوّل گھر میں موجود تھیں۔ میں آپ کے لیے مٹھائی لایا۔ آپ نے ازراہ کرم اسے قبول فرمایا۔ اور آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کے ہاں پہنچا دی۔ غالباً ۱۹۲۱ء میں خاکسار نے حضرت خلیفہ ثانیؓ اور صاحبزادگان حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ۔ حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحبؓ۔ اور بعض دیگر معزز احباب کی دعوت کی۔ اور میاں مولا بخش صاحب باورچی کے ذریعہ کھانا تیار کروایا اور ان سے کہا کہ کوئی ایسی چیز بھی تیار کریں جسے حضرت صاحب خاص طور پر پسند کرتے ہوں۔ تو انھوں نے سالم مرغ بریانی تیار کیا جسے حضرت نے پسند فرمایا اور کچھ تناول فرمایا۔ الحمدللہ اس دعوت کے بعد میں نے قادیان کے ان دوستوں کی دعوت کی جو کہ بظاہر غریب معلوم ہوتے تھے۔ الحمدللہ۔ شاید ۱۹۲۳ء میں خاندان مسیح موعود علیہ السلام کی خواتین محترمات کی دعوت کی جس میں حضرت ام المومنینؓ بھی تشریف لائی تھیں۔ الحمدللہ ☆۔

---

☆: قادیان گائیڈ میں اس محلّہ کا نام ''باب الامن'' مرقوم ہے تقسیم ملک سے بہت پہلے یہ بہت سے نام عام طور پر متروک تھے جن میں سے ایک یہ بھی ہے:

۱۔ سابق دکان محمد بخش صاحب عرف مہندا انگلی مرحوم

۲۔ سابق دکان بھائی شیر محمد صاحب حال درویش قادیان

۳۔ مکان ڈاکٹر سید غلام غوث صاحبؓ

۴، ۵۔ دکانات مملوکہ حضرت خلیفہ اوّلؓ

۶، ۷۔ دو مکانات

۸۔ مکان میاں عبداللہ صاحب مرحوم عرف بوڑی جس کا ذکر صادق محلّہ میں ہے (قادیان گائیڈ ۱۰۴)

۹۔ مکان شیخ فضل احمد صاحب چوبارہ سمیت اب بھی قائم ہے۔ اس میں دعوتیں ہوئیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ

# سِلسلہ کے لٹریچر میں ذکر

## متفرق امور کے تعلق میں آپ کا ذکر جو سلسلہ کے لٹریچر میں آیا ہے۔ یہاں درج کیا

بقیہ حاشیہ: صاحب نے یہ مکان تالیف ''قادیان گائیڈ'' (نومبر ۱۹۲۰ء) کے بعد بنایا اس لئے اس میں تذکرہ نہیں۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ امیر قادیان بتاتے ہیں کہ شیخ صاحب نے مکان خود تعمیر کرایا تھا۔

جاتا ہے۔مثلاً آپ جماعت میں ممتاز تھے اس لئے قادیان میں آمد پر الفضل میں ذکر ہوتا رہا۔بزرگوں سے خاص مراسم تھے۔مشاورت میں آپ نے اپنی جماعت کی نمائندگی کی۔اعزازی انسپکٹر بیت المال مقرر ہوئے۔آپ نے اپنی زندگی وقف کی۔ریویو آف ریلیجنز کی اشاعت میں مدد خریدار پیدا کر کے کی۔اور اس رنگ میں اشاعت اسلام میں شریک ہوئے ☆۔

---

☆:

(۱): قادیان میں آمد کا ذکر راولپنڈی سے (الفضل ۱۰ اگست ۱۹۱۵ء زیر ''مدینۃ المسیح'' سات احباب کا ذکر ہے) نیز ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۲ء (ص ۲ کالم ۱) یہاں ہیڈ کلرک کیمل کور راولپنڈی کا عہدہ درج ہے۔

(۲): آپ پنشنر محلّہ دارالفضل قادیان کی بچی کی سخت علالت اور درخواست دعا (الفضل ۲۹ مئی ۱۹۴۳ء زیرِ مدینۃ المسیح)

(۳): ریویو کے لئے ایک ایک خریدار مہیا کرنا (ریویو آف ریلیجنز اور دو جولائی ۱۹۱۳ء ص ۲۷۲ بمقام کوہ مری۔ نیز ستمبر ص ۳۳۹) پہلی بار سات دوسری بار آٹھ ایسے افراد مرقوم ہیں۔

(۴): جماعتوں کے معائنہ اور وصولی بقایا کے لئے انتالیس اعزازی انسپکٹر بیت المال مقرر ہوئے۔آپ لاہور میں قیام رکھتے تھے۔اور جماعت امرتسر کے لئے انسپکٹر مقرر کئے گئے۔(الفضل ۲۴ مارچ ۱۹۳۱ء۔ ص ۸ کالم ۲)

(۵): مشاورت ۱۹۲۳ء میں شرکت از طرف جماعت راولپنڈی اور کمیٹی بیت المال کی رکنیت۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس شوریٰ میں فرمایا کہ نظارتوں کے قیام کے اعلان کے ساتھ میں نے کہا تھا کہ کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو کبھی کبھی ان محکموں کا معائنہ کریں تا غلطیوں کی اصلاح ہو سکے۔سو جو احباب دفاتر کے کام سے واقف ہوں۔میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے نام پیش کریں۔اس پر چار احباب نے بشمول شیخ فضل احمد صاحب نام پیش کئے۔(رپورٹ ص ۲، ۲۸، ۴۲، ۴۳) چھاؤنی لاہور سے شرکت (رپورٹ مشاورت ۱۹۳۰ء ص ۴۱۲) مشاورت اجلاس ثانی اکتوبر ۱۹۳۶ء میں شرکت قادیان سے (رپورٹ ص ۷۹)

(۶): آپ کے خلفاء کرام اور ابناء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علاوہ بہت سے بزرگوں سے مخلصانہ مراسم تھے۔تقسیم ملک سے قبل بعد پنشن خاکساران کا ہمسایہ تھا۔دیکھا حضرت ملک مولا بخش صاحبؓ ناظم

## انتقالِ پُر ملال

آپ کے انتقال کے متعلق موٴقر الفضل رقمطراز ہے:

''حضرت شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی وفات پا گئے۔ **انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون**۔ ربوہ ۳۱ ظہور نہایت افسوس اور رنج کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ حضرت شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی جو کہ اصحابِ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سے تھے۔ کل صبح سات بجے بعمر قریباً پچاسی ۸۵ سال لاہور میں وفات پا گئے۔ **انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون**۔ جنازہ ربوہ لایا گیا۔ بعد نماز جمعہ محترم مولانا قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری امیر مقامی نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں کثیر تعداد میں احباب شامل ہوئے بعد ازاں مقبرہ بہشتی کے

---

بقیہ حاشیہ: جائیداد کے ساتھ ایسے ہی گہرے تعلقات تھے۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ سے بھی تھے۔ آپ جب امریکہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تشریف لے گئے تو ''نامۂ صادق'' میں بعض احباب کے خطوط کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''(۷): بابو شیخ فضل احمد صاحب نوشہرہ۔ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جس کے لئے آپ کو اور بھی شکر گذار ہونا ضروری ہے۔ یہ بات مَیں نے کسی خاص ذوق اور نمایاں فرق کو مدّ نظر رکھ کر لکھا ہے۔''[۱۶]

(۸): جماعت سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے خدمت دین کے لئے مطالبہ وقف پر آپ نے وقفِ زندگی کی۔ ایسے احباب کی معیت میں آپ کا نام الفضل ۲۰ مئی ۱۹۴۴ء (ص ۵ کالم ۳) میں مرقوم ہے۔

(۹): آپ اپنے اوپر بہت سے افضالِ الٰہی کا ذکر کرتے ہیں جو اس کتاب میں متفرق طور پر درج ہو چکے ہیں۔ ان میں یہ بھی بیان ہے کہ حضرت خلیفہ ثانیؓ کے زمانہ میں آپ پر بہت اللہ کے فضل ہوئے۔ مثلاً انتخاب خلیفہ میں رائے دینے کا۔ چنانچہ آپ انتخابِ خلافت ثالثہ میں شامل ہوئے۔

قطعہ صحابہ☆ میں تدفین عمل میں آئی۔

''حضرت شیخ صاحب نہایت مخلص نیک بے ضرر اور دعا گو بزرگ تھے ۱۹۰۵ء میں بیعت سے مشرف ہوئے۔پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں یادگار چھوڑے ہیں جن میں سے ایک مکرم محمد احمد صاحب واقف زندگی وکالت تبشیر کے کارکن ہیں اور دوسرے مکرم لئیق احمد صاحب طاہر انگلستان میں مبلغ اسلام کے طور پر کام کر رہے ہیں۔احباب دعا فرماویں کہ اللہ تعالے حضرت شیخ صاحب کو درجات عالیہ عطا فرمائے۔اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔آمین۔''

حضرت شیخ فضل احمد صاحبؓ بٹالوی رضی اللہ عنہ کے زیر عنوان آپ کے صاحبزادہ مکرم ملک محمد احمد صاحب کی طرف سے ذیل کے حالات زندگی بسلسلہ تذکرہ اصحاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام شائع ہوئے:

''میرے والد حضرت شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ میں سے تھے بعارضہ بندش پیشاب جولائی کے پہلے ہفتہ میں بیمار ہوئے۔قریباً دو ماہ میو ہسپتال لاہور میں زیر علاج رہنے کے بعد ۳۰ اگست بروز جمعہ صبح سات ۷ بجے وفات پا گئے۔انّا للّٰہ وانّا الیہٖ راجعون۔اسی روز آپ کی نماز جنازہ بعد نماز جمعہ محترم قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری نے پڑھائی اور بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص صحابہ میں آپ

---

☆:الفضل یکم ستمبر ۶۵ء کتبہ کی عبارت سطر بہ سطر درج ذیل ہے:

مزار

شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی

ربوہ

ولادت ۱۸۸۴ء بیعت ۱۹۰۴ء

وفات ۳۰/۸/۱۹۶۸ عمر ۸۴ سال

نمبر وصیت ۵۹۷

کی تدفین ہوئی بوقت وفات آپ کی عمر ۸۵ سال تھی ۔
''آپ کی پیدائش ۱۸۸۳ء میں بٹالہ ضلع گورداسپور میں ہوئی۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ مرحومہ سنایا کرتی تھیں کہ میں تمھارے والد کی دوسری بیوی تھی۔پہلی بیوی کی اولاد لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں ۔میرے ہاں بھی پہلی ولادت لڑکی ہوئی۔تمھارے والد نے اپنے مرشد (جو پیر رتڑاں چھتڑاں والے کے نام سے مشہور تھے اور دھرم کوٹ رندھاوا میں رہتے تھے۔ان کی تعریف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی کی ہے ) کی خدمت میں اولاد نرینہ کے لیے درخواست دعا پیش کی تو انھوں نے بعد دعا بتلایا کہ تمھیں ایک ایسا لڑکا ملے گا جو بڑی عزت اور برکت پائے گا۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ خاکسار کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت اور غلامی سے وہ عزت اور برکت مل گئی جس کی انھیں خبر دی گئی تھی ۔
''آپ چھ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا آپ کی والدہ مرحومہ نے آپ کو تعلیم دلائی ۔اور آپ پندرہ برس کے تھے کہ والدہ بھی وفات پا گئیں۔
''۱۹۰۴ء میں آبزرور پریس لاہور میں آپ پروف ریڈر کے طور پر ملازم ہوگئے۔وہاں محترم ڈاکٹر محمد طفیل صاحب نے آپ کو تبلیغ کی اور ریویو آف ریلیجنز کا ایک پرچہ پڑھنے کے لئے دیا۔اس کا اثر آپ کی طبیعت پر ایسا پڑا کہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ ریویو میرے نام پر جاری فرمایا جائے ۔چنانچہ حضور نے گزشتہ سب پرچے (۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۴ء تک ) آپ کو بھجوا دیئے ان کو پڑھنے کے بعد آپ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوگئے ۔قبول احمدیت کے بعد ۱۹۰۶ء میں جب آپ اپنی ملازمت کے سلسلہ میں انبالہ چھاؤنی میں مقیم تھے حضرت چوہدری رستم علی صاحبؓ نے آپ کو سیکرٹری تبلیغ بنا دیا اور تبلیغ کرنے کی ہدایت فرمائی ۔اس طرح آپ کو احمدیت کی تعلیم کے گہرے مطالعہ کا موقع

ملا ۔جب آپ حضرت چوہدری رستم علی صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو انہیں حضرت مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی کی سوانح عمری جو فارسی میں تھی سنایا کرتے تھے۔فارسی زبان سے آپ کو خاص لگاؤ تھا۔ اور ہزاروں اشعار زبانی یاد تھے ۔اپنے آخری ایام میں بھی محترم میاں عبدالحق صاحب رامہ ناظر بیت المال کے سامنے قریباً روزانہ کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علاوہ درثمین فارسی بڑے ذوق وشوق سے پڑھا کرتے تھے۔

''۱۹۰۷ء میں آپ کی پہلی شادی ہوئی اور نہ صرف یہ کہ آپ کی تبلیغ سے ہماری والدہ نے بیعت کر لی بلکہ ان کی والدہ اور بھائیوں نے بھی اور اس طرح آپ کے خاندان میں احمدیت کا سلسلہ جاری ہوگیا،مگر ہماری پہلی والدہ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی ۱۹۱۹ء کا ذکر ہے کہ جب والد صاحب نے حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے کشف میں دیکھا کہ اس بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوگی ۔البتہ دوسری بیوی سے ہوگی۔اس کا ذکر انھوں نے اپنی کتاب حیات قدسی میں بھی کیا ہے ۔ہماری پہلی والدہ مرحومہ کے رشتہ داروں نے چاہا کہ کسی عزیز کے بچّے کو متبنٰی بنایا جائے مگر آپ اس پر رضا مند نہ ہوئے اور کہا کہ اس سے تو لاولد رہنا ہی بہتر ہے۔

''حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے آپ کا ابتدائی زمانہ سے ہی گہرا تعلق تھا۔۱۹۲۰ء میں ایک خط میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو تحریر فرمایا:

''آپ کی طرف سے ۱۰۰ روپیہ پہنچ گیا چونکہ اس وقت روپے کی خاص ضرورت تھی۔اور خدا تعالیٰ سے دعا کرنے پر وہ روپیہ آیا تھا اس لئے خاص طور پر دعا کی گئی ۔آپ کے نکاح ثانی کے متعلق دعا کروں گا ۔اگر ممکن ہوا تو کوئی جگہ بھی بتلا سکوں گا۔''

''اسی ضمن میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرّ نے جب وہ حج کے

لئے تشریف لے گئے والد صاحب کو لکھا کہ میں نے جدّہ کے قریب کشف میں دیکھا ہے کہ آپ کی گود میں لڑکا ہے اور ایک ہاتھ میں روپوں کی تھیلی ہے نکاح ثانی کے سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے میرے نانا حضرت مولوی سراج الحق صاحبؓ پٹیالوی کے ہاں رشتہ تجویز کیا اور والد صاحب سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو اس جگہ رشتہ پسند ہے؟ آپ نے عرض کیا کہ میں تو حضور کی پسندیدگی پر ہی یہ معاملہ رکھوں گا کیونکہ میں نے یہ پہلی شادی اپنی خواہش سے کی تھی۔اور اس کا جو نتیجہ نکلا وہ ظاہر ہے۔ ۱۹۲۳ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خود ہی درسِ قرآنِ کریم سے پہلے مسجد اقصیٰ میں نکاح کا اعلان فرمایا۔

''احمدیت میں شامل ہونے کے بعد آپ کی طبیعت مذہب کی طرف بہت زیادہ مائل تھی اور آپ نمازیں اور دیگر عبادات بڑی باقاعدگی سے بجالاتے تھے ظہر کے وقت نماز باجماعت کے لئے دفتر سے جایا کرتے تھے۔ ہندو اور سکھ کلرک اسے پسند نہ کرتے تھے۔۱۹۱۰ء میں ایک سکھ ہیڈ کلرک نے افسر اعلیٰ کے پاس شکایت کی اس نے دریافت کیا کہ کیا تم نماز کے لئے جاتے ہو؟ آپ نے فرمایا یہ درست ہے وہ کہنے لگا۔جب تک میں اجازت نہ دوں تم نہیں جاسکتے ۔اس پر آپ نے فرمایا کہ نماز تو میں ضرور پڑھوں گا اور اب بھی نماز کے لئے ہی جارہا ہوں۔آپ عبادت سے مجھے نہیں روک سکتے ۔اس کے بعد آپ دفتر نہ گئے اس افسر نے آپ کو ملازمت سے برخاست کر دیا۔جس کے لئے آپ پہلے ہی تیار تھے۔مگر اس کے بعد اللہ تعالی نے آپ کو پہلے سے بہتر ملازمت غیر معمولی حالات میں عطا فرمائی اور کمانڈنگ افسر نے خود جائے نماز خرید کر دیا اور کہا کہ میرے دفتر میں نماز پڑھا کرو، یہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی دعاؤں کی برکت تھی ایسے ہی واقعات آپ کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت اور دعاؤں پر یقین بڑھانے کا موجب بنتے گئے ۔۱۹۱۰ء کی گرمیوں میں آپ

کو دفتر کی طرف سے لاہور سے ڈلہوزی جانے کا آرڈر ملا۔آپ لکھتے ہیں کہ میرے ہمراہ میری بیوی۔اس کا بھائی اکبر علی اور میرے بھائی امیر احمد سفر کر رہے تھے ایک ٹانگے میں ہم تھے اور تین ٹانگوں میں ہندو کلرکوں کے اہل وعیال تھے جب دنیرہ پڑاؤ پر پہنچے تو شام ہوگئی۔وہاں کے ہندو کلرکوں نے اپنے ہندو بھائیوں کو اپنے خیموں میں جگہ دے دی اور میں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ہر چند مکان یا ٹینٹ کی تلاش کی مگر کچھ نہ ملا۔اکبر علی نے گھبرا کر کہا رات سر پر آ گئی ہے اب کیا ہوگا میں نے کہا۔ع

خدا داری چہ غم داری

خدا تعالیٰ ضرور کوئی سامان کر دے گا۔اتنے میں ایک گھوڑ سوار آیا اور اس نے مجھے محبت سے سلام کیا۔اور پوچھا آپ یہاں کہاں؟ مَیں نے قصہ سنایا تو وہ کہنے لگا کہ میں ابھی آتا ہوں تھوڑی دیر میں وہ چند سپاہیوں کے ساتھ ایک ٹینٹ لایا اور خیمہ لگوا کر اس میں گھاس بچھوا دیا اور پانی وغیرہ رکھوا کر چلا گیا اور رات کے قریباً گیارہ بجے دال روٹی اور زردہ لے کر آیا اور معذرت کرنے لگا کہ دیر ہو گئی تھی اس لئے گوشت نہیں مِل سکا۔پھر میرے پوچھنے پر کہا آپ مجھے نہیں جانتے؟ آپ نے ہی تو میری درخواست لکھی تھی جس پر مجھے دفعداری مل گئی تھی۔پھر وہ چند آدمی پیچھے چھوڑ گیا کہ رات کو پہرہ دیں اور صبح کو خیمہ سنبھال لیں۔

''آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور دیگر افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے غیر معمولی محبت وعقیدت تھی۔مندرجہ ذیل دو واقعات سے اس تعلق پر روشنی پڑتی ہے۔

''ڈلہوزی پہنچ کر میں ایسے محلّہ میں اترا جہاں کوئی احمدی نہ تھا۔کوتوال عبدالغفار صاحب کا مکان راستے میں پڑتا تھا۔ان کے مکان پر بڑے بڑے لوگ اترا کرتے تھے۔مَیں آتے جاتے ہوئے کوتوال صاحب کو سلام کر کے گزر جاتا مگر ان کے پاس نہ بیٹھتا۔ایک روز انہوں نے مجھے

پوچھا کہ آپ میرے پاس کیوں نہیں بیٹھتے ۔دیکھو میرے پاس مہمان آتے رہتے ہیں خوب کھاتے پیتے ہیں ۔آپ کبھی نہیں آتے ۔مَیں نے عرض کیا کہ جن چیزوں کی آپ کے پاس افراط ہے ۔مَیں ان اشیاء کا نہ شائق ہوں نہ طلب گار مجھے تو ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنے کی خواہش ہوتی ہے جو خدا کی باتیں کریں اور سنیں ۔اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگے کہ مجھے تو آپ جیسے لوگ پسند ہیں ۔مَیں انھیں ایک ٹیلے پر لے گیا ۔ وہاں انہوں نے دل کھول کر باتیں کیں ۔اور کہا کہ یہ دنیا دار تو میرے پاس کھانے کے لئے آتے ہیں ۔حقیقت میں نہ ان کو میرے ساتھ محبت ہے نہ مجھے ان کی خواہش ۔سو شکر ہے کہ تم مل گے ۔میں نے اسے کہا کہ ہمارے سلسلے میں ایک نو جوان ایسا ہے جس کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے ۔پوچھنے لگا وہ کون ہے؟ مَیں نے کہا کہ مرزا محمود احمد صاحب آف قادیان ۔اس پر اس نے ملنے کی بڑی خواہش ظاہر کی ۔اس خواہش صادق کو خدا تعالیٰ نے اس طرح پورا کر دیا کہ جب میں ملازمت چھوڑنے کے بعد قادیان گیا تو دیکھا کہ ایک یکّہ مسجد مبارک کی سیڑھیوں کے پاس کھڑا ہے ۔پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ (جوان دنوں میاں صاحب کہلاتے تھے ) ڈلہوزی تشریف لے جا رہے ہیں ۔تھوڑی دیر کے بعد آپ تشریف لائے پوچھنے پر فرمانے لگے ڈلہوزی جا رہا ہوں ۔ میں نے عرض کیا کہ وہاں کا کوتوال عبدالغفار خاں آپ سے ملنے کا بے حد مشتاق ہے ۔جب یکّہ روانہ ہو گیا تو میں نے اسی وقت ایک لفافہ لکھ کر کوتوال صاحب موصوف کو اطلاع دی کہ اس ڈاک کے ساتھ وہ نوجوان صالح جن کا ذکر میں نے کیا تھا ۔اور جن کا اسم گرامی مرزا محمود احمد صاحب آف قادیان ہے ڈلہوزی آرہے ہیں آپ ان سے ملیں ۔ بعد کے واقعات کا علم مجھے خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ہوا ۔حضور نے فرمایا کہ میرا لفافہ ملنے پر کوتوال نے اپنے آدمی بھیجے کہ آپ کی جائے

رہائش کا پتہ لگائیں ان لوگوں نے سمجھا کہ ایک بڑے پیر کے لڑکے ہیں اس لئے خاص اہتمام اور خاص خدام کے ساتھ آئے ہوں گے ۔مگر کچھ پتہ نہ چلا۔آخر کوتوال صاحب شہر گئے تو انہیں علم ہوا کہ آپ ایک احمدی کے مکان پر اترے ہوئے ہیں کوتوال صاحب وہاں آئے اور تمہارا لفافہ دکھا کر مجھے کہا میں آپ کی تلاش کر رہا تھا اب آپ مل گے ہیں تو میرے مکان پر تشریف لے چلیں غرض وہ مجھے اپنے مکان پر لے آیا اور شہر و چھاؤنی کے شرفاء کو دعوت دے کر بلایا اور کہا کہ پہلے آپ تقریر فرمائیں بعد میں کھانا کھلایا جائے گا۔

والد صاحب اپنے حالات میں لکھتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ کی ذات پاک دلوں پر نظر رکھتی ہے ۔۱۹۲۵ء میں اللہ تعالیٰ نے حضور (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ) کی اولاد اور خاندان مسیح موعود علیہ اسلام کے متعدد دیگر افراد کو میرے پاس بھجوا کر میری خواہش پوری کر دی اور وہ اس طرح کہ غالباً جولائی ۱۹۲۵ء کی کسی تاریخ کو ایک قافلہ کی صورت میں ،خاندان حضرت مسیح موعود علیہِ السلام کے سات صاحبزادگان جن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بھی شامل تھے میرے ہاں تشریف لائے ۔ان صاحبزادگان کی موجودگی سے ہر قسم کی برکت اور رونق ہوگئی یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان تھا ورنہ بے حیثیت کب اس لائق تھا۔

''آپ اپنی ملازمت کے سلسلے میں کوئٹہ،لاہور،راولپنڈی،شملہ،انبالہ، رزمک نیز کئی شہروں میں رہے لیکن جہاں بھی آپ گئے ۔وہاں کی جماعت کے سرگرم رکن رہے اور مختلف عہدوں پر خدمت سلسلہ سرانجام دیتے رہے۔ ملکانہ کی تحریک میں بھی شامل ہو کر نمایاں خدمت بجالائے ۔اور کسی دنیاوی خطرے کو دین کے مقابل کبھی خاطر میں نہ لائے ۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی علالت کے آخری ایام میں آپ اور ڈاکٹر بشارت احمد

صاحب (غیر مبائع) راولپنڈی میں تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی
کہ جماعت کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے مولوی محمد علی صاحب اور
ڈاکٹر بشارت احمد صاحب جو کوششیں کر رہے تھے ان کو بے نقاب کریں
اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ متعدد احباب کو بیعت کرا کے خلافت ثانیہ
سے وابستہ کرنے کا ذریعہ بنے ان میں خاص طور پر حضرت مولوی علی
احمد صاحب حقانی کی بیعت کا واقعہ ہے جو ابتلاء میں پڑ گئے تھے بلکہ ایک
وقت جماعت سے منقطع بھی ہو گئے تھے۔مگر اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی
اور آہستہ آہستہ تمام شکوک وشبہات رفع ہونے پر والد صاحب کے ساتھ
جا کر خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بیعت سے مشرف ہو گئے۔

''آپ اپنی ملازمت کے دوران ہمیشہ اپنے انگریز افسروں تک پیغام حق
پہنچاتے رہے۔اور وہ آپ کی غیر معمولی جرأت ایمانی۔فرض شناسی اور
حق گوئی سے بہت متاثر ہوتے تھے بلکہ بعض خیالات کے لحاظ سے قریباً
مسلمان ہو گئے تھے۔مذہبی مخالفت کے باوجود آپ کی فوجی خدمات کے
اعتراف کے طور پر آپ کو متعدد میڈل ملے۔جب آپ بنوں میں تھے تو
یونٹ کے بعض مخالف غیر احمدی عہدیداروں نے ایک عرضداشت پیش
کرنی چاہی کہ ہمیں ان (شیخ فضل احمد صاحب) کے خلاف ایک شکایت
ہے یہ ہمارا مذہب خراب کر رہا ہے ہم اس کے ساتھ کام نہیں کر سکتے۔
انہوں نے ایک رسالدار کو بطور نمائندہ منتخب کیا اور وہ والد صاحب کے
احترام کی وجہ سے وہ عرضداشت لے کر پہلے ان کے پاس آیا اور وہ کاغذ
دکھا کر پوچھا کہ آپ اس کا کیا جواب دیں گے۔آپ نے فوراً کہا میں
صاحب سے کہوں گا کہ دیکھ لیں قرآن کریم عیسائیوں کو پکا کافر کہتا ہے۔
پس جب آپ بڑے کافر ہوئے اور ان لوگوں کا آپ کے ساتھ گذارہ ہو
سکتا ہے تو میرے ساتھ کیوں نہیں ہو سکتا۔حالانکہ میں بقول ان کے چھوٹا
کافر ہوں۔ان لوگوں کو یہ علم نہ تھا کہ کمانڈنگ آفیسر میجر وارڈل بھی والد

صاحب کے زیر تبلیغ ہے اور اسلام کی تعلیم سے حد درجہ متاثر ہے آپ اسے اسلامی اصول کی فلاسفی اور دیگر کتب دے چکے تھے۔ میجر وارڈل پر اسلامی اصول کی فلاسفی (انگریزی) کا اتنا اثر تھا کہ اس نے والد صاحب سے کہا کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ کر دیں میں اپنے عہدیداروں کو یہ کتاب پڑھانا چاہتا ہوں تا کہ انھیں قرآن کی خوبیوں کا علم ہو۔ جب آپ نے بتایا کہ اصل کتاب اردو میں ہی ہے تو اس نے کہا کہ آرڈر دے کر ۳۷ کاپیاں منگوائیں اس کے اصرار پر قادیان سے ۳۷ کتابوں کا VP منگوایا گیا اور کمانڈنگ آفیسر کے حکم سے دفتر نے ہی VP چھڑا کر صاحب کو بھجوایا۔ ابھی وہ عرضداشت رسالدار کے ہاتھ میں ہی تھی کہ کمانڈنگ افسر آ گیا۔ اور رسالدار نے سب کو FALL In ہونے کا حکم دیا اور کمانڈنگ افسر نے ہر ایک کو ایک ایک کتاب اسلامی اصول کی فلاسفی دینی شروع کی اور ہر ایک نے صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد صاحب نے کتاب کی تعریف بڑے عمدہ پیرایہ میں کی۔

آپ کو دعاؤں کی قبولیت پر غیر معمولی یقین تھا۔ جب ۱۹۳۵ء میں پنشن لے کر قادیان میں آ گئے تو آمدنی میں کمی سے پریشانی اور تنگی لازمی تھی۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

میں نے کمرے کا دروازہ بند کر کے دعا مانگی کہ الٰہی تو مجھے اپنے رحم خاص سے میری خواہش کے مطابق قادیان لے آیا ہے۔ اب ایک اور رحم کی نظر کر۔ کہ مجھے کسی کے دروازے پر رزق اور ملازمت کے لیے جانا نہ پڑے اور اپنے فضل سے میرے رزق کے سامان کر۔ دعا کرنے کے بعد کمرے کا دروازہ کھولا تو باہر ایک احمدی بھائی کو کھڑے پایا اس کے ہاتھ میں ایک چِٹھی تھی وہ کہنے لگا کہ یہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے بھیجی ہے میں نے پڑھی تو اس میں حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف نے لکھا تھا کہ آپ مجھے کسی وقت آ کر ملیں۔ میرے دل میں خدا نے ڈالا کہ یہ قبولیت دعا کا نشان ہے۔

''حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف ( رضی اللہ عنہ ) نے آپ کو اپنے دفتر میں لگالیا۔آپ وہاں ۱۹۳۶ء سے جنوری ۱۹۴۱ء تک کام کرتے رہے اور پھر ۱۹۵۰ء تک صیغہ امانت میں غرضیکہ اس طرح آپ کو ۱۵ سال کے طویل عرصہ تک پنشن کے بعد سلسلے کی خدمت کرنے کا موقع بھی ملا۔ جسے آپ نے نہایت دیانت داری اور احساس ذمہ داری کے ساتھ نبھایا۔

''۱۹۴۷ء میں قادیان سے ہجرت کے وقت آپ کو ایک اہم ذمہ داری سپرد ہوئی۔ یعنی لاکھوں روپے کی مالیت کے زیورات جو لوگوں نے بطور امانت صدرانجمن احمدیہ میں جمع کروائے ہوئے تھے انہیں پاکستان لانا تھا۔ اور کوئی یقینی انتظام موجود نہ تھا۔آپ ان زیورات کے بکسوں کو صبح کے وقت دفتر سے لاتے اور کسی ٹرک میں جگہ نہ ملنے پر ناکام واپس لے جاتے ۔ یہ دن رات آپ نے نہایت پریشانی اور دعاؤں میں گزارے نہ ہی کسی کو اپنا ہمراز بنا سکتے تھے۔آخر کئی دن کے بعد ایک ٹرک میں جگہ ملی۔ اس میں ریسرچ کی کتب اور دوسرے سامان کے بکس بھی چڑھا دیے گئے یہ خاص مشیت ایزدی تھی۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دعاؤں کا عجیب نشان، جب اس قافلہ کی تلاشی لی گئی ۔ اور سامان کھلوانے کے لئے جس ٹرنک کو بھی ہندوستان ملٹری نے کھلوایا۔اس میں ریسرچ کا سامان ہی نکلا۔اوراس طرح معجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ توفیق دی۔ کہ ان امانتوں کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خواہش کے مطابق بحفاظت پاکستان میں منتقل کرسکیں ۔جن لوگوں نے وہ مصیبت نہیں دیکھی۔ وہ ان حالات کا اب قیاس بھی نہیں کر سکتے ۔آپ کی دیانتداری کی ایک مثال میاں روشن دین صاحب زرگر کا ہزاروں روپے کا سونا بغیر کسی تحریر کے دینا اور پاکستان میں آپ کا اسے واپس کرنا اور اصرار کے باوجود کوئی معاوضہ قبول نہ کرنے کا ذکر مکرم محمد شفیع صاحب اسلم کے مضمون میں آچکا ہے۔

''ایک دفعہ قادیان میں آپ کو درد گردہ ہوا۔تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ہومیو پیتھک دوائی ٹنکچر پیریرا بریوا استعمال کرنیکی ہدایت فرمائی۔اس سے تین پتھریاں خارج ہوئیں اور پھر کبھی یہ تکلیف نہ ہوئی۔درد گردہ کے بعض مریضوں کو حضورؓ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ فضل احمد صاحب کو ایک دوائی میں نے بتائی ہوئی ہے۔ان سے پوچھ لیں۔دراصل یہ حضور کی ذرہ نوازی تھی تا کہ ایک شفایاب مریض سے مل کر وہ زیادہ مطمئن ہو جائیں۔ورنہ دوائی تو خود حضور بھی بتا سکتے تھے۔

''نومبر ۱۹۵۷ء میں آپ کو بندش پیشاب کی تکلیف ہوگئی۔اور ایک ماہ سے زائد عرصہ تک صبح و شام کیتھیڑا کے ذریعہ پیشاب خارج کروایا جاتا تھا۔تمام ڈاکٹری علاج بے نتیجہ رہے اور آپ اس قدر کمزور ہو گئے کہ بغیر سہارے کے آپ کروٹ بھی نہیں لے سکتے تھے۔چہ جائیکہ ڈاکٹری مشورہ کے مطابق اپریشن کے لیے آپ کو لاہور لے جایا جاتا۔بعض ڈاکٹر صاحبان نے اپنے اس خیال کا اظہار بھی کر دیا تھا کہ ایک دو دن سے زیادہ یہ زندہ نہیں رہ سکیں گے۔اور اب کسی علاج یا پرہیز کی ضرورت نہیں ہے۔بیڈسور کی تکلیف بھی ہوگئی تھی۔اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے ماتحت کہ تدبیر جاری رکھنی چاہیئے۔ہومیو پیتھک علاج شروع کر دیا گیا مگر آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر روپے پیسے انسان کو موت سے بچا سکیں تو بادشاہ کبھی نہ مریں۔اور اگر ڈاکٹر موت سے بچا سکتے ہوں۔تو وہ خود اور ان کے خاندان کے لوگ کبھی نہ مریں مگر یہ تقدیر خدا تعالیٰ چاہے تو دعا سے ٹل سکتی ہے۔آپ کو حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ اور حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہ جہانپوری (اللہ تعالیٰ حضرت حافظ صاحب کی عمر میں برکت دے) سے بہت محبت تھی اور دوسرے کام چھوڑ کر بھی ان بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کیا کرتے تھے۔جب بیماری طویل ہوگئی اور آثار نومیدی ظاہر ہونے لگے۔تو ایک دن آپ نے

حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔مَیں ان کی خدمت میں حاضر ہؤا۔اورآپ تشریف لے آئے۔ بیماری کی کیفیت کو سنا اور پھر اللہ تعالیٰ کی صفات اور قدرتوں کے جلوے اور قبولیت دعا کے مضمون پر آپ نے تقریر فرمائی اور اسی دوران نہایت بلند اور پُر شوکت آواز سے ’’اللہ اکبر‘‘ کا نعرہ بلند کیا اور اس وقت آپ بے حس وحرکت جھکے ہوئے تھے۔پگڑی چارپائی پر اور سوٹی زمین پر گر پڑی تھی۔چند لمحوں کے بعد جب یہ کیفیت دور ہوئی تو آپ نے فرمایا۔میں نے کشف میں دیکھا ہے کہ فرشتے نور کے پانی کی مشکیں بھر کر آپ کو غسل دے رہے ہیں اس کی دو ہی تعبیریں ہیں۔اور دونوں مبارک یا تو مرض ڈھل کر جسم سے نکل جائے گا۔اور صحت ہو جائے گی۔یا پھر انجام بخیر ہو جائے گا۔میرے والد محترم فرماتے تھے کہ انہی دنوں جب مکرم میاں غلام محمد صاحب اختر میری عیادت کے لئے آئے تو میں نے چشم پُر آب ہو کر کہا کہ اگر آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں حاضر ہوں تو میری طرف سے بعد سلام مسنون عرض کریں کہ وہ کہتا ہے۔بادشاہوں کے ہاں جب کبھی شادی وغیرہ کی خوشی کے ایام آتے ہیں تو وہ قیدیوں کو رہا کیا کرتے ہیں(ان دنوں حضرت مصلح موعودؓ کے خاندان میں کوئی خوشی کا موقعہ تھا)حضور کے خاندان میں خوشی کا موقع آیا ہے۔ میں مرض کا اسیر ہوں۔خدا کے حضور دعا کر کے مجھے مرض سے آزاد کرائیں۔مجھے میاں غلام محمد صاحب اختر نے بعد میں بتایا کہ جب میں نے یہ پیغام پہنچایا تو حضرت اقدس کے چہرے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے سُن کر دعا کی ہے۔آپ فرمایا کرتے تھے۔ایک روز مجھے خیال آیا کہ خود پیشاب کر کے دیکھوں۔میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔جب میں نے دیکھا کہ خود بخود پیشاب آ گیا۔اور پھر کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی۔میرے دل پر غالب اثر یہ ہے کہ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی قبولیت دعا کا نشان ہے

اور دوسرے بزرگوں کی دعائیں بھی اس میں شامل ہیں۔
''اس بیماری سے شفا پانے کے بعد آپ دس سال تک زندہ رہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کرام کی دعاؤں کی برکت سے وافر حصہ ملا۔خدا تعالیٰ نے آپ کو بہت سی اولاد سے نوازا بلکہ ان کی اولاد اور آگے ان کی اولاد کو بھی دیکھ لیا۔آپ کی خواہش تھی کہ میرے لڑکے خادم دین بنیں سو اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی میں ہی ہم تین بھائیوں کو خدمت سِلسلہ بجالانے کی توفیق دی۔آپ نے اپنے حالات اور واقعات کو اپنی زندگی میں کبھی شائع کروانا پسند نہیں کیا۔بلکہ مکرم ملک صلاح الدین صاحب کے اصرار پر آپ نے کچھ حالات قلم بند تو کئے مگر یہ وصیت کر دی کہ میری وفات کے بعد انہیں شائع کرنے کے لئے دئے جائیں۔
''آپ نے اپنی علالت کے آخری ایام نہایت صبر سے۔خدا تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہتے ہوئے دن رات تسبیح وتحمید اور دعاؤں میں گذارے کبھی کوئی کلمہ ناشکری کا آپ کی زبان سے نہ سُنا۔آخری وقت تک چہرے کی بشاشت قائم رہی۔آپ کو کچھ عرصے سے ایسی خوابیں آرہی تھیں۔جن میں وفات کی طرف اشارہ تھا۔رحیم وکریم خدا نے جو زندگی بھر ان کی دستگیری کرتا رہا آخری ایام میں بھی بڑے معجزانہ طور پر اپنی نصرت کا اظہار فرمایا۔
''اللہ تعالیٰ نے ایسے غیر معمولی حالات پیدا کر دیئے کہ میرے ایک بھائی رشید ناصر کو یہ توفیق دی کہ ہزاروں روپے ان کے علاج پر خرچ کر سکے۔اور دوسرے عزیزوں کو جن میں میرے بھائی اور بہنوئی شامل ہیں۔دو مہینے تک دن رات بڑے خلوص اور ہمت کے ساتھ ان کی خدمت کی توفیق دی۔
''ہم خاص طور پر حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں جنہوں

نے مسلسل اپنی دعاؤں سے نوازا اور خدا تعالیٰ کی رحمت کو ہمارے شامل حال کیا، ہمارے غم میں شریک ہوکر ہمیں سہارا دیا۔اور دیارِ غیر میں مقیم میرے بھائیوں سے تار کے ذریعہ اپنی طرف سے تعزیت اور ہمدردی کا اظہار فرمایا۔خدا تعالیٰ اس بابرکت وجود کو صحت وتندرستی سے تا دیر سلامت رکھے۔اور ہمیں حضور کی مکمل اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

''ہم ان تمام بزرگوں اور بھائیوں کے بھی احسان مند ہیں جنھوں نے والد صاحب مرحوم کی علالت کے دوران دعائیں کیں۔اور ان کی وفات پر اظہار ہمدردی کے لئے تشریف لائے یا خطوط بھجوائے اور نہ صرف پاکستان کے کئی شہروں میں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی جنازہ غائب پڑھا۔

''احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے والد محترم کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے والد مرحوم کے نقش قدم پر چلیں۔اور ہماری زندگیاں بھی دین کی خدمت میں بسر ہوں۔اور خلافت کی برکات سے ہمیشہ فیض اٹھاتے رہیں'' آمین ۷۱؎۔

# حوالہ جات

۱: بدر ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۴۹ء
۲: الحکم ۲۱ جولائی ۱۹۳۴ء ص ۱۱
۳: الحکم ۱۴ مئی ۱۹۱۱ء ص ۱۰
۴: یہ وقار عمل ۱۱ مارچ ۱۹۱۰ء کو ہوا تھا۔ البدر ۲۴؍ ۱۷ مارچ ۱۹۱۰ صفحہ ۲
۵: مندرجہ تاریخ احمدیت جلد چہارم (ص ۵۸۳)
۶: الفضل ۷ جنوری ۱۹۵۸ء (ص ۸ کالم ۱)
۷: آپ لکھتے ہیں کہ یہ ۱۹۰۷ء کا مکتوب ہے۔ اس کے عکس کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد چہارم (ص ۶۴۴)
۸: الفضل ۲۳؍ ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۲ء ص ۲ کالم ۲
۹: ۱۵ فروری ۱۹۲۳ء زیر ''مدینۃ المسیح''
۱۰: ملائکۃ اللہ صفحہ ۵۰ بار اول
۱۱: الفضل ۲۵ جون ۱۹۲۳۔ صفحہ ۱
۱۲: الفضل ۳ جولائی ۱۹۳۳ء۔
۱۳: الفضل ۱۵ اگست ۱۹۵۰ء (ص نمبر ۵)
۱۴: مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۲۹۵ زیر نمبر ۲۲۱
۱۵: فہرست دار الرحمت ربوہ۔ ص ۱۱۴، ۱۱۵
۱۶: (الفضل ۱۷ جنوری ۱۹۲۱ء ص ۹)
۱۷: الفضل ۵/۶/۸/ ۱ اخاء ۱۳۴۷ ھش (اکتوبر ۱۹۶۰ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

# خان صاحب منشی برکت علیؓ صاحب شملوی
# محترمہ صاحب جان صاحبہؓ والدہ
# محترمہ عزیزہ بیگم صاحبہؓ اہلیہ

## تعارف

حضرت منشی برکت علی صاحبؓ ساکن بستی شیخ ضلع جالندھر شملہ میں ملازمت کی وجہ سے شملوی کہلاتے تھے۔شروع سے متدیّن تھے۔قبولِ احمدیت سے پہلے ہی چندہ میں شرکت کرنے لگے۔۱۹۰۱ء میں آپ نے اورآپ کے جلد بعدآپ کی والدہ محترمہ اوراہلیہ محترمہ نے احمدیت قبول کرلی۔آپ متعدد بارحضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی زیارت سے مشرّف ہوئے۔

۱۹۰۶ء میں دس بارہ دن کے قیامِ قادیان میں ہردوخواتین کوحضورؑ اورحضرت ام المؤمنینؓ کی ملاقات نصیب ہوئی۔صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کے ہمراہ آپ کی کمسِن بچی کھیلتی تھی۔حضورؑ نے اسے گود میں اٹھایا اور پیارکیا۔والدہ صاحبہ مخیّر تھیں۔اورصوم وصلوٰۃ کی پابند۔بعمر بیاسی برس ۱۹۱۵ء میں وفات پائی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے نمازجنازہ پڑھائی۔اورآپ بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوئیں۔

آپ کی اہلیہ محترمہ شعائر اللہ کی تعظیم کرنے والی۔چندہ جات اورزکوٰۃ ادا کرنے میں باقاعدہ۔بزرگوں اورخاوند کے اقارب کا زیادہ خیال رکھنے والی،سادگی پسند،دل کی صاف،قناعت پسند،تقویٰ میں مشہور،غرباء کا خاص خیال رکھنے والی اور خاوند کی ایسی خدمت کرنے والی تھیں کہ گھر بہشت کا نمونہ نظرآتا تھا۔لجنہ اماء اللہ شملہ کی صدررہ چکی تھیں۔دسمبر ۱۹۴۹ء میں چھیاسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔جلسہ سالانہ پرآمدہ ہزاروں

احباب سمیت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے نماز جنازہ پڑھی اور جنازہ کو کندھا دیا۔اور فرمایا کہ مَیں ایک ضروری کتاب لِکھ رہا ہوں۔ورنہ قبرستان تک ساتھ جاتا۔آپ مقبرہ بہشتی ربوہ میں مدفون ہوئیں۔

محترم خاں صاحب نے جماعت شملہ میں سیکرٹری، جنرل سیکرٹری اور امیر کے طور پر محنت اور اپنے بہترین نمونہ سے ایک تہائی صدی تک خدمات ادا کیں۔لاٹری کے ساڑھے سات ہزار روپیہ کی خطیر رقم حضرت اقدس کے ارشاد پر آپ نے فوراً تقسیم کردی۔منارۃ المسیح پر دونوں میاں بیوی کے اسماء بھی کندہ ہیں۔ریویو آف ریلیجنز کے اجراء پر آپ نے تجارتی حِصص خریدے جو ارشاد مبارک پر سِلسلہ کو دے دیئے۔اور ربوہ کا پانچ ہزار روپے کی مالیت کا مکان سِلسلہ کو ہبہ کردیا۔خود بمعہ اہلیہ صاحبہ مجاہدین تحریک جدید کی پانچ ہزاری فوج میں شامل تھے۔موصی تھے۔حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی قائم کردہ انجمن کے آپ رکن بنے جس کا نام حضور نے تشحیذ الاذہان رکھا تھا۔اور اس نام کے رسالہ اور الفضل کے حضرت صاحبزادہ صاحب کی طرف سے جاری کرنے پر خریدار بنے اور الفضل کی خریداری بڑھائی۔تبلیغی مقصد کے لئے محترم صاحبزادہ صاحب کی قائم کردہ انجمن انصار اللہ کے رکن بنے۔حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ بھی اُس کے رکن بنے تھے۔آپ کے زیر اثر جماعتِ شملہ مؤیّدین خلافت میں سے تھی۔مرکز سِلسلہ میں نظارت علیا میں دفاتر کی نگرانی کے لئے نائب ناظر اور نظارت بیت المال میں بطور نائب۔جائنٹ ناظر اور قائم مقام ناظر اور نیز کچھ عرصہ صدر مجلس کارپرداز مصالح قبرستان بہشتی مقبرہ اور قائم مقام ناظر ضیافت اور ایک بار افسر جلسہ سالانہ ربوہ اہم ذمہ داریاں آپ کے سپرد ہوتی رہیں۔اور جماعت شملہ اور مرکز کی طرف سے شوریٰ میں نمائندگی کی۔اور عموماً اس کی سب کمیٹیوں کے رُکن مقرر ہوتے رہے۔ایک بار ایک کمیشن حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کی صدارت میں تشکیل دیا۔دہلی میں منعقد ایک سالانہ جلسہ کی صدارت کرنے والوں میں آپ بھی تھے۔سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے پر آپ نے لسانی وقلمی خدمات بھی کیں۔ایک جماعتی تقریب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے دہلی میں آپ کو جماعتہائے شملہ دہلی کی جماعت کی طرف سے ایک قرآن شریف عطاء فرمایا۔حضور نے ایک دفعہ جماعت کو بتایا کہ مرکز میں معدودے چند پنشنر

ہیں۔جن میں آپ کا نام بھی لیا اور فرمایا تھوڑے سے عرصہ میں انہیں اتنا کام کرنا پڑا ہے کہ جتنا انہوں نے ساری عمر نہ کیا تھا۔

آپ عادات میں سادہ، نرم خو، سنجیدہ طبع، باوقار، محنتی، مدبّر اور مخلص تھے۔آپ نے ۷ اگست ۱۹۵۸ء بوقت گیارہ بجے صبح راولپنڈی میں وفات پائی۔جنازہ راولپنڈی سے بذریعہ ٹرک ربوہ لایا جا رہا تھا لیکن سیلاب کے باعث خوشاب سے آگے نہ آسکا۔اس لئے خوشاب میں امانتاً دفن کئے گئے اور بعد میں ۱۸ اپریل ۱۹۵۹ء کو آپ مقبرہ بہشتی قطعہ خاص ربوہ میں دفن ہوئے۔رضی اللہ عنہم اجمعین۔

## مختصر حالاتِ زندگی

آپ کی ولادت ۱۸۷۲ء میں بستی شیخ ضلع جالندھر میں ہوئی۔آپ کے والد بزرگوار میاں محمد فاضل صاحب آپ کی طفولیت ہی میں داغِ مفارقت دے گئے۔آپ قدرے بڑی عمر میں یعنی آٹھویں سال میں ایک دیہاتی سکول میں تعلیم پانے لگے۔طبیعت ذہین پائی تھی۔انسپکٹر مدارس غالباً سردار دلیپ سنگھ نے اپنے دورہ میں پرائمری کی تیسری جماعت کا امتحان لیا تو آپ کی پڑھائی انہیں پسند آئی اور انہوں نے کتاب ''رسومِ ہند'' آپ کو انعام دی۔پانچویں پرائمری میں جماعت کا مانیٹر ہونے کی وجہ سے آپ کو مانیٹری یعنی بوجہ مانیٹر ہونے کے نصف روپیہ ماہوار ملتا رہا۔پانچویں جماعت میں آپ غالباً ضلع بھر میں اول رہے۔تو دو روپیہ ماہوار وظیفہ ملنے لگا چونکہ اس دیہاتی سکول میں انگریزی کی تعلیم کا انتظام نہیں تھا۔سو آپ مڈل کلاس میں جالندھر کے ایک سرکاری مدرسہ میں داخل ہوئے اور انگریزی کی کمی پورا کرنے کے لئے ایک سال سپیشل کلاس میں صَرف ہوا۔گویا تیسرے سال ۱۸۸۹ء یا ۱۸۹۰ء میں آپ نے مِڈل کا امتحان دیا جو اس وقت یونیورسٹی لیتی تھی۔آپ بفضلہٖ تعالیٰ بہت اعلیٰ نمبر پر کامیاب ہوئے اور چار روپے وظیفہ منظور ہوا۔لیکن چونکہ سپیشل کلاس میں پڑھنے سے عمر مقررہ حد سے بڑھ چکی تھی اس لئے عملاً وظیفہ نہ مِل سکا۔

انٹرنس تک تعلیم پاکر ۱۸۹۲ء کے آخر میں آپ نے شملہ میں محکمہ موسمیات میں ملازمت اختیار کرلی۔

دوسال کے بعد کوشش کر کے آپ نے دفتر ڈائریکٹر جنرل انڈین میڈیکل سروس میں تبدیلی کرالی۔اور یہیں بقیہ مدّتِ ملازمت گذری۔ پہلی جنگِ عظیم میں آپ کو خوب تندہی سے کام کرنے کی توفیق ملی۔اور بغیر آپ کی کسی کوشش یا علم کے انہی خدمات کے پیشِ نظر افسرانِ دفتر نے سفارش کر کے آپ کے لئے حکومتِ ہند سے ۱۹۲۰ء میں ''خان صاحب'' کا خِطاب منظور کروایا۔۱۹۳۲ء میں پنشن پا کر آپ قادیان ہجرت کر آئے۔اور قیام پاکستان پر ربوہ ہجرت کی اور وہیں دفن ہوئے۔

آپ وجیہہ اور شکیل باوقار اور سنجیدہ طبع تھے۔سانولا رنگ درازقد۔نرم خو،کم سخن،صحت مند تھے۔خضاب لگاتے تھے۔داڑھی مشرع تھی۔ہاتھ میں چھڑی رکھتے تھے۔۱۹۴۱ء کے قریب خاکسار نے آپ کے ماتحت ایک ڈیڑھ ماہ تک بطور قائم مقام معاون ناظر بیت المال کام کیا اور آپ کو بااصول ،باتدبیر،ٹھنڈے مزاج اور محنتی ۔معاملات پر پوری توجہ دینے والے اور دفتری اوقات کا پابند پایا نہایت قابلیّت سے آپ نظارت بیت المال کا کام سرانجام دیتے تھے۔آپ کو خاکسار نے صبح کے وقت بالعموم سَیر کرتے دیکھا تھا۔

آپ کے ذریعہ گوآپ کے جدّی اقارب میں سے کسی کو احمدیت کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔لیکن آپ کے بہنوئی مکرم مولوی عمر دین صاحبؓ ساکن موضع صریح ضلع جالندھر آپ کی تبلیغ سے احمدی ہوگئے۔وہ پہلے ہی بہت متقی اور متدین تھے۔اوراپنے علاقہ کے قاضی تھے اور اہل حدیث خیالات کے تھے۔انہیں بھی سلسلہ کی بہت سی خدمات کا موقعہ ملا جن کا ذکر صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹوں اور مشاورت کی رپورٹوں میں آتا ہے۔ بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں☆۔ان کی اہلیہ محترمہ یعنی خان صاحب کی ہمشیرہ جعفرہ بیگم صاحبہ(جن کا نام رجسٹر بہشتی مقبرہ میں سہواً زعفران بیگم درج ہوُا ہے ) بھی بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں۔محترم مولوی عمر الدین صاحب اپنے فرزند محترم خانصاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک میں تبلیغ کرتے رہے اور مکرم خان صاحب منشی برکت علی صاحبؓ بھی ۔ان کو قبولِ احمدیت کی سعادت خلافتِ اولیٰ میں میسّر

☆: تاریخ وفات ۱۶اپریل ۱۹۲۹ء۔

آ گئی اور پھر فیروز پور کی جماعت میں اور بعد پنشن انگلستان میں اور مراکز قادیان و ربوہ میں نائب امام لندن، امام مسجد لندن، ناظر بیت المال، ناظر امور عامہ اور ناظر اعلیٰ وغیرہ جلیل القدر مناصب پر کامیاب طور پر خدمات کی توفیق ملی اور اب مقبرہ بہشتی قطعہ خاص ربوہ میں مدفون ہیں۔ نیز آپ کی اولاد اور اولاد در اولاد کو بھی خدمات سِلسلہ کی توفیق مِل رہی ہے۔ اوّلیت حضرت منشی برکت علی صاحبؓ کو حاصل ہوئی اور **الدّال علی الخیر کفاعلہٖ** کے قول نبویؐ کے مطابق آپ عظیم ثواب کے عنداللہ مستحق ہوں گے۔ بفضلہٖ تعالیٰ۔

## قبول احمدیت

آپ بیان کرتے ہیں:

''جہاں تک مجھے یاد ہے۔ سب سے پہلے ۱۹۰۰ء میں جب مَیں شملہ میں تھا۔ مجھے احمدیت کے متعلق بعض باتیں سُننے کا اتفاق ہوا اور انہی دنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام بھی سُنا۔ اتفاق سے مَیں مجرد رہتا تھا۔ اور ایسی جگہ رہتا تھا جہاں دو چار کمرے پہلو بہ پہلو تھے۔ ایک برآمدہ تھا۔ اور وہاں ایک ایک دو دو کر کے ہم رہتے تھے ایک کمرہ میں دو تین احمدی دوست تھے اور باقی سب غیر احمدی تھے۔ میرے کمرہ میں جو دوسرے دوست تھے وہ غیر احمدی تھے۔ اخراجات میں کفایت کی غرض سے ہم نے مَیس بنایا ہوا تھا۔ جہاں کھانے کے اوقات میں کھانا کھانے کے لئے ہم سب اکٹھے ہوتے اس طرح میں احمدیوں کا واقف ہوگیا۔ چونکہ ایک احمدی احمدیت کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لئے لازماً جب ہم اکٹھے ہوتے تو احمدیت کا ذکر چھڑ جاتا۔ طبعی طور پر طبیعت میں رُشد تھا۔ نئی روشنی کی کتابیں اور اخبار پھر اسی طرح احمدیت کی کتب بھی مَیں دیکھ لیا کرتا تھا۔ سرسید احمد خاں کا رسالہ ''نئی روشنی'' بھی زیر مطالعہ رہا۔ انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ اس کا بھی مَیں نے ایک پارہ پڑھا۔ جس سے مجھے ان کے

خیالات اور دلائل کا علم ہو گیا۔

''ان دنوں ہمارے درمیان زیادہ تر وفاتِ مسیحؑ کے مسئلہ پر گفتگو ہؤا کرتی تھی۔اور احمدیوں کے ساتھ عموماً بات چیت مَیں ہی کیا کرتا تھا۔عربی تو مجھے آتی نہیں تھی۔ہاں قرآن کریم ناظرہ پڑھ لیتا تھا۔احمدی دوست عموماً آیات قرآنیہ کا حوالہ دیتے تھے۔گو غیر احمدی دوست میری خوب پیٹھ ٹھونکتے۔اور کہا کرتے تھے کہ تم احمدیوں کی خوب خبر لیتے ہو۔مگر میں خود سمجھتا تھا کہ میرے دلائل کمزور ہیں۔مَیں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ قرآن کریم کا ترجمہ تو اب سیکھنا مشکل ہوگا۔اس میں زیادہ دیر لگے گی۔ہاں عربی دانوں نے جو ترجمہ قرآن کریم کا کیا ہؤا ہے۔اس پر ایک دفعہ ہم عبور کرلیں تو پھر تبلیغی گفتگو کا لُطف آئے گا۔ورنہ اب کوئی لطف نہیں۔احمدی دوست آیاتِ قرآنیہ پیش کرتے ہیں۔لیکن ہم ان کے معنوں سے بھی واقف نہیں۔چنانچہ مَیں نے شروع سے آخر تک قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا۔اور مَیں سچ کہتا ہوں کہ وہ احمدی دوست تو وفات مسیح پر دس پندرہ آیات سے استدلال کرتے تھے۔لیکن مجھے یوں محسوس ہوا کہ قرآن کریم میں کئی اور ایسی آیات ہیں جن سے وفاتِ مسیح پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔مثلاً مَیں نے غور کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں دوسرے فوت شدہ انبیاء کے ساتھ کیا گیا ہے۔اور کسی جگہ بھی وہ منفرد نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ان فوت شدہ انبیاء کے زُمرہ میں ہیں۔ورنہ اگر وہ دوبارہ آنے والے ہوتے تو آپ کا قرآن کریم میں امتیازی طور پر ذکر ہوتا۔بہرحال میری توجہّ احمدیت کی طرف پھر گئی۔

''انہی دنوں میں نے پیر مہر علی شاہ صاحب کے بعض اشتہار دیکھے۔چنانچہ ان کی طرف سے ایک بہت بڑا اشتہار شائع ہوا۔اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے حوالہ جات پیش کر کے غالباً ۲۴ باتیں لکھی گئی

تھیں کہ یہ مرزا صاحبؑ کے اعتقادات ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ مُلحد اور کافر ہیں۔ مجھے غیراحمدیوں نے احمدیوں کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے اُکسایا۔لیکن مَیں نے کہا۔اس طرح لُطف نہیں آتا۔جن کتابوں کے حوالہ جات یہاں دئے گئے ہیں۔انہیں مہیّا کرو۔مَیں خود وہ حوالے پڑھوں گا۔ چنانچہ وہ کتابیں مہیّا کی گئیں۔مَیں نے اشتہار کا اصل کتابوں سے مقابلہ کیا تو دیکھا کہ بعض حوالے تو بے شک ٹھیک تھے۔لیکن اکثر حوالے ایسے تھے۔جن میں اپنی مطلب براری کے لئے قطع وبُرید کی گئی تھی۔اس سے مجھے مولویوں سے بدظنّی پیدا ہوئی۔اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ عقیدت پیدا ہوگئی۔

''انہی دنوں میں ایک دو اور باتیں ایسی پیدا ہوگئیں جن کی وجہ سے مجھے احمدیت کی طرف زیادہ رغبت ہوگئی اور چونکہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ عقیدت پیدا ہوچکی تھی۔اس لئے مَیں نے احمدیوں کو چار آنہ ماہوار چندہ بھی دینا شروع کردیا☆۔اس کی وجہ محض حُسنِ ظن تھا۔جو مجھے ان لوگوں پر تھا کہ یہ لوگ روپیہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔چنانچہ میں نے کئی ماہ تک چندہ دیا۔میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر کوئی میرے رستہ میں خرچ کرتا ہے۔تو میں اُسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر دیتا ہوں۔اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ دوسرے جہان میں بڑھا چڑھا کر دے گا۔لیکن بہت سے صاحبِ تجربہ اولیاء اور صوفیاء نے کہا ہے۔اور قرآن کریم سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں بھی کئی گنا بڑھا چڑھا کر بدلہ دیتا ہے۔مَیں نے خیال کیا کہ مَیں نے یہ تھوڑی سی رقم خدا تعالیٰ کے رستہ میں دی ہے۔اگر یہ سِلسلہ فی الواقعہ سچا ہوا تو خدا تعالیٰ مجھے اسی دنیا میں اس سے بڑھ چڑھ کر روپیہ

☆: الحکم بابت ۱۹۰۰ء میں آپ کے چندہ کا اندارج نہیں ملا۔البتہ فروری۔اپریل اور مئی وجون ۱۹۰۱ء میں پونے چار روپے چندہ دینا مذکور ہے۔

دیگا۔لیکن حیران تھا کہ یہ کیسے ہوگا۔میں ملازم ہوں سوائے تنخواہ کے زائد آمد کی کوئی صورت نہیں ۔ پھر میں رشوت نہیں لیتا۔ پھر یہ بڑھ چڑھ کر روپیہ کس طرح ملے گا۔لیکن آخر وہ روپیہ مجھے ملا۔۱۹۰۱ء میں مردم شماری ہوئی۔مردم شماری کی کتاب میں کئی باب ہوتے ہیں اور مختلف محکموں کو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنا اپنا حصہ لکھیں حفظانِ صحت کا باب ہمارے محکمہ کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔چنانچہ ہدایت ملی کہ یہ باب تم لکھو۔ہماری برانچ کا افسر انچارج ایک انگریز تھا۔جس کا نام کیپٹن رابرٹس تھا۔اس نے مجھے بلا کر کہا کہ مَیں چاہتا ہوں کہ تم اس کے لئے مصالحہ تیار کرو۔مجھے یہ یہ اعداد و شمار چاہئیں اور یہ یہ نقشے درکار ہیں۔یہ تم مہیّا کرو۔مَیں نے اس کی ہدایت کے مطابق اور کچھ اپنی ذہانت سے کام لے کر اُسے تمام مواد بہم پہنچایا جس سے وہ بہت خوش ہوا اور اس نے بطور انعام پچیس روپیہ ماہوار کے حساب سے ڈیڑھ سو روپیہ مجھے انعام دیا۔اب دیکھو مَیں خود خیال کرتا تھا کہ بظاہر کوئی ایسی صورت نہیں کہ مجھے زائد روپیہ مل سکے۔لیکن خدا تعالیٰ نے وہ روپیہ دلوا دیا۔اس طرح مجھے یقین پیدا ہوگیا کہ یہ سِلسلہ سچا ہے☆۔''

آپ مزید بیان فرماتے ہیں:

''اگر انسان کی نیّت نیک ہو اور اس میں اخلاص پایا جاتا ہو۔تو اللہ تعالیٰ انسان کو سیدھے رستہ پر ڈال دیتا ہے۔چنانچہ وہ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے۔**وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا**۔میرے علاوہ ایک اور شخص برکت علی نام کا بھی تھا۔جو گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک دفتر میں ملازم تھا۔اس نے بھی چار آنہ ماہوار چندہ دینا شروع کیا تھا۔مَیں بَیعت کر چکا تھا کہ۔مَیں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا اور یہ خواب مجھے اب تک اسی طرح یاد ہے کہ گویا مَیں نے وہ واقعہ عالم بیداری میں بچشم خود

---

☆:آپ کے بیان کے مطابق آپ نے نصف سال میں ڈیڑھ روپیہ چندہ دیا ہوگا۔اور اس کا اجر ظاہراً ''بھی ایک سو گنا یعنی ڈیڑھ صد روپیہ پالیا۔'' **سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ**.

دیکھا تھا۔مَیں نے دیکھا کہ ہم قادیان گئے ہوئے ہیں وہاں ہزاروں اور مسلمان ہیں۔مَیں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مکان ایک قلعہ کی شکل میں ہے جیسے پھلور کا قلعہ ہے۔اور مہمان اس کی پُشت کی جانب چھوٹے چھوٹے کمروں میں رہتے ہیں۔قریباً شام کا وقت ہے کہ حضور حضرت مسیح موعود علیہ السلام باہر سے تشریف لائے۔آپ ایک سفید برّاق گھوڑے پر سوار ہیں۔اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک بہت بڑے جرنیل ہیں۔مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف بھاگا گیا۔اور وہ برکت علی بھی گیا۔مَیں نے سلام کیا اور پھر دوسرے برکت علی کو حضور نے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔''اب موقعہ ہے بیعت کرلو۔''اس نے کہا۔''ہرگز نہیں۔'' چنانچہ زندگی بھر اسے بیعت کرنا نصیب نہ ہوُا۔مَیں نے چندہ دیا۔خدا تعالیٰ نے بیعت کی توفیق دی۔اور اپنے پاس سے بڑھ چڑھ کر اس کا بدلہ بھی دے دیا۔لیکن دوسرا شخص سِلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہونے سے محروم رہا۔اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ اس میں اخلاص نہیں تھا۔

انہی دنوں میں نے ایک اور خواب دیکھا۔اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر انسان میں اخلاص ہو تو خدا تعالیٰ خواب کے ذریعہ بھی اس کی راہنمائی کر دیتا ہے۔مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ساتھ والے کمرہ میں جہاں احمدی دوست رہتے رہے تھے۔وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے ہیں کسی نے مجھے بتایا کہ مرزا صاحب آئے ہوئے ہیں۔اُن سے مِل لو۔چنانچہ مَیں گیا اور مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ (تہ بند باندھے) ایک چارپائی پر بیٹھے ہیں۔اور آپ کے (سر کے) بال لمبے لمبے ہیں (اور سر اور جسم پر کپڑا نہیں) مَیں نے اس وقت تک آپ کی شکل نہیں دیکھی تھی۔بلکہ آپ کی تصویر بھی نہیں دیکھی تھی۔خواب میں آگے بڑھا اور عرض کیا حضرت !السلام علیکم ...............فرمایا (وعلیکم السلام) ''برکت علی تم ہماری طرف کب آؤ گے۔''میں نے عرض کیا ''حضور !اب آہی جاؤں گا۔''اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور یہ صبح کا وقت تھا۔میں پھر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے یاد ہے مَیں نے واقعہ میں اور یقینی طور پر یہ خواب دیکھی ہے اور اگر میں نے اس میں اپنی طرف

سے کچھ ملایا ہوتو مجھ پر اسی دنیا میں اور نیز آخرت میں عذابِ الٰہی ہو۔مَیں نے اس خواب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی ہدایت کے لئے اشارہ سمجھا☆۔

پھر ایک واقعہ پیش آیا: ۱۹۰۱ء کی مردم شماری ہورہی تھی۔غالبًا مارچ کا مہینہ تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اشتہار شائع کیا کہ اب مردم شماری ہونے والی ہے۔بعض لوگ ایسے ہیں جنہیں یقین ہو چکا ہے کہ میں سچا ہوں۔اور احمدیت کی صداقت ان پر ظاہر ہوچکی ہے۔لیکن کسی وجہ سے انہوں نے بیعت نہیں کی۔ایسے لوگ گو انہوں نے ابھی بیعت نہیں کی اپنے آپ کو احمدی لکھا سکتے ہیں یا لکھا دیں۔صحیح الفاظ یاد نہیں ہیں۔مَیں نے وہ اشتہار پڑھا اور اپنے آپ کو احمدی لکھا دیا اور خیال کیا کہ جب اجازت ہوگئی ہے تو اس بارہ میں کیوں انتظار کیا جائے۔چند دنوں کے بعد مَیں نے تحریری بَیعت بھی کرلی☆☆۔

بیعت کے بعد جب پہلا جلسہ سالانہ آیا تو مَیں قادیان گیا۔اس وقت کوئی وسیع مہمان خانہ نہیں تھا مہمان مختلف جگہوں پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ہمیں حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کے مکان ( کی بیٹھک ) میں رہنے کا اتفاق ہوا۔وہاں بھی جلسہ کے موقعہ پر مہمان ٹھہرا کرتے تھے۔ایک دن صبح چارپائی سے جو اٹھے۔آٹھ بجے کے قریب وقت تھا۔ہمیں پتہ لگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے ہیں۔( بیٹھک کی ) چھت پر ایک شہ نشین (چبوترہ ) بنا ہوا تھا۔(اور سامنے صحن تھا) آپ اس پر تشریف فرما تھے۔حضور نے وسمہ لگایا ہوا تھا۔اور ابھی نہا کر آئے تھے اور بال کھلے تھے۔(صرف تہ بند باندھا ہوا تھا) آپ کو دیکھ کر مجھے اپنا خواب یاد آ گیا۔یہ وہی شکل تھی جو مجھے اس خواب میں دکھائی گئی تھی ایمان تازہ ہوا۔اور اس کے بعد بہت سے نشان اللہ تعالیٰ نے صداقتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

☆:طبع اوّل کے حالات میں خانصاحب کے بیان کردہ حالات بابت قبول احمدیت بہت مختصر تھے اور وہ حلفاً تھے اس مختصر بیان کی جگہ الفضل سے مفصل بیان درج کیا گیا ہے جس کی ابتداء میں حلف کا ذکر نہیں۔ طبع اوّل کی کتاب میں خواب بیان کرکے پھر آپ نے خواب کے متعلق دوبارہ قسم کھائی ہے اور یہ عبارت کتاب سے یہاں خطوط وحدانی میں شامل کی گئی ہے۔الفضل ۱۴ اگست ۱۹۲۸ء میں مندرج آپ کے ایک بیان میں ہے کہ آپ نے ۱۹۰۱ء کے آخر میں بیعت کی تھی۔

☆☆:الحکم بابت ۱۹۰۱ء،۱۹۰۲ء میں آپ اور آپکی والدہ ماجدہ اور اہلیہ محترمہ کی بیعتوں کا اندراج نہیں ملا۔

کے دکھائے اور کئی واقعات ایسے پیش آئے جو ازدیادِ ایمان کا باعث ہوئے دعا ہے اللہ تعالیٰ احمدیت پر خاتمہ کرے اور مَوت کے بعد حضورؑ کے قدموں میں جگہ دے۔ آمین۔ خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بدن پر جو مَیں نے کپڑا نہیں دیکھا بلکہ صرف تہ نبد بندھا ہوا دیکھا تو اس کی تعبیر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے نے یہ بتائی کہ حضور علیہ السلام دنیا کی زیب وزینت سے آزاد ہیں اور درویشانہ زندگی رکھتے ہیں☆۔

قرآن کریم سے پتہ لگتا ہے کہ انبیاء کے زمانہ میں روحانیت کا عام انتشار ہوتا ہے۔فرشتے مستعد طبائع کو صداقت کی طرف مائل کرتے ہیں۔اور ساتھ ہی یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ ہر انسان اپنی اپنی طبیعت کے مطابق اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔جس شخص کو دلائل سے دلچسپی ہوتی ہے۔وہ اس میں ترقی کر جاتا ہے۔بعض کو عبادات سے دلچسپی ہوتی ہے وہ اس میں ترقی کرتے ہیں۔بعض طبائع مالی قربانی کی طرف مائل ہوتی ہیں۔اور وہ اس میں ترقی کر جاتی ہیں۔مَیں نے کہا۔برکت علی! تو کس گروہ میں آتا ہے۔پھر خیال آیا کہ برکت علی! تو سمجھ لے کہ تجھے دلائل دے کر اور معقولیت سے بات کرنے کا شوق تھا اور خدا تعالیٰ نے تجھے اس میں ترقی دے دی ہے☆☆۔

## ذکر حبیبؑ

*محترم خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں*

---

☆: محترم خاں صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے صرف اتنی تعبیر ہی بیان کی تھی جو یہاں درج کی گئی ہے۔ایک صاحب نے جو اس سے زائد تعبیر شائع کی ہے وہ درست نہیں۔(مؤلّف)

☆☆: الفضل ۱۴جون ۱۹۵۱ء (ص ۴، ۷) مجلس خدام الاحمدیہ بلاک ’’ب‘‘ ربوہ کے ایک اہم اجلاس میں زیرِ صدارت مکرم مولانا تاج الدین صاحب قاضی سِلسلہ عالیہ احمدیہ آپ نے ’’ذکر حبیبؑ کے موضوع پر تقریر کی تھی جو مکرم مولوی سلطان احمد پیر کوٹی (زودنویس) کی طرف سے مرتب کر کے شائع کی گئی۔الفضل سے بوقت طبع ثانی اسے نقل کیا ہے اور طبع اول سے اس میں خطوط وحدانی میں اضافہ کیا ہے۔

مجھے قدر معلوم نہ تھی۔اور نہ یہ خیال آیا کہ یہ باتیں کسی زمانہ میں نہایت قیمتی خیال کی جائیں گی۔اس لئے نہ انہیں یاد رکھنے کی کوشش کی۔نہ کوئی نوٹ رکھا۔نہ کوئی ڈائری بنائی۔محض یاداشت کی بناء پر میں یہ باتیں بیان کررہا ہوں☆۔

(۱):اس زمانہ میں مہمان کوئی زیادہ تعداد میں نہیں ہوتے تھے۔لیکن اس وقت یہ عام دستور تھا کہ جو مہمان بھی آتا حضور کو اطلاع کر دیتا۔چاہے خود مِل کر اطلاع کرتا۔یا کسی خادم کے ذریعہ اندر اطلاع بھیج دیتا اور پھر جب واپس جانے لگتا تو بھی آپ کو اطلاع کر کے جاتا۔ایک دفعہ میں قادیان آیا دو تین دن قیام کیا۔جس دن واپس جانا تھا۔اس سے ایک دن قبل شام کو میں نے ایک رقعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں تحریر کیا کہ میں صبح جانا چاہتا ہوں۔آپ نے واپس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ صبح جاتے وقت مجھے اطلاع دینا۔کئی اور دوست بھی واپس جانے والے تھے۔انہوں نے بھی اجازت کے لئے رقعے بھیجے ہوئے تھے۔چنانچہ صبح ہم نے اطلاع کردی۔آپ باہر تشریف لے آئے اور بھی کئی دوست ہمراہ تھے اور ہمارے ساتھ الوادع کہنے کے لئے چل پڑے۔بعض دوستوں نے تانگے کرایہ پر لئے ہوئے تھے۔لیکن جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدل چل پڑے تو وہ بھی ساتھ ساتھ پیدل ہو لئے۔آپ بٹالہ جانے والی کچی سڑک کے پہلے موڑ تک جو غالباً دو میل کا فاصلہ ہے تشریف لے گئے۔اور رستہ میں اپنے غلاموں سے گفتگو فرماتے رہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے دوستوں کا کس قدر اعزاز مدِ نظر تھا کہ ان کو رخصت کرنے کے لئے آپ دو میل تک ان کے ساتھ تشریف لے گئے۔

---

☆: خاں صاحب کی روایات کے مآخذ ذیل ہیں:

(۱) مجلس خدام الاحمدیہ ''بلاک ب'' ربوہ کے ایک اجلاس میں خود آپ کی بیان کردہ روایات جنہیں مکرم مولوی سلطان احمد پیرکوٹی (زودنویس) نے مرتب کر کے الفضل ۱۶، ۱۷ جون ۱۹۵۱ء میں شائع کیا۔(۲) روایات مندرجہ الفضل ۹، ۱۳ جنوری ۱۹۴۰ء (۳) اصحاب احمد جلد سوم طبع اول میں خانصاحب کی عطا کردہ روایات ۔خاکسار نے بوقتِ طبع ثانی ان سب سے روایات کو مرتب کر کے شامل کیا ہے۔بعض جگہ ترتیب تبدیل کی ہے بعض جگہ اختصار کیا ہے۔بعض جگہ من وعن اصل عبارات ہی قائم رکھی ہیں۔ بعض باتوں میں ان حوالہ جات میں بالعموم معمولی اختلاف ہے ان میں سے ایک کو اپنی سمجھ کے مطابق

(۲): حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صُحبت میں جو لُطف آتا تھا اور آپ کی ملاقات میں جو لذت آتی تھی وہ کسی اور جگہ کہاں نصیب ہوسکتی ہے۔ جب آپ باہر تشریف لاتے تو لوگ آپ کے کپڑوں کو چُھوتے اور اس سے برکت حاصل کرتے۔ ایک دن جب کہ حضور مسجد مبارک سے غالباً نمازِ ظہر سے فارغ ہوکر کھڑکی کے راستہ سے اندر تشریف لے جارہے تھے کہ حسب دستور احباب نے آپ کو گھیر لیا۔ جب دوسرے لوگ کپڑے چُھو رہے تھے۔ اور ہاتھ چوم رہے تھے اور کوئی جسم مطہر کو ہاتھ لگا کر مُنہ اور سینہ پر مَلتا تھا۔ تو مَیں بھی آگے بڑھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ جو پاس ہی تھے۔ اٹھے اور پاس سے گذرتے ہوئے فرمایا۔ ''اخلاص چاہئے اخلاص''۔ یہ الفاظ اب تک مجھے یاد ہیں مَیں نے دل میں کہا۔ یہ بات سچی ہے۔ کپڑوں کو چھونا اور ہاتھوں کو چومنا کوئی فائدہ نہیں دیتے جب تک اخلاص نہ ہو۔ یہ ظواہر ہیں۔ مغز نہیں۔ چنانچہ اس دن سے مَیں اس بات کو ہمیشہ مدنظر رکھتا ہوں۔

(۳): حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بہت کم نماز پڑھایا کرتے تھے۔ نماز اکثر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے عذر کیا کہ مجھے شک ہے کہ میرے کپڑے صاف نہیں۔ اس لئے میں نماز نہیں پڑھاتا۔ نماز کوئی اور پڑھاوے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ ان کپڑوں میں کیا آپ کی نماز ہوجائے گی۔ مولوی صاحب نے عرض کیا۔ ہاں نماز تو ہوجائے گی اس پر حضور نے فرمایا کہ اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ کی نماز ان کپڑوں میں ہوجائے گی تو پھر نماز پڑھائیں آپ کی اقتداء میں ہماری نماز بھی ہوجائے گی۔

(۴): حضور کی صحت اچھی ہوتی تو نماز ظہر اور مغرب کے بعد مسجد مبارک میں دوستوں میں بیٹھ جاتے تھے۔ اور جتنی دیر تشریف رکھتے مذہبی معاملات کے متعلق ذکر واذکار جاری رہتا۔ بعض لوگ آتے اور کہتے کہ ہم نے اشعار بنائے ہیں اور آپ کو سُنانا چاہتے ہیں۔

---

بقیہ حاشیہ: قبول کرلیا ہے۔ استفسار پر خاکسار مؤلف کو محترم خانصاحب نے بتایا کہ اس دن واپس جانے والوں میں میرے سوا تین اور بھی تھے۔ ان میں سے حضرت میر محمد سعید صاحبؓ حیدرآبادی کا نام مجھے یاد ہے۔

حضور موقعہ عطا فرما دیتے بعض اردو کے اشعار اور بعض پنجابی زبان میں منظوم کلام سناتے۔
ایک روز موسم گرما میں حضور چھت پر شاہ نشین پر رونق افروز تھے۔اس بات پر گفتگو شروع ہوگئی کہ امام کے پیچھے الحمد جائز ہے یا نہیں۔حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ اور مولوی محمد احسن صاحبؓ مرحوم بھی مجلس میں موجود تھے۔مخالف وموافق آراء کا اظہار کیا جارہا تھا۔کوئی کہہ رہا تھا کہ ہر حالت میں الحمد کا پڑھنا ضروری ہے اور اگر امام اونچی آواز سے پڑھ رہا ہوتو مقتدی ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ پڑھتا رہے۔یا وقفہ میں پڑھ لے۔اور کوئی کہتا تھا کہ جب امام اونچی آواز سے پڑھ رہا ہو تو خاموش رہنا چاہیئے۔جہاں تک مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اس طرح کرلیا جائے کہ جب امام بلند آواز سے الحمد پڑھے تو مقتدی خاموشی سے سُنتا رہے۔اور جب ظہر اور عصر کی نمازوں میں خاموشی سے پڑھے تو مقتدی بھی اپنے طور پر آہستہ پڑھ لے۔اس طرح دونوں باتوں پر عمل ہوجائے گا۔☆

(۵): حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دستور تھا کہ آپ اکثر ظہر اور مغرب کے بعد مسجد میں ہی بیٹھ جاتے اور دوستوں سے گفتگو فرماتے۔ایک دفعہ مغرب کے بعد آپ مسجد میں ہی تشریف فرما تھے کہ کسی نے عرض کیا۔چار پانچ آریہ ملاقات کے لئے آئے ہیں۔آپ نے فرمایا انہیں بلاؤ۔یہ لوگ ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔اور

---

☆: فاتحہ خلف الامام پڑھنے کے بارہ میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا معروف اور عمومی فتویٰ یہی ہے کہ جہری وسّری ہر دو قسم کی نمازوں میں مقتدی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے گا۔ اور اسی پر جماعت کا تعامل ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ''ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ لاصلوٰۃ اِلَّا بفاتحۃ الکتاب۔آدمی امام کے پیچھے ہو یا منفرد ہو ہر حالت میں اس کو چاہیئے کہ سورۃ فاتحہ پڑھے۔مگر امام کو نہ چاہیئے کہ جلدی جلدی سورۃ فاتحہ پڑھے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے تا کہ مقتدی سن بھی لے اور اپنا پڑھ بھی لے یا ہر آیت کے بعد امام اتنا ٹھہر جائے کہ مقتدی بھی اس آیت کو پڑھ لے۔ بہر حال مقتدی کو یہ موقعہ دینا چاہیئے کہ وہ سن بھی لے اور اپنا پڑھ بھی لے۔سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔کیونکہ وہ ام الکتاب ہے[۲]۔''

قادیان میں کسی برات میں آئے تھے۔تناسخ پر بات چیت شروع ہوئی۔میں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعو علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رعب اس قدر غالب تھا کہ وہ ٹھیک طور پر بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔حضور اس بات پر زور دیتے تھے کہ نجات کے لئے اللہ تعالیٰ۔قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔جب آپ ذرا جلال میں آگئے اور جوش سے سمجھانے لگے۔تو ان لوگوں نے سَر جھکا دیا۔اور کہا کہ نجات کے لیئے ویدوں کا ماننا ضروری نہیں۔جو کوئی اچھے اعمال بجالائے گا۔نجات پا جائے گا۔حضور نے فرمایا اچھے اعمال کی علامتیں بھی قرآن کریم ہی بتا تا ہے۔اور قرآن کریم سے ہم معلوم کر سکتے ہیں۔کہ اچھے اعمال کونسے ہیں جنہیں ہم بجا لائیں تو نجات پائیں۔لیکن ویدوں پر عمل کر کے تمہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوسکتا کہ اچھے اعمال کون سے ہیں۔اور جب تمہیں پتہ نہیں کہ اچھے اعمال کون سے ہیں تو پھر تم اچھے اعمال کس طرح بجالا سکتے ہو۔بہر حال نجات کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قرآن کریم پر ایمان لایا جائے۔اس پر وہ لوگ خاموش ہوگئے اور اُٹھ کر چل دئے۔

(۶): حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب شہ نشین پر تشریف فرما ہوتے تو بعض اوقات پانی پینے کے لئے منگواتے۔اس میں سے تھوڑا سا پانی تو خود پی لیتے جو بچ رہتا خدام کی خواہش ہوتی تھی کہ اسے بطور تبرک پیئں۔چنانچہ تھوڑا تھوڑا حاضرین پی لیتے۔چنانچہ ایک دفعہ مجھے بھی اس نعمت میں سے حصہ ملا ہے۔

خدام کے قلوب میں حضور کی جو محبت تھی اس کو وہی جان سکتے ہیں۔جنہوں نے ان محفلوں کا لُطف اٹھایا۔خدام پروانہ وار نثار ہوتے تھے۔کوئی ہاتھ چومتا۔کوئی جسمِ مطّہر کو ہاتھ لگا کر سِینہ اور ہاتھوں پر ملتا۔کوئی ہاتھ پاؤں یا کندھے دباتا۔غرض ہر ایک اپنی اپنی محبت کے اظہار کے لئے علیحدہ علیحدہ راہیں تجویز کرتا۔مَیں نے خیال کیا کہ مَیں اس شرف سے کیوں محروم رہوں چنانچہ میں ایک دن آگے بڑھا اور آپ کا پاؤں مبارک دبانے لگا۔آپ خاموش بیٹھے رہے۔یعنی میری اس جرأت پر کچھ نہیں فرمایا۔اور مَیں پاؤں دباتا رہا۔

(۷): میں نے محفل میں حضرت مسیح موعو علیہ السلام کو دیکھا کہ حضور کی آنکھیں نیچے جُھکی ہوئی ہوتی تھیں۔اور قریباً بند معلوم ہوتی تھیں۔مگر جب کسی وقت حضور میری طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو میں برداشت نہیں کرسکتا تھا۔اور اپنی نظر نیچی کر لیتا تھا۔

(۸): حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کئی دفعہ مسجد میں تشریف فرما ہوتے تو دل میں خیال آتا کہ آپ کی طرف اچھی طرح ٹکٹکی لگا کر دیکھوں۔چنانچہ کئی دفعہ نظر اٹھائی۔مگر ٹکٹکی لگا کر نہ دیکھ سکا جونہی میں آپ کے چہرہ کی طرف دیکھتا۔یوں محسوس ہوتا کہ حضورؑ میرے دل کو دیکھ رہے ہیں۔مَیں نہیں چاہتا تھا کہ میرے دل کے گناہ حضورؑ پر ظاہر ہوں۔اس لئے میں فوراً آنکھیں نیچی کر لیتا۔

(۹): ایک دفعہ جب مَیں قادیان آیا ہوُا تھا تو ایک دن صبح کے وقت مجھے معلوم ہوُا کہ حضرت مسیح موعو علیہ الصلوٰۃ والسلام سیر کے لئے باہر تشریف لے گئے ہیں مَیں بھاگا تا آپ سے سَیر کے دوران مِل جاؤں۔جب مَیں آپ سے مِلا تو آپ اس وقت واپس تشریف لا رہے تھے۔لیکن مَیں نے دیکھا کہ حضور اتنا تیز چلتے تھے کہ حضرت مولوی نورالدینؓ صاحب آپ کے ساتھ نہیں مِل سکتے تھے۔مولوی صاحب دوسروں کو تو کہتے کہ حضرت صاحب کے ساتھ ساتھ چلو لیکن خود پیچھے رہ جاتے۔مَیں نے دیکھا کہ حضور نہایت اطمینان سے اور بظاہر نہایت معمولی چال سے چل رہے تھے۔لیکن دراصل کافی تیز تھے۔اکثر لوگ آپ کے ساتھ تیزی سے جارہے تھے۔اور کوشش کرکے ساتھ دے رہے تھے۔اور بعض بچے ساتھ شامل ہونے کے لئے بھاگے جارہے تھے۔کوئی حضور کے عَصا سے چمٹا ہوُا تھا۔کوئی آپ کے دامن کو تھامے ہوئے تھا۔کوئی آپ کے کپڑوں کے ساتھ مس کر رہا تھا۔گرد وغبار بھی بہت اڑ رہا تھا۔مگر حضور کو ان باتوں کی مُطلق خبر نہ تھی۔اور نہ شکایت تھی نہ شکوہ۔بلکہ بڑے اطمینان کے ساتھ جارہے تھے۔اس طرح آپ اکثر سیر کے لئے تشریف لے جاتے اور احباب آپ کے ساتھ ہو جاتے تھے۔

(۱۰): ایک دفعہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ ادا کرنے کا موقعہ ملا جمعہ کی نماز غالباً حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے پڑھائی تھی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام قبر کے قریب بیٹھ گئے۔مَیں بھی موقعہ غنیمت سمجھتے

ہوئے آپ کے پاس بیٹھ گیا اور دیکھتا رہا کہ حضور کس طرح نماز ادا فرماتے ہیں۔مَیں نے دیکھا کہ آپ نے اس طرح سینہ پر ہاتھ باندھے کہ اُنگلیاں کہنی تک نہیں پہنچتی تھیں۔آپ کی گردن ذرا دائیں طرف جھکی رہتی تھی۔جب آپ قعدے میں ہوتے تو دائیں ہاتھ کی انگلیاں بند رکھتے اور جب کلمۂ شہادت پڑھتے تو شہادت کی انگلی کھڑی کرتے۔جہاں تک مجھے یاد ہے۔آپ آمین بالجہر کرتے تھے۔

اسی دن دوسری بات یہ پیش آئی کہ جب نماز جمعہ پڑھ چکے غالباً موسم اچھا نہیں تھا۔یا اور کوئی بات تھی۔تو یہ سوال پیدا ہوُا کہ آیا عصر کی نماز جمعہ کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے یا نہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ سے دریافت فرمایا۔آپ نے کیا جواب دیا۔وہ مجھے یاد نہیں رہا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ عصر کی نماز جمع کرکے پڑھ لو۔چنانچہ وہ دونوں نمازیں جمع کرکے ادا کی گئیں۔

(۱۱):ایک دفعہ بعد نماز مغرب حضور شاہ نشین پر تشریف فرما تھے کسی دوست نے عرض کیا کہ تحصیلدار صاحب علاقہ کل صبح منارہ کی تعمیر کے سلسلہ میں موقعہ دیکھنے کے لئے آرہے ہیں۔قادیان کے ہندوؤں نے مخالفت میں درخواست دی ہوئی ہے۔کہ مینارہ کی تعمیر کی اجازت نہ دی جائے۔کیونکہ اس سے ان کی بے پردگی ہوگی۔فرمایا بہت اچھا۔ سارے دوستوں کو چاہیئے کہ وہ ان کا استقبال کریں اور انہیں موقع دکھا دیں۔باقی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے کہ مینارہ ضرور تعمیر ہوگا۔اور اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ہم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔چنانچہ تحصیل دار صاحب آئے اور موقع دیکھ کر چلے گئے☆۔

---

☆:۸مئی ۱۹۰۳ء کو ایک اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور ایک تحصیلدار صاحبان مینار کی تعمیر کے ملاحظہ کے لئے آئے حضرت اقدسؑ سَیر سے واپس آئے تو ہر دو نے ملاقات کی اور مینار کے تعلق میں تحصیلدار صاحب نے چند امور کے بارے میں استفسار کیا۔حضور نے فرمایا کہ مینارہ کی تعمیر میں ایک یہ برکت ہے کہ اس پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے گا۔جو باعثِ برکت ہے۔چنانچہ اسی لئے آج کل سِکھوں نے اذانیں دلوائی ہیں(یہ طاعون کے ایاّم تھے اور اس سِلسلہ میں بھی گفتگو ہوئی تھی)اور مسلمانوں کو اپنے گھروں میں بلاکر قرآن شریف پڑھوایا ہے۔مینار پر روشنی کی جائے گی اور گھنٹہ لگایا جائے گا۔یہ غلط ہے کہ لوگ اس پر چارپائیاں بچھائیں گے۔یہ بھی غلط ہے کہ اس سے بے پردگی ہوگی۔ہمارے سامنے ڈپٹی

(۱۲): تعمیر منارہ کے خرچ کا اندازہ غالباً بائیس ہزار روپیہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ دوست سو سو روپیہ کے حصے لیں۔ جو دوست سو روپیہ چندہ دیں گے ان کے نام مینارہ پر کندہ کرائیں گے۔ چنانچہ مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں نے اپنی طرف سے سو روپیہ چندہ دیا اور اپنی بیوی کی طرف سے بھی سو روپیہ چندہ دیا۔ چنانچہ ہم دونوں کے نام مینارۃ المسیح پر کندہ ہیں۔

(۱۳): ۱۹۰۲ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح

---

بقیہ حاشیہ:۔ شنکر داس کا مکان ہے جو اس قدر اونچا ہے کہ اس کی چھت پر چڑھنے سے ہمارے گھر میں نظر پڑتی ہے تو کیا ہم اس وجہ سے اس کے گرانے کا مطالبہ کریں۔ پردہ کا انتظام ہمیں خود کرنا چاہیئے۔ ہمارا پردہ زیادہ ہے۔ تو کیا ہم خود بے پردگی برداشت کریں گے اور ایسا کام کریں گے جس سے دوسروں کو بھی نقصان پہنچے اور ہمیں بھی[۲]۔

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ جو اس ملاقات کے وقت موجود تھے بیان کرتے ہیں کہ اس ملاقات کے وقت شکایت کنندہ بھی ہمراہ تھے فرمایا:

''ہمیں ان غیر مسلموں سے ہمدردی ہے ان کا ہم علاج کرتے ہیں۔ کبھی ان کے مذہبی معاملات میں نقیض نہیں کی۔ یہ بڑھامل بیٹھا ہے اس سے پوچھ لیں کہ بچپن سے آج تک اسے فائدہ پہنچانے کا موقعہ مجھے ملا ہو اور مَیں نے فائدہ پہنچانے میں کوئی کمی کی ہو اور پھر اسی سے پوچھیں کہ کبھی مجھے تکلیف دینے کا اسے کوئی موقعہ ملا ہو اور اس نے کسر چھوڑی ہو۔''

بڑھامل صاحب شرم کے مارے سر زانوؤں میں دئے ہوئے تھے۔ چہرہ کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ اور ایک لفظ بھی نہ بول سکے[۳]۔ مخالفت کرنے والے ناکام رہے۔ ڈپٹی کمشنر نے فیصلہ کیا کہ ''فی الحال کوئی امر ایسا نہیں ہے کہ جس سے نقصِ امن کا احتمال ہو۔ جن لوگوں کو عذر ہے وہ بذریعہ عدالت دیوانی اپنی دادرسی کر سکتے ہیں۔ اینجانب فی الحال دست اندازی نہیں کرتے[۴]۔''

اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ اس کٹر آریہ سماج کے بیٹے نے جو ابھی زندہ ہیں مقامی آریہ سماج کے خلاف ایک طویل بیان دیا۔ اور کہا کہ اسے شائع کرنے کی میری طرف سے اجازت ہے اور اسے اصحاب احمد جلد نہم میں شائع کیا گیا۔

ہندوستان میں اخبارات اور کتب کے ذریعہ احمدیت کی تبلیغ ہو رہی ہے۔اسی طرح امریکہ اور یورپ میں بھی ہونی چاہیئے ۔ چنانچہ اس مقصد سے آپ نے ریویو آف ریلیجنز انگریزی و اردو کا اجراء فرمایا۔اس کا اجراء ابتداءً بطور تجارت کے ہوا تھا۔اور پانچ پانچ روپے کے حصے مقرر ہوئے تھے۔مَیں نے بھی دس حصے خرید کئے تھے۔کچھ عرصہ بعد آپ نے فرمایا ۔ یہ روپیہ درحقیقت کچھ بھی نہیں۔اور اگر خدا تعالیٰ دوستوں کو حوصلہ اور ہمت دے تو وہ نفع کا خیال چھوڑ دیں اور یہ رقوم بطور امداد سِلسلہ کو دیدیں۔ چنانچہ دوسروں کی طرح میں نے بھی نفع کا خیال چھوڑ کر اپنے پچاس روپے بطور امداد سِلسلہ کے پاس رہنے دئے۔سو اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ عاجز بھی ریویو آف ریلیجنز کے اجراء میں شامل ہے۔خواجہ کمال الدین صاحب ہماری جماعت کے سرگرم رُکن تھے۔خلافتِ ثانیہ کے وقت وہ الگ ہو گئے۔وہ چیف کورٹ کے مشہور وکیل تھے۔اور بہت ذہین تھے۔بالعموم ایسا ہوتا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک دو باتیں لیں اور اس پر اچھا خاصہ لیکچر تیار کر لیا۔حضور فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ صاحب فصیح البیان ہیں۔خواجہ صاحب نے انہی دنوں میں اردو اخبار ''وطن'' لاہور کے مالک سے بات چیت کر کے یہ تجویز کی کہ اگر ریویو آف ریلیجنز کے دو حصے ہو جائیں یعنی ایک حصہ میں محض اسلام کا ذکر ہو۔احمدیت یا صداقتِ مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر نہ ہو۔دوسرے حصہ میں احمدیت یا صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر ہو تو اخبار ''وطن'' کا مالک اس رسالہ کی اشاعت میں مدد دے گا۔خواجہ صاحب نے جب حضور کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی تو آپ نے فرمایا:

''خواجہ صاحب یہ تو غور کریں کہ میرے ذکر کو چھوڑ کر کیا مردہ اسلام پیش کریں گے۔''

خواجہ صاحب اپنی تقریروں میں احمدیت کا نام نہ لیتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ جب ولایت گئے تو انہوں نے کہا کہ یہاں احمدیت کا نام لینا سمِّ قاتل ہے۔غرض ریویو آف ریلیجنز کا اجراء اور اب خدا تعالیٰ کے فضل سے متعدد ممالک میں ہمارے مشن قائم ہو چکے ہیں☆ ۔

☆: مغربی ممالک میں اسلام کی آواز پہنچانے کے لیئے احباب سے مشورہ کے بعد ۱۵ جنوری ۱۹۰۱ء کو

(۱۴): غالباً ۱۹۰۴ء میں شیخ محمد حسین صاحب ریٹائرڈ سب جج نے شملہ میں دوستوں کو یہ واقعہ سنایا کہ ایک ہندو بنام جھینگن پنجاب سیکریٹریٹ میں ملازم تھا۔اس کو مسمر یزم میں بڑا دخل تھا۔وہ بعدازاں تبدیل ہوکر شملہ سیکریٹریٹ میں چلا گیا تھا۔اس نے اپنے دوستوں کے اصرار پر قادیان میں جاکر حضور پر اپنا عمل کرنا چاہا۔حضور دوستوں کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔وہ بھی آکر ایک کنارے پر بیٹھ گیا۔اور اپنا عمل شروع کیا۔تھوڑی دیر کے بعد حضور نے اس کی طرف دیکھا کہ وہ نیا شخص کون ہے۔آگے آجائیے، چنانچہ وہ آگے آگیا۔تو حضور نے فرمایا کہ دیکھو ہم تمہیں ایک قصہ سناتے ہیں۔ایک دفعہ ایک جنگل بیابان میں ایک شیر تھا۔جب حضور نے شیر کا نام لیا تو وہ قدرے پیچھے ہٹ گیا۔حضور نے فرمایا کہ آگے آؤ پیچھے کیوں ہٹے ہو۔چنانچہ جب وہ آگے آیا تو حضور نے پھر ذکر شروع کیا۔لیکن پھر وہ شیر کا نام سنتے ہی ذرا اور پیچھے ہٹ گیا۔آخر تیسری دفعہ جب حضور نے یہ ذکر سنانا شروع کیا تو وہ شیر کا نام سنتے ہی بھاگ گیا۔اور اس نے واپس جاکر دوستوں کو بتایا کہ مرزا صاحب کے سامنے دال نہیں گلتی۔چنانچہ جب وہ شیر کا نام لیتے تھے تو میں ڈر کر بیٹھا نہیں رہ سکتا تھا۔اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شیر واقعی مجھ پر حملہ کرنے لگا ہے۔بعد میں تیسری دفعہ آپے سے باہر ہوکر میں بھاگ آیا۔

(۱۵): غالباً ۱۹۰۴ء میں جب کہ کسی سیاسی مصلحت کی وجہ سے لارڈ کرزن کے ذریعہ تقسیم بنگالہ ہوئی اور اس کا بڑا چرچا تھا☆۔ملک میں ایک شور مچا۔جابجا ہڑتالیں ہوئیں۔بنگالی لوگ پہلے غیر منقسم صوبہ کی تقسیم نہیں چاہتے تھے۔کیونکہ اس طرح ان کی مجموعی قوت کمزور ہوتی تھی۔حضور کی ہدایت کے ماتحت ہم نے بھی شملہ میں ایک جلسہ کیا اور

---

بقیہ حاشیہ: حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک انگریزی کا رسالہ جاری کرنیکا اعلان کیا۔اور پھر مزید مشورہ سے ایک انگریزی رسالہ اور حضور کے کتب کے انگریزی تراجم شائع کرنے کیلئے ''انجمن اشاعتِ اسلام'' قائم کی گئی جس کے لئے دس ہزار روپیہ فراہم کرنے کے لیئے دس دس روپے کے ایک ہزار حصص فروخت کئے جانیکا فیصلہ ہوا[۶۱]۔آپ کے خرید حصص کا یوں اندارج ہے۔''بابو برکت علی صاحب'' (یعنی شملہ) ۵ (یعنی حصص) ےے

☆: صحیح سن ۱۹۰۵ء ہے۔

تقریروں میں اس بات کا اظہار کیا کہ حکومت نے جو کچھ کیا ہے خواہ وہ درست نہ بھی ہو لیکن اسلام ہڑتال کی اجازت نہیں دیتا۔ حضور بغاوت کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ اور اپنی جماعت کو ہدایت فرماتے تھے کہ وہ وفادار رہے۔ ان احکام کی روشنی میں مَیں نے ''حقوق انسانی'' پر مضمون لکھ کر حضور کی خدمت میں بھیجا کہ اگر حضور پسند فرمائیں تو اس کو اخبار میں اشاعت کے لئے بھجوا دیں۔ چنانچہ حضور نے البدر میں شائع کروا دیا تھا۔

(۱۶): حضور کے آخری ایام میں جماعت بڑھ گئی تھی۔ اور چھ سات سو دوست جلسہ سالانہ پر تشریف لائے تھے۔ حضور نے پیغام بھیجا کہ جب جلسہ ختم ہو تو سب احباب بازار میں سے گذر کر واپس آئیں۔ تا کہ غیر احمدی اور ہندو مشاہدہ کریں کہ کس طرح خدا تعالیٰ کی وحی کی باتیں پوری ہو رہی ہیں۔ اور دور دور سے لوگ ہماری طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں اور چند ہی سال میں خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت ہزاروں تک پہنچ گئی ہے۔ چنانچہ حضور کے ارشاد کی تعمیل کی گئی۔ یہ ارشاد اسلام کی صداقت اور اپنی سچائی کے اظہار کے لئے تھا۔ نہ کہ کسی ریا کی وجہ سے۔

(۱۷): جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ہم ایک دفعہ اس مہمان خانہ میں جہاں بعد میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے سکونت رکھتے تھے۔ اُترے ہوئے تھے۔ تھوڑے سے مہمان تھے۔ حضور کی تشریف آوری کا انتظار تھا۔ حضور کی تشریف آوری پر خدام نے عرض کیا کہ حضور تقریر فرما کر مستفید فرمائیں۔ آپ نے تقریر فرمائی۔ شروع میں ذرا لکنت معلوم ہوتی تھی۔ مگر بعد میں آواز بلند اور صاف ہوتی گئی۔ حتّٰی کہ حضور بڑی دیر تک بِلا تکلف تقریر فرماتے رہے۔

(۱۸): ان دنوں طاعون شروع ہو چکی تھی۔ حضور کی طرف سے ایک الہام شائع ہوا۔ **یا مسیح الخلقِ عدوانا**۔ چنانچہ اس کے بعد پنجاب میں بڑے زور سے پلیگ پڑی اور بہت سے لوگوں نے حضور کی بیعت کی ☆۔

(۱۹): ایک واقعہ ایک دوست نے جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا مجھے سنایا کہ ایک

---

☆: خانصاحب کی مراد یہ ہے کہ ان کے قبولِ احمدیت کے بعد طاعون کے متعلق یہ الہام ہوا۔ سو (قبل از بیعت کا) ۱۸۹۸ء کے الہام نہیں بلکہ ۲۱ اپریل ۱۹۰۲ء والا الہام مراد ہے۔

دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد میں مجلس میں تشریف فرما تھے اور خدام سے مختلف دینی باتیں کررہے تھے کہ حضور اچانک اُٹھ کر سیڑھیوں سے اُتر کر ڈھاب کی طرف تشریف لے گئے۔ دوتین احباب بھی ساتھ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ ڈھاب میں بہت پانی تھا۔لڑکے نہا اور کھیل رہے تھے۔ایک لڑکا ڈوبنے کو تھا کہ حضور نے جھٹ ہاتھ بڑھا کر اسے باہر نکال لیا۔واپس آکر مجلس میں بیٹھ کر بات چیت میں مصروف ہو گئے ☆۔

(۲۰): شملہ میں ایک صاحب سائیں خدا بخش نام سرکاری چھاپہ خانہ میں ملازم تھے۔اس کا لڑکا غالباً محمد حسین نام تھا۔جو اٹھارہ انیس سالہ نوجوان تھا اور اسے کالے علم یعنی جادو وغیرہ اور تسخیر جن کے علم کا بہت شوق تھا۔اور اس میں اسے بہت مہارت حاصل تھی۔وہ غیر احمدی تھا اور اس نے بیعت نہیں کی تھی اس نے ایک دفعہ ہمیں سنایا کہ مَیں قادیان میں حضرت مرزا صاحب کو مِلنے کیلئے گیا اور جب مَیں نے بعد السلام علیکم کے مصافحہ کیلئے حضور کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا وہ سارا علم سرسر کر کے جس طرح کسی کے بدن سے ہوا نکل جاتی ہے میرے جسم میں سے نکل گیا۔اور بعد ازاں میں بالکل کورے کا کورا رہ گیا۔

## حضورؑ کی نظر میں آپ کا اخلاص

۱۵جون ۱۹۰۷ء کو حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے جو ان دنوں قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خط و کتابت کا کام کرتے تھے۔منشی برکت علی صاحب کو شملہ ایک پوسٹ کارڈ لکھا کہ:

''حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب چار پانچ آدمیوں کے ساتھ شملہ آتے ہیں۔ڈاکٹروں نے مشورہ دیا ہے کہ ایسا کریں۔کل

☆:جب خانصاحب نے اجلاس خدام الاحمدیہ میں یہ روایت بیان کی تو قاضی عبدالرحمٰن صاحب معاون ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے اٹھ کر بتایا کہ میرے چچازاد بھائی قاضی عبدالرحیم صاحب بیعت کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس گئے ہوئے تھے۔انہوں نے یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا تھا اور بعد میں بدر میں بھی شائع کیا گیا تھا۔

شام کو اتوار کے دن انشاء اللہ یہاں سے چلیں گے یا ایک دو روز بعد ان کے واسطے رہائش و آسائش کا انتظام مناسب کر دیں۔‘‘

اس پر حضور علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک سے کنارے پر تحریر فرمایا:

’’میری طرف سے مخلص دوستوں کو تاکید ہے کہ مکان وغیرہ آرام کے اسباب میرے لڑکے محمود احمد کے لئے مُیسر کریں ..........مرزا غلام احمد☆۔‘‘

خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ ظاہر ہے حضور نے یہ خط لکھوایا تھا اور اس کی اہمیت کے باعث حضرت مفتی صاحبؓ نے حضور کو لکھ کر دکھا دیا یا حضور کے قریب ہی بیٹھ کر تحریر کیا اور تاکید کی خاطر حضور نے اپنی قلم مبارک سے چند الفاظ رقم فرمائے۔ چونکہ ان الفاظ میں مخلصین کو تاکید کی ہے تو گویا خانصاحب ضرور بطور ایک مخلص مُرید کے حضور کو معروف تھے تبھی ان کے ذریعہ دیگر احباب کو مخاطب کیا گیا۔

## وَصال سے دو چار دن قبل کی تحریر

آپ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں دعا کے لئے کئی بار خطوط لکھے مگر وہ محفوظ نہیں۔ ۲۰ مئی ۱۹۰۸ء کو میں نے دعا کے لئے ایک چٹھی لکھی تو اس پر حضور نے اپنے دستِ مبارک سے (گویا وصال سے دو چار روز قبل۔مؤلف) تحریر فرمایا:۔

السلام علیکم

اسی طرح کبھی کبھی یاد دلاتے رہیں۔

مرزا غلام احمد

یہ خط بھی بطور تبرّک میرے پاس موجود ہے۔ اصل میں تبّرک اخلاص اور عقیدہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر اخلاص اور عقیدہ نہ ہو تو تبّرک کسی کام کا نہیں۔ اگر اخلاص اور عقیدہ ہو تو تبّرک سونے پر سُہاگہ کا کام دیتا ہے۔ لیکن اگر سونا ہی نہ ہو تو سُہاگہ کیا کام دے گا۔

---

☆: مرتب روایات لکھتے ہیں کہ یہ کارڈ خان صاحب نے بعض احباب کو دکھایا۔

## تصدیق نبوّت

آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٔ نبوت کے متعلق ذیل کی حلفیہ شہادت دی:

''میں خدا کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کا احمدی ہوں۔اور مَیں نے ۱۹۰۱ء میں بیعت کی تھی۔ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کے زمانہ میں جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔صحیح طور پر اور اصلی معنوں میں اللہ کا رسول اور نبی یقین کرتا تھا۔نہ کہ محض استعارہ اور مجاز کے رنگ میں جہاں تک یاد پڑتا ہے اس عقیدہ کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ''ایک غلطی کا ازالہ'' اور ''حقیقۃ الوحی'' تھے[۸]۔''

اسی طرح آپ نے بیان کیا کہ:

حضور کی نبوت کے متعلق پہلے بعض لوگوں کا یہ خیال معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی نبوت پہلے انبیاء جیسی حقیقی نبوت نہیں۔مگر ''ایک غلطی کا ازالہ'' شائع ہونے پر جماعت کا رجحان اس طرف ہوگیا کہ حضور بھی ویسے ہی نبی ہیں جیسے پہلے تھے۔گو ذریعہ حصول نبوّت میں فرق ہے۔یعنی اگر پہلے انبیاء کو براہ راست نبوت تفویض ہوئی تھی تو آپ کو حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طفیل اور اقتداء سے یہ منصب ملا۔

اس وقت بعض اصحاب اپنے ایسے غیر احمدی دوستوں یا رشتہ داروں کی نمازِ جنازہ جو سِلسلہ کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔اور نہ کسی صورت میں بُرا کہتے تھے احمدی امام کے پیچھے پڑھ لیا کرتے تھے۔مگر جہاں تک مجھے یاد ہے۔''ایک غلطی کا ازالہ'' کی اشاعت کے بعد مَیں نے نہ کبھی سُنا نہ حضور کی کسی تحریر میں پڑھا کہ حضور نے کبھی کسی کو کسی غیر احمدی کا جنازہ پڑھنے کی یا کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنے کی کسی حالت میں بھی اجازت دی ہو۔

## انجمن تشحیذ الاذھان کی رُکنیّت

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ۱۹۰۰ء میں ایک انجمن قائم کی جس کا

مقصد نوجوانوں کو اشاعت اسلام کے لئے تیار کرنا تھا۔اس کا نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تشحیذ الاذھان رکھا۔محترم صاحبزادہ صاحب اس کے صدر منتخب ہوئے۔منشی صاحب بھی اس انجمن کے ایک رُکن تھے☆۔

## حضرت خلیفہ اوّلؓ کا زمانہ اور غیر مبایعین کا رویہ

غیر مبایعین کے فتنہ کے حالات ذیل میں محترم خاں صاحب کی طرف سے بیان کردہ درج ہیں کیونکہ اس تعلق میں آپ کو بھی بعض خدمات کا موقعہ ملا۔آپ فرماتے ہیں کہ غیر مبایعین کو یہ زعم تھا کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کا انتخاب ان کے زور پر ہوا ہے۔اور انہیں ایک طرح خلیفہ وقت پر تفوق حاصل ہے یعنی انہوں نے انتخاب کیا ہے۔اور وہ اپنی کثرت رائے سے انہیں معزول بھی کر سکتے ہیں۔حضرت خلیفہ اوّلؓ کو جب ان باتوں کا علم ہوا تو آپ نے ان کے سر برآوردہ لوگوں کو قادیان میں بلوایا۔اور برسرِ عام فرمایا کہ ان لوگوں کا خیال غلط ہے۔مجھے کسی نے منتخب نہیں کیا۔مَیں کسی کا ممنون احسان نہیں ہوں۔بلکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مسندِ خلافت پر متمکن فرمایا ہے۔میں ایسے لوگوں کے خلیفہ بنانے پر تھوکتا بھی نہیں۔میں ایسا ہی خلیفہ ہوں جیسے آدمؑ تھا۔جیسے داؤدؑ تھا۔جیسے ابوبکر صدیقؓ تھا۔پس فرشتے بن کر میری اطاعت کرو۔شیطان بن کر مخالفت مت کرو۔ورنہ میرے پاس ایسے ایسے خالد بن ولید ہیں کہ تمہیں سیدھا کر دینگے دوبارہ میری بیعت کرو۔چنانچہ جن جن کو حکم ہوا ان سب نے تجدید بیعت کی۔

☆:منشی برکت علی صاحب چندہ ممبری چار آنے (رسالہ مئی وجون ۱۹۰۹ء سرورق ماقبل آخر)انجمن تشحیذ الاذھان کا چندہ ادا کرنے کا ذکر رسالہ تشحیذ الاذھان بابت اپریل ۱۹۰۸ء مئی ۱۹۰۹ء جولائی ۱۹۱۲ء وسرورق صفحہ ماقبل آخر میں ہے۔آپ کی معرفت اس کا چندہ ادا ہوا۔(رسالہ فروری ۱۹۰۹ء۔ ص۴۴)حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب (صدر انجمن ہذا و مدیر رسالہ ہذا) نے ایک ''دارالکتب احمدیہ'' قائم کیا۔ایک بار جو آپ نے اس کی مالی حالت کی طرف احباب کو توجہ دلائی تو ساڑھے چھیاسی ۸۶ روپے وصول ہوئے دو افراد کی طرف سے دس دس۔جماعت پشاور۔ایک تحصیلدار صاحب اور گیارہ افراد بشمول خاں صاحب کی طرف سے پانچ پانچ اور تین افراد کی طرف سے دو۔اڑھائی اور تین روپے ۹۔

## پیغامِ صلح اور الفضل کا اجراء

انہی ایام میں اخبار پیغامِ صلح جاری ہو چکا تھا۔اور جماعت شملہ کے بعض لوگوں نے بھی پانچ پانچ روپے کے کئی حصے لئے تھے۔چنانچہ ایک دوست کے متعلق مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ انہوں نے بھی کچھ حصّے لئے تھے اور میری معرفت ان کی رقم ادا کرنا چاہی۔مگر مَیں نے وہ حصے ان کے چندہ میں محسوب کر لئے اور کہا کہ چندہ فرض ہے۔جب تک فرض ادا نہ کرو اور جگہ خرچ نہیں کر سکتے اس کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کے مشورہ سے اخبار الفضل جاری کیا۔مگر اس کی خریداری کی طرف دوستوں کو بہت کم توجہ ہوئی۔انہی دنوں میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب شملہ تشریف لائے اور میں نے ایک جلسہ آپ کی کوٹھی پر بلوایا اور اس میں دیگر امور کے علاوہ الفضل کے مسئلہ کو پھر ان کے سامنے جماعت میں پیش کیا۔اور بزور کہا کہ اگر پیغامِ صلح کے مقام میں الفضل کو سمجھا جاتا ہے تو اس کو بھی ضرور خریدنا چاہیئے تا کہ ہمیں پوری حقیقت معلوم ہو جائے۔چنانچہ اس موقعہ پر کچھ میری تحریک پر اور کچھ حضرت میاں صاحب کے ادب اور لحاظ کی خاطر بعض دوستوں نے خریداری منظور کی۔

## خواجہ صاحب اور ان کے رُفقاء کا رویہ

انہی دنوں میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک دفعہ حضرت میاں صاحب گرمیوں کے دنوں میں شملہ تشریف لائے ہوئے تھے اور بعض دوستوں کے ہمراہ سیر کر رہے تھے میں آپ کے آگے آگے تھا۔چنانچہ میں نے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے۔خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے رفقاء آپ سے ناراض کیوں ہیں۔آپ نے فرمایا یہ ان کی غلطی ہے۔خدا جانے ان کو کیا غلط فہمی ہوئی ہے بلکہ وہ میرے ساتھ ایک حقارت کا سلوک رکھتے ہیں۔اور سلام کا جواب بے رغبتی سے دیتے ہیں۔

ایک سوال میں نے غالباً اسی موقعہ پر یہ کیا کہ حضرت مولوی صاحبؓ کے بعد آپ کے خیال میں کون خلافت کے لئے زیادہ موزوں ہے۔آپ نے فرمایا کہ خلیفے کی زندگی میں

اس قسم کا سوال اٹھانا غلطی ہے۔اور مَیں اسے گناہ سمجھتا ہوں اور کوئی جواب نہ دیا۔

## انجمن انصاراللہ کا قیام

ایک واقعہ انہی دنوں میں یہ پیش آیا کہ حضرت میاں صاحب کو تبلیغ کا شوق تھا اور تبلیغ کی غرض سے آپ نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی منظوری سے انجمن انصاراللہ بنائی اور خود حضرت خلیفہ اوّلؓ بھی اس کے ممبر بنے۔اس کے ممبر بننے کی سب سے ضروری شرط یہ تھی کہ درخواست دینے سے پیشتر کم از کم ایک ہفتہ متواتر استخارہ کیا جائے۔میری خواہش تھی۔مگر محض استخارہ نہ کرنے کی وجہ سے دیر تک ممبر بننے سے محروم رہا۔آخر مَیں نے ایک دفعہ بڑی ہمت اور حوصلہ کر کے سات دن استخارہ کیا اور شامل انجمن ہوگیا۔لاہوری دوستوں کے گمنام ٹریکٹوں اور الزاموں کے متعلق جو انصاراللہ نے جواب دیا اس میں میرے دستخط بھی ہیں۔اس بارے میں الفضل میں زیرعنوان ''انصاراللہ'' یوں درج ہے:

> ''اللہ تعالیٰ کے فضل سے ممبران انجمن انصاراللہ اپنا خوب کام کررہے ہیں پچھلے میں دنوں بعض ممبروں کی کوشش سے چھ آدمی احمدیہ جماعت میں داخل ہوئے منشی برکت علی صاحب شملہ اور ڈاکٹر خلیفہ رشیدالدین صاحب قادیان۔میاں وزیر محمد صاحب اور میاں خدا بخش صاحب لاہور سے جماعت انصاراللہ میں نئے داخل ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں بھی اسلام اور سِلسلہ احمدیہ کی خدمت کا بڑھ بڑھ کر موقعہ دے۔احباب اپنی فہرستوں میں ان کا نام لکھ لیں۔فیروز پور کے حلقہ کے سیکرٹری صاحب منشی فرزند علی صاحب کی رپورٹ آئی ہے۔آپ تبلیغ میں مشغول ہیں۱۰۱؎۔''

## خواجہ صاحب وغیرہ کے دورے

حضرت خلیفہ اوّلؓ کے آخری ایام میں بعض عمائد غیر مبایعین مثلاً خواجہ کمال الدین صاحب مولوی محمد علی صاحب۔مولوی صدرالدین صاحب۔مرزا یعقوب بیگ صاحب وغیرہ نے بعض بڑے بڑے شہروں میں پھر کر لیکچر دینے شروع کئے تھے۔ان شہروں میں

شملہ بھی شامل تھا۔اور وہ کئی مواقع پر شملہ آ کر بھی لیکچر دیا کرتے تھے۔اس وقت عام طور پر جماعت میں امیر اور پریذیڈنٹ نہیں ہوتے تھے۔اور سوائے سیکرٹری کے اور کوئی عہدہ دار نہ ہوتا تھا۔ بلکہ عموماً سیکرٹری ہی سب کاموں کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ چنانچہ شملہ میں اُن دنوں مَیں سیکرٹری تھا۔ان دَوروں میں ان عمائدین کی دو خصوصیتیں تھیں۔اوّل یہ کہ ان کے لیکچر احمدیت کے متعلق نہیں ہوتے تھے بلکہ عام مضامین پر ہوتے تھے اور عام مضامین میں بھی اگر کوئی موقعہ احمدیت کے ذکر کا ہوتا تھا تو وہ اس کے ذکر سے بچتے تھے۔خواجہ صاحب مرحوم کہا کرتے تھے کہ میں احمدیت کا نام اس لئے نہیں لیتا کہ احمدیت کے نام سے لوگ آتے نہیں۔میں عام مضامین سُنا کر سفر مینا ☆ کا کام کرتا ہوں۔یعنی لوگوں کو احمدیت کے لئے تیار کرتا ہوں۔تا کہ بعد میں جو لوگ احمدیت کی تبلیغ کریں ان کو کامیابی حاصل کرنے میں آسانی ہو۔لیکن میں ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ دین کے معاملہ میں ایسی پالیسی کی ضرورت نہیں۔اور نہ ہم ایسے لیکچر چاہتے ہیں۔جن میں احمدیت کا ذکر نہ ہو۔علاوہ ازیں ہم نے دیکھا ہے کہ جہاں جہاں سفر مینا کا کام کیا ہے۔وہاں کوئی بھی کامیابی نہیں ہوئی۔آخر بڑی مشکل سے یہ لوگ اس بات پر رضامند ہوئے اور انہوں نے احمدیت پر بھی ایک دو لیکچر دیئے۔ایک دفعہ ان کے ساتھ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی بھی گئے ہوئے تھے۔ان دنوں وہ لاہور میں جماعت احمدیہ کے امام الصلوٰۃ ہوا کرتے تھے۔چنانچہ ان کا بھی ایک لیکچر ہوا۔انہوں نے بڑے زور شور سے احمدیت کی تبلیغ کی نتیجہ وہی ہوا جس کا غیر مبایعین کو ڈر تھا۔یعنی لوگ کم آئے اور جو آئے ان میں سے بعض نے ان لیکچروں کو پسند کیا۔لیکن بعض نے اظہارِ ناراضگی کیا۔خواجہ صاحب کو یہ بات بہت ناگوار گذری اور ان کی یہ کوشش رہی کہ کوئی ایسا مضمون بیان کیا جائے جس سے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو دلچسپی ہو۔چنانچہ جس دن یہ سارے عمائد قیام کے بعد واپس لاہور جا رہے تھے۔اس دن بھی راستے میں خواجہ صاحب نے چاہا کہ پھر واپس جا کر ایک دن کسی خاص مضمون پر لیکچر دیں۔اور حضرت مولوی راجیکی صاحب کو بھی ترغیب دی۔مگر انہوں نے کہا جانے دیں اب واپسی کے ارادہ سے چل پڑے ہیں پھر کبھی دیکھا جائے گا۔

---

☆:Sappers and Miners: سرنگ لگانے اور کھودنے کا کام کرنے والی پلٹن

دوسری خصوصیت یہ تھی کہ یہ لوگ باتوں باتوں میں حضرت صاحبزادہ صاحب کا ذکر چھیڑ دیتے تھے اور بظاہر تعریف کر کے یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے کہ وہ لیڈر بننے کے اہل نہیں۔ان کی کاروائیوں سے ظاہر ہوتا تھا۔کہ ان کو یہ خوف تھا کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کے بعد کہیں وہ خلیفہ نہ ہو جائیں اور ان کو پہلے ہی جماعت میں خاصا رسوخ حاصل تھا۔پھر بھی انہوں نے دورہ کر کے تمام جماعت میں اپنے رسُوخ کو اور بڑھانا چاہا۔اور ساتھ ہی یہ بھی کوشش کرتے رہے کہ لوگوں کے دلوں سے حضرت میاں صاحب کی محبت کم کر کے ان کی عزت گھٹا دیں مجھے چونکہ حضرت میاں صاحب کے بعض حالات معلوم تھے۔اور مجھے ان سے محبت تھی۔اس لئے میں غیر مبایعین کی باتوں کو پسند نہیں کرتا تھا اور ہمیشہ ان کی مخالفت کیا کرتا تھا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے میرے سامنے ایسی باتیں کرنا ترک کر دیں۔میری عدم موجودگی میں دوستوں سے ایسی باتیں کرتے اور جب میں ہوتا تو خاموش ہو جاتے۔

## حضرت خلیفہ اوّلؓ کا خواجہ صاحب کے متعلق خیال

حضرت خلیفہ اوّلؓ جب آخری ایام میں بیمار ہوئے تو اس وقت حضرت میاں صاحب شملہ گئے ہوئے تھے۔حضرت خلیفہ اوّلؓ نے لکھا کہ اس قدر لمبا عرصہ آپ کا باہر رہنا میں پسند نہیں کرتا۔اس لئے اب آپ واپس آ جائیں۔چنانچہ جب آپ ۱۹۱۳ء کے اخیر میں شملہ سے واپس گئے۔تو حضرت خلیفہ اوّلؓ نے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی پوچھا کہ شملہ کی جماعت کس طرف ہے ہماری طرف ہے یا خواجہ صاحب کی طرف کیونکہ نبوت وغیرہ کے مسئلہ کے متعلق جو اختلاف جماعت میں شروع ہو گیا تھا۔اس کا حضرت خلیفہ اوّلؓ کو بھی علم تھا۔حضرت میاں صاحب نے جواب دیا کہ حضور وہ تو کچھ خواجہ صاحب کی طرف جھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔اس کے بعد حضرت خلیفہ اوّلؓ نے پوچھا کہ برکت علی کدھر ہے؟ حضرت میاں صاحب نے جواب دیا کہ وہ تو ہماری طرف ہیں اس پر حضرت خلیفہ اوّلؓ نے فرمایا کہ ہاں بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ ہماری طرف ہو گا۔کیونکہ وہ بڑا مخلص ہے۔

اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔
۱۔حضرت مولوی صاحب کو اختلاف کا علم تھا۔
۲۔حضرت مولوی صاحب حضرت خلیفہ ثانی سے متفق تھے۔
۳۔خواجہ صاحب کے ہم خیال لوگوں کو اپنا مخالف جانتے تھے۔
۴۔ان کا یہ یقین تھا کہ جو احمدی مخلص ہوگا۔وہ ضرور خواجہ صاحب کے خلاف اور حضرت خلیفہ ثانی کے ساتھ ہوگا[11]۔

## حضرت خلیفہ اوّلؓ کی وفات اور جماعت شملہ

جب مارچ ۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفہ اول کے وصال کی خبر بذریعہ تار شملہ میں آئی۔تو نماز جنازہ کے بعد میں نے دوستوں کو سمجھایا کہ یہ ہمیں معلوم ہے کہ جماعت میں اختلاف ہے۔اور اختلاف کی حالت میں یہ ناممکن ہے کہ خلیفہ کے انتخاب کے متعلق اتفاق رائے ہو۔پس ہمیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے نمونہ پر قدم مارتے ہوئے اس بات کے لئے تیار رہنا چاہیئے کہ جدھر کثرت رائے ہو ہم اُدھر ہو جائیں۔بظاہر معاملہ مولوی محمد علی صاحب، صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب وغیرہ کے درمیان معلوم ہوتا ہے۔پس ان میں سے کوئی بھی ہو جس کی طرف کثرت رائے ہوگی ہم اس کو قبول کرلیں گے۔دوستوں نے اس تجویز کو پسند کیا۔اگلے روز قادیان سے تار موصول ہوئی کہ رائے عامہ سے حضرت میاں صاحب خلیفہ منتخب ہوئے ہیں۔میں نے اسی وقت دوستوں کے مکانوں پر جا کر بیعت کے لئے دستخط کرالئے۔جو لوگ لاہوری عمائد کی طرف مائل تھے انہوں نے مخالفت کی۔مگر میں نے سمجھایا کہ اس وقت تو ہمیں زیادہ حالات معلوم نہیں۔صرف اتنا جانتے ہیں کہ کثرت رائے حضرت صاحبزادہ صاحب کی طرف ہے جس وقت مخالف تفصیلات آئیں۔تو ممکن ہے کہ ہم میں سے بعض تردد میں پڑ جائیں اس لئے فوراً بیعت کرلینی چاہیئے۔آخر بڑی ردّوکد کے بعد انہوں نے بھی دستخط کر دیئے۔دوسرے دن صبح ہی مخالفین کی طرف سے ’’ضروری اعلان‘‘ اور دیگر کاغذات کی بھرمار آئی۔جن میں حضرت خلیفہ ثانی کے خلاف لوگوں کو بہت بُری طرح مشتعل کرنے کی

کوشش کی گئی تھی۔ چنانچہ کئی دوست متذبذب ہوگئے۔ اور دوڑے دوڑے میرے پاس آئے کہ ابھی بیعت کا خط نہ بھیجنا۔ چنانچہ میں نے وہ خط روک لیا اور جن لوگوں نے شرح صدر سے آپ کی اطاعت قبول کی ان کی طرف سے بیعت کا خط لکھ دیا۔ اب گویا آیت وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کے ماتحت جماعت دو فریق میں تقسیم ہوگئی۔ ایک خلافتِ حقّہ کے ماننے والے اور دوسرے انکار کرنے والے یعنی غیر مبایعین اور اِن دونوں میں خلیفہ کے انتخاب کے متعلق بحث مباحثہ شروع ہوگیا۔ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا کہ انتخاب صحابہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر صحیح ہوا ہے۔ غیر مبایعین کے سرغنہ مولوی عمر الدین صاحب تھے مگر وہ ہمیشہ اصولِ انتخاب کو نظر انداز کرکے کفر واسلام کی بحث چھیڑ دیا کرتے تھے۔ اِس تفرقہ کے چند روز بعد غیر مبایعین کی طرف سے لاہور سے جماعت شملہ کے پریذیڈنٹ کے نام تار آیا کہ لاہور میں تمام جماعتوں کے اہل الرائے کے مشورہ سے فیصلہ کیا جائے گا۔ اس لئے جماعت شملہ کی طرف سے نمائندہ بھیجا جائے۔ میں نے اس کی سخت مخالفت کی اور کہا جو ہونا تھا ہو چکا اب کسی مزید کارروائی کی ضرورت نہیں اور نہ ہمیں جماعت کی طرف سے کسی نمائندے کے بھیجنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے غیر مبایعین کی اس مجلس شوریٰ میں صرف ساٹھ کے قریب نمائندگان جمع ہوئے جنہوں نے اپنی طرف سے مختلف مقامات کے لئے چار پانچ خلفاء مقرر کئے۔ مگر خدا کی شان تھوڑے ہی عرصہ میں یہ سب خلیفے ختم ہوگئے اور صرف خلافتِ حقہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے قائم کی گئی تھی قائم رہی اور اب تک خدا کے فضل سے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کے ساتھ قائم ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ سوائے اس خلافتِ حقہ کے جس قدر خلافتیں تھیں وہ سب مٹ گئیں اور خدا کی غیرت نے نہ چاہا کہ اسکی مقرر کردہ خلافتِ حقہ مشتبہ رہے۔

اسی زمانہ میں مولوی عمر الدین صاحب نے میرے خلاف اخبار ''پیغام صلح'' میں ایک مضمون شائع کرایا جس میں ظاہر کیا کہ مَیں نے خدانخواستہ چالاکی سے دوستوں سے بیعت کے دستخط کرائے تھے وغیرہ وغیرہ میں نے اس کا جواب لکھ کر ایڈیٹر صاحب ''پیغام صلح'' کو بھیجا کہ اگر واقعی آپ کا اخبار اسم بامسمّٰی ہے اور آپ اسلام کے مختلف فرقوں میں

صلح کے متمنی ہیں تو پھر میرے جواب کو چھاپ دیں۔مگر انہوں نے نہ چھاپنا تھا اور نہ چھاپا۔ پہلے تو کئی طرح کے بہانوں سے ٹالتے رہے آخر کچھ عرصہ کے بعد کہہ دیا کہ وہ مضمون گم ہو گیا ہے۔

اس عرصہ میں غیر مبایعین نے کوشش کی کہ جب تک اختلاف کا فیصلہ نہ ہو فریقین میں سے دو امام الصلوٰۃ ہوں جو باری باری جمعہ پڑھائیں۔جس سے غرض انکی یہ تھی کہ انکا امام بہر حال خطبہ میں کوئی نہ کوئی بات اپنے مطلب کی کہہ دیا کریگا۔جس سے جماعت میں ان کے خیالات کی تبلیغ ہو جایا کریگی۔مگر مَیں نے اس کی اجازت نہ دی۔

اتنے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت شملہ کی اصلاح کے لئے حضرت مولوی سرور شاہ صاحب کو بھیج دیا۔مَیں خود بھی کسی بزرگ کو اس غرض سے دارالامان سے بلوانا چاہتا تھا۔مگر خیال تھا کہ اس وقت لوگ بھڑکے ہوئے ہیں ان کو زیادہ چھیڑنا اچھا نہیں۔جب ان کی مخالفت ذرا نرم ہوگی تو دیکھا جائے گا۔مگر یہ غلط تھا۔خلیفہ وقت نے جو اسی وقت عالم مختلف مقامات پر جماعت کی اصلاح کے لئے بھیج دیئے وہی تجویز درست تھی۔کیونکہ جو لوگ اسی وقت سنبھل گئے۔سنبھل گئے۔اور جو لوگ رہ گئے وہ الاماشاء اللہ سب ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئے۔مَیں نے حضرت مولوی سرور شاہ صاحبؓ کو ان دوستوں کے پاس بلوایا جو مبایعین سے اختلاف رکھتے تھے۔چنانچہ ان کی کوشش سے خدا کے فضل سے تھوڑے ہی عرصہ میں مولوی عمرالدین صاحب اور دیگر کئی دوست راہِ راست پر آگئے اور انہوں نے بیعت کر لی۔اور جن کے لئے ازل سے ہی یہ سعادت مقدر نہ تھی وہ نہ مانے۔اس کے بعد مولوی عمرالدین صاحب مبایعین کی طرف سے نبوت اور کفر و اسلام کے متعلق بحث مباحثہ کرتے رہے اور ایک مباحثہ انہوں نے غیر مبایعین کے ساتھ کیا۔یہ مباحثہ بہت دیر تک جاری رہا آخر ثالث صاحب نے نبوت کے متعلق فیصلہ صریح طور پر ہمارے حق میں کیا۔چنانچہ یہ فیصلہ قول فیصل کے نام سے چھپوا دیا۔مگر مسئلہ کفر کے متعلق وہ قدرے غیر مبایعین سے رعایت کر گئے۔حالانکہ صاف ظاہر تھا کہ کفر نبوت سے انکار کا نتیجہ ہے۔

## مولوی عمرالدین صاحب کا انجام

مگر مولوی عمرالدین صاحب کی طبیعت میں بحث مباحثہ میں مشغولیت کی وجہ سے ایک قِسم کی رعونت اور خود پسندی آ گئی تھی۔ اور ان کی حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ سے گفتگو بھی بعض دفعہ بحث کا رنگ اختیار کر لیتی تھی۔ جس سے ان کے دل میں زنگ لگ گیا۔ چنانچہ وہ نظام سِلسلہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جماعت میں حضور کے خلاف خیالات کی اشاعت کرنے لگ گئے۔ یہاں تک کہ بعد میں بعض معاملات میں انہوں نے حضور کے حکم کی صریح نافرمانی کی آخر حضور نے طویل انتظار کے بعد جب ان کی طرف سے اصلاح کی امید نہ رہی۔ ان کو جماعت سے خارج کر دیا۔ مولوی عمرالدین کا خیال تھا کہ بعض لوگ ان کے ہم خیال ہیں بلکہ ایک موقعہ پر انہوں نے مجھ سے کہہ بھی دیا یہ مت سمجھو کہ جماعت سے اگر میں نکل گیا تو اکیلا نکلوں گا۔ مگر اخراج کے بعد انہیں معلوم ہو گیا کہ جماعت کو حضور سے حد درجہ کی وابستگی ہے اور ان کا یہ خیال ایک باطل خیال تھا۔ کیونکہ اخراج کے بعد ان سے کسی نے پوچھا تک نہیں کہ تم کون ہو اور جماعت نے اس طرح انہیں متروک کر دیا کہ گویا وہ جماعت میں کبھی تھے ہی نہیں وہ پہلے جماعت کے ساتھ ملتے رہے اور نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھتے رہے آخر جب دیکھا کہ جماعت میں ان کی کوئی عزت و توقیر نہیں۔ اور کوئی انہیں منہ نہیں لگاتا تو انہوں نے غیر مبایعین کے گروہ کی طرف رُخ کیا۔ اور ان کے صدر مولوی محمد علی صاحب کو لِکھا کہ مسئلہ نبوت اور کفر و اسلام کے متعلق میرا آپ سے اختلاف ہے۔ کیا اس صورت میں بھی مجھے آپ اپنے ساتھ شامل کر سکتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا تشریف لائیے۔ چنانچہ اب وہ غیر مبایعین کے اوّل درجہ کے مبلغ ہیں۔ اور اپنے پہلے خیالات کے خلاف غیر مبایعین کے خیالات کی تبلیغ کرتے ہیں۔ مجھے اس پر کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں ناظرین خود غور کر سکتے ہیں کہ کبر و خود پسندی اور دنیا کا لالچ انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتا ہے☆۔

☆: مولوی عمرالدین صاحب ۱۹۵۷ء سے پانچ سال قبل بڑی حسرت و یاس اور کس مپرسی کی حالت میں علاقہ بمبئی میں وفات پا چکے ہیں۔ (مؤلف)

حضرت خلیفہ اوّلؓ کی وفات کے وقت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم ولائیت میں تھے اور انہیں غالباً یہ حسرت تھی کہ وہ تفرقہ کے وقت یہاں ہوتے تو نتیجہ وہ نہ ہوتا جو ہوا۔

چنانچہ ولائیت سے آکر انہوں نے بڑی شدومد کے ساتھ مخالفت جاری رکھی۔ اور پیغامیوں نے اپنا جلسہ سالانہ قادیان کے جلسہ کے مقابل پر انہی تاریخوں میں لاہور میں منعقد کیا اور خواجہ صاحب نے اختلاف کے متعلق ایک کتاب لکھی تھی۔ وہ احباب میں مفت تقسیم کی گئی اور تحریک کی گئی کہ احباب لاہور کا جلسہ دیکھ کر قادیان جائیں یا کم از کم ایک دن کا جلسہ ہی سُن لیں۔ لیکن سوائے شاذونادر کے کوئی احمدی ان کے جلسہ میں شامل نہیں ہوا۔ دونوں جلسوں کے بالمقابل ہونے سے یہ ظاہر ہوگیا کہ کثرت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

مَیں نے خواجہ صاحب کی کتاب پڑھی تو دل میں امنگ پیدا ہوئی کہ خلیفہ کے انتخاب کے متعلق کم از کم مسئلہ کثرت وقلت پر ایک مختصر سا مضمون ان آیات کے ماتحت لکھوں

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا

(سورۂ نساء)

مگر یہ مضمون آہستہ آہستہ اس قدر طویل ہوگیا کہ اخبار میں چھپ نہ سکا۔ آخر کار جلسہ سالانہ ۱۹۱۵ء پر ''انتخاب خلافت'' کے نام سے ایک رسالہ کی شکل میں چھوادیا۔ اور تقریباً پانچ سو کاپیاں اس کی جماعت میں مفت تقسیم کیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ یہ مت خیال کرو۔ کہ جسقدر لوگ اس وقت بیعت سے باہر ہیں۔ وہ سب ضدی اور متعصب ہیں بلکہ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو محض دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور اگر ان پر حقیقت آشکار ہوجائے تو وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ اس رسالہ میں میں نے سب سے زیادہ قلت اور کثرت کے مسئلہ پر بحث کی ہے اور میری مدّنظر وہی لوگ تھے جن کی طرف حضور کا اشارہ تھا اور میں نے لکھا کہ:

''ذاتِ باری تعالیٰ کے مقابلہ میں دنیا کی مخلوق کچھ حقیقت نہیں

رکھتی۔اس لئے ماموران الٰہی گوا کیلے ہوتے ہیں۔مگر چونکہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔اور وہ اللہ کی باتیں پیش کرتے ہیں اسلئے ان کو دنیا کے تمام لوگوں پر فوق ہوتا ہے۔اس کے بعد جو لوگ یکے بعد دیگرے ان کے ساتھ شامل ہوتے جاتے ہیں۔گو وہ تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں۔مگر چونکہ ان کے ساتھ اللہ اور اس کا رسول ہوتا ہے۔اس لئے وہ غلبہ کا حکم رکھتے ہیں۔جب ہم مومنوں اور منکروں کا مقابلہ کریں تو ضرور قلت کو کثرت پر ترجیح دیں۔چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے متعدد مواقع پر بتایا ہے کہ نیکو کار اور دیندار بندے ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں۔اور بدوں کی خواہ کتنی ہی کثرت ہو نیکو کاروں پر انہیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں کوئی عزت نہیں۔مگر اختلاف کی صورت میں جب ہم (ایک جماعت کے) ہر دو گروہوں کے افعال اور معتقدات پر جداگانہ فیصلہ چاہیں تو ضرور کثرت رائے اختیار کرنی پڑے گی۔یہ غلط اصول ہے کہ ہر حالت میں اور ہر زمانہ میں قلت کو کثرت پر ترجیح ہوتی ہے۔اور اس پر بے فائدہ زور دیا جاتا ہے۔قلت اسی حالت میں فوق رکھتی ہے جب اللہ اور رسول کی معیّت میں ہو۔یعنی جب وحی الٰہی ان کے ساتھ ہو اور مقابلہ مخالفین سے پڑے ورنہ دوسرے اوقات میں جماعت کے افراد یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔اور متنازعہ فیہ مسائل میں کثرت رائے کو ترجیح دینی پڑے گی۔

''میرے خیال میں یہ بھی غلط ہے کہ صادقین شروع میں تھوڑے ہوتے ہیں۔اور بعد ازاں غلبہ پا جاتے ہیں۔غلبہ کے یہ معنے تو ہو سکتے ہیں کہ وہ دینداری اور نیکوکاری میں بہتر ہوں اور دلائل سے مخالفین پر بھاری ہوں۔مگر یہ نہیں کہ تعداد میں ان سے بڑھ جائیں یہ بے شک مقدر ہے کہ بالآخر مومنین اور صادقین تعداد کے لحاظ سے بھی فوق لے جائیں۔مگر اس کے لئے لمبا عرصہ درکار ہے۔ابھی تک اسلام کے پیرو مردم شماری کی رپورٹوں کی رو سے بعض دیگر مذاہب کے پیرووں سے کم ہیں اور احمدی تو

آٹے میں نمک بھی نہیں۔تاہم اگر منکرین خلافت کے اس اصول کو تسلیم کرلیا جائے تو بھی ان کا غلطی پر ہونا ثابت ہوتا ہے۔انہوں نے شروع میں لکھا تھا کہ حضرت میاں صاحب کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ ہیں اور قریباً صرف ۱۲/۱حصہ جماعت نے ان کی بیعت کی ہے۔مگر گذشتہ جلسوں نے جوانہی تاریخوں میں لاہور اور قادیان میں بالمقابل ہوئے بتادیا کہ کثرت حضرت میاں صاحب کے ساتھ ہے۔گو یہ اصول غلط ہے مگر چونکہ منکرین اسے تسلیم کرتے ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس راہ سے بھی ان پر حجت پوری کردی۔یہ معاملہ مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری کے معاملہ سے مشابہ ہے۔اس نے اوّل تو مباہلہ سے انکار کیا اور کہا کہ بد اور شریر کو لمبی مہلت ملتی ہے۔مگر جب اللہ تعالیٰ نے اس کے معیار کے مطابق اس پر اتمام حجّت کی یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ہوگیا۔تو جھٹ پھر گیا۔اور حضور مغفور کے وصال کو اپنی صداقت کی دلیل ٹھہرانے لگا۔قرآن شریف میں وارد ہے کہ مومنوں پر شیطان کا غلبہ نہیں ہوگا۔چنانچہ ملاحظہ ہوں آیاتِ ذیل:

**اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغَاوِیْنَ۔** (پارہ۱۴رکوع۳)

**اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔** (پارہ۱۴رکوع۱۹)

**اِنّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ وَّ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلاً۔** (پارہ۱۵رکوع۷)

مگر ایک دل میں جس قدر شیطان کا دخل کم ہوتا ہے اسی قدر فرشتوں کا نزول زیادہ ہوتا ہے۔

**اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَااللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ** (۲۴/۱۸)

''اور فرشتوں کی تحریک ہی نشان الٰہی ہوتی ہے۔اسی واسطے قرآنِ شریف میں حکم ہے اور مسلمانوں کے ایمانیات میں داخل ہے کہ فرشتوں پر ایمان لاؤ۔یعنی ان کی تحریکات پر عمل کرو۔محض زبان کے انکار اور اقرار سے کچھ فائدہ یا نقصان نہیں عائد ہوتا فرشتوں پر ایمان لانے سے مقصود ان کی تحریکات کی پیروی ہے۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے بہتر اور خالص مومن وہ ہوتے ہیں جنہوں نے مامورمن اللہ کو اس کے وقت میں پہچانا اور اس کی صحبت میں رہے ہوں اور وحی الٰہی کے نیچے پرورش پائی ہو۔ایسے مومن گو عالم فاضل نہ ہوں۔سائنسدان اور فلسفی نہ ہوں۔ ایم،اے۔بی،اے نہ ہوں اور جہاندیدہ اور تجربہ کار نہ ہوں۔مگر چونکہ وہ دیندار اور متقی اور پرہیز گار ہوتے ہیں۔اس لئے جو قول اور فعل کثرت سے ان میں رائج ہوگا۔وہ فرشتوں کی تحریک سمجھی جائے گی۔اور خدا کی منشاء متصور ہوگا۔کیونکہ یہ تو اغلب ہے کہ ایک مامورمن اللہ کی صحبت میں رہنے والے چند ایسے اشخاص ہوں جنہوں نے اس کی تعلیم وتربیت سے فائدہ نہ اٹھایا ہو۔جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں منافق تھے یا کمزور مسلمان تھے مگر یہ ناممکن ہے کہ کثرت سے ایسے اصحاب ہوں جن کے دل ایمان سے خالی ہوں۔اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ اکثر حصہ جماعت فریبی اور نفس پرست ہے تو پھر اس مامور کی ماموریت باطل ہوجاتی ہے اور وہ جھوٹا قرار دینا پڑتا ہے۔درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔اگر کثرت سے پھل گندے ہوں تو اس درخت کے گندہ ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

''غرض ایک مامور کے صحابہ کثرت سے دیندار ہوتے ہیں۔ان کے قلوب دین کی ملونی سے خالی ہوتے ہیں۔ان پر شیطان کا تسلّط نہیں ہوتا۔ان کا دل خدا کا تخت گاہ ہوتا ہے۔ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور ان کی تحریکیں عین منشائے الٰہی ہوتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد جس معاملہ میں قول اور فِعل میرا ثابت نہ ہو۔صحابہ کی پیروی کرو۔یعنی جس عقیدہ اورتحریک پر کثرت سے صحابہ قائم ہوں وہی خدا کی طرف سے سمجھواور یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین کوخدا کی طرف سے خلیفہ سمجھا گیا۔اورآیت استخلاف کے ماتحت ان کے منکرین کو فاسق قرار دیا گیا۔وہ لوگ سخت غلطی کرتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی خلافت محض دنیاوی رنگ کی تھی جہاں تک مجھے معلوم ہے تمام بزرگوں کا اس پر اتفاق ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی یہی لِکھا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے دینی خلیفہ تھے اوران کا منکر یقیناً فتویٰ فِسق کے نیچے ہے۔اور نیز جہاں تک میرا علم ہے صوفیائے کرام کے جملہ فرقے اپنے سِلسلوں کو انہی چارخلفاء کی طرف منسوب کرتے ہیں۔یہ بھی ایک دلیل ہے۔ان کے دینی خلیفہ ہونے کی اور یہ خلافت ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبھی ہوئی کہ صحابہ کرام نے کثرت سے ان کو اپنا پیشوا تسلیم کرلیا ورنہ ان کو خدا کی طرف سے خلافت کی وحی نہیں ہوئی تھی۔حضرت خلیفہ اول تو ان کی اور اپنی خلافت کو ایسا سمجھتے ہیں۔جیسے حضرت آدم اور داؤد علیہ السلام کی خلافت۔کیونکہ صحابہ کا ایک بات پر متفق ہونا وحیِ الٰہی کی مانند ہے۔اس عقیدہ کا انہوں نے زور سے اعلان کیا۔اور یہ کہا۔فرشتہ بن کر میری اطاعت کرو۔ابلیس کی طرح بغاوت نہ کرو۔یہ تحریر موجود ہے۔اس کا انکار نہیں ہوسکتا۔

''غرض یہ ناممکن ہے کہ ایک مامورمن اللہ کے بعد صحابہ کا اجماع غلطی پر ہوالبتہ جوں جوں صحابہ کم ہوتے جاتے ہیں اور بعد زمانہ سے ایمان کی رنگت نہیں رہتی جو اوّل المومنین کو حاصل ہوسکتی ہے اسی طرح ان کی کثرت کی اہمیت کم ہوتی جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جو درجہ حضرت نبی کریمؐ کے چار خلفاء کو ملا وہ یزید کو نہ نصیب ہوا اور جہاں تک مجھے معلوم ہے اس کوکسی فرقۂ اسلامی نے دینی خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔یہ سچ ہے کہ اس کی

ذات میں وہ جوہر نہیں تھے۔ جو خلافت کے لئے ضروری ہیں۔ مگر آخر نتیجہ تو یہی نکلا۔ کہ نہ صحابہ کی کثرت تھی اور نہ انہوں نے اس کو دینی پیشوا مانا۔

''اب ہم اپنے سِلسلہ کی طرف توجہ کرتے ہیں تو ہمیں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ جس طرح آیت **وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ** کے ماتحت احمدؑ کو محمدؐ سے مناسبت ہے۔ اسی طرح احمد کے خلفاء کو محمدؐ کے خلفاء سے مناسبت نہ ہو اور اگر خلیفہ اوّل حضرت آدم۔ حضرت داوٗد اور حضرت ابوبکر علیہم السلام کی مانند خدا کی طرف سے خلیفہ تھے تو خلیفہ ثانی حضرت عمر کا مثیل کیوں نہ ہو افسوس ہے کہ منکرین خلافت نے اس راز کو نہیں سمجھا۔ نیتوں کا مالک خدا ہے۔ مگر بظاہر تو یہ معاملہ ایسا صاف ہے کہ اس میں شبہ کی گنجائش نہیں۔

''یہ سچ ہے کہ غیر مامور خلیفہ غلطی کرسکتا ہے کیونکہ جب بعض اوقات ایک مامور بھی اپنے اجتہاد میں غلطی کرسکتا ہے تو اس کا خلیفہ اس کمزوری سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ مَیں یہ بھی مانتا ہوں کہ کثرت غلطی پر ہوسکتی ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ غلطی کا امکان کس طرف ہے۔ سو صاف ظاہر ہے کہ مامور کے خلاف غلطی کا امکان زیادہ تر عوام الناس کی طرف سے ہے۔ اور غیر ماموریت کی حالت میں قلیل گروہ کی طرف سے۔ مَیں نے پیشتر بیان کیا ہے کہ صحابہ کا اجماع خلافت پر ہوُا تھا اگر یہ اصل صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو پھر ماننا پڑے گا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد خلافت کے مسئلہ پر جس امر میں صحابہ کا اجماع ہوا وہی حق ہے۔ اگر تمہارا یہ ایمان ہے کہ ان کا اجماع غلطی پر ہوگیا۔ یا نعوذ باللہ انہوں نے چالاکی اور منصوبہ بازی سے خلافت قائم کی۔ تو پھر اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوا۔ یعنی مامور جو لوگوں کی درستیٔ ایمان اور تزکیہ نفس کے لئے مبعوث ہوا تھا اس سے وہ کام سرانجام نہ ہوا۔ بلکہ برعکس اس کے اسکے ہم نشین جو شب وروز اس کی تعلیم اور تربیت کے نیچے

تھے وہ بے ایمان نکلے اور ان کے دلوں میں بجائے جبرائیل کے شیطان نکلا استغفر اللہ غرض یہ تو ممکن ہے کہ چند اشخاص نہ سمجھیں۔مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ کثرت غلطی میں ہو۔سچ پوچھو تو جب ہم منکرین کی طرف غور کرتے ہیں تو صرف ایک دو ہی ایسے پاتے ہیں جو مسیح موعود اور خلیفہ اوّلؓ کی صحبت میں رہے۔

''حقیقت میں غور کیا جائے تو منکرین خلافت رافضی ہیں اور خارجی بھی۔رافضی اِسی لحاظ سے کہ انہوں نے خلافت اولیٰ کو غلطی پر سمجھا اور خارجی اس لئے کہ اہل بیت سے عداوت روا رکھی۔ کہتے ہیں کہ بعض عقائد مثلاً وفات مسیح کے مسئلہ میں جب تیرہ سو سال تک غلطی رہ سکتی ہے تو چھ سال کی غلطی بڑی بات نہیں۔ایک طرف تو یہ بتاتے ہیں کہ ہم نے خلیفہ اوّلؓ کی بیعت ان کے تقدس اور تبحر علمی کی وجہ سے کی تھی۔اور دوسری طرف یہ بھی اقرار ہے کہ غلطی کی۔یہ سچ ہے کہ تیرہ سو سال تک وفات مسیح کے متعلق غلطی رہی مگر وہ عوام الناس کی تھی نہ کہ صحابہؓ کی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا ثبوت دیا ہے اور ہم ہمیشہ مخالفین کے مقابلہ میں پیش کرتے رہے ہیں کہ صحابہؓ کا اجماع وفات مسیح پر تھا۔اور پھر اسی غلطی کو وحیِ الٰہی نے درست کیا۔مگر تمہارے پاس کوئی بھی سند وحی کی ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ اب تمہارا قول وفعل درستی پر مبنی ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پنجوقتہ نماز میں سمجھا دیا ہے کہ امام امیر یا خلیفہ وقت کی بیعت یا اطاعت کِس طرح ہونی چاہیئے اگر امام غلطی کرے تو مقتدی کو نہایت ادب سے بتا دینا چاہیئے اور اگر وہ سمجھ لے اور اس غلطی کو درست کرلے تو خیر ورنہ مقتدی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ نماز سے الگ ہوجائے کیونکہ اس سے جماعت ٹوٹتی ہے۔بلکہ اسے حکم ہے کہ امام کی پیروی کرے اس طرح باوجودیکہ اس نے اپنی سمجھ کے مطابق غلطی کی مگر

چونکہ اس نے جماعت بندی نہیں توڑی۔اس لئے وہ ثواب کا مستحق ہے اور اگر امام نے جان بوجھ کر غلطی سے انحراف نہیں کیا تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے نہ کہ مقتدی۔اسی طرح خلافت کا معاملہ ہے۔جب جماعت نے اپنے میں سے ایک کو منتخب کرلیا تو سب کو اس کی اتباع واجب ہے۔اگر غلطی کرے تو ادب سے بتادیں۔مگر اس سے بغاوت کبھی نہ کریں۔اس طرح قومی شیرازہ بنا رہتا ہے۔اوراس میں بڑے بڑے فائدے ہیں۔ایک تو یہی کہ قوّتِ متحدہ قائم رہتی ہے۔انتشار میں کمزوری لاحق ہوجاتی ہے۔

''ایک سوال ایمان واتقا اور علم کا رہ جاتا ہے۔خلیفہ وہ ہونا چاہیئے جوان صفات میں ممتاز ہو یوں تو مخنثوں کی طرح بزدل پس پردہ حضرت میاں صاحب کے اتقاء پر حملے کرتے ہیں۔جن کا تسلی بخش جواب پانے پر اکثروں کی زبانیں بند ہوگئی ہیں۔(اور یہ حملے اسی نوع کے تھے جو بعض متعصب غیر احمدی حضرت مسیح موعودؑ پر کیا کرتے تھے) مگر ظاہر طور پر ابھی تک کوئی بے ایمانی بدمعاشی فریب دہی وغیرہ کا الزام (استغفراللہ) ہماری نظر سے نہیں گزرا۔برعکس اس کے سِلسلہ کے بڑے بڑے بزرگوں نے اور ایسے بزرگوں نے جو قادیان میں رہتے ہیں۔اور حضرت میاں صاحب کے چال چلن سے خوب واقف ہیں علی الاعلان کہا ہے کہ خدا کے فضل سے آپ کے ایمان اور اتقاء میں کوئی دھبہ نہیں۔اور آپ کا ایمان اور اتقاء اعلیٰ پایہ کے ہیں۔

''رہا عِلم۔سو دنیاوی عِلم میاں صاحب کے پاس نہیں۔وہ انگریزی کے ایم،اے، بی اے نہیں نہ عربی کے مولوی فاضل۔البتہ جو عِلم دینی خلیفہ میں ہونا چاہیئے وہ لَایَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کے ماتحت جانچ لو۔ امتحان تو انتخاب میں ہو نہیں سکتا پر اس میں کیا شک ہے کہ بڑے بڑے علماء نے آپ کے تبحرِعلمی کو مانا ہے۔اوران کے عِلم کے آگے اپنی

گردنیں جھکائی ہیں۔اور غافلو! ذرا آپ کے خطبات کو دیکھو۔تقریروں کا مقابلہ کرو۔درس قرآن کو سنو اور تحریریں پڑھو۔پھر ایمان سے بتاؤ کہ تم میں سے کوئی ہے جو ایسے نکاتِ معرفت بیان کر سکے خدا کے فضل سے آپ کے کلام میں وہ بلند خیالی اور باریک بینی ہے کہ کسی اور میں نہیں پائی جاتی وہ وہ نکاتِ معرفت نکالے ہیں کہ بڑے بڑے عالم فاضل ششدر رہ جاتے ہیں۔محو ہو جاتے ہیں حیرت میں ڈوب جاتے ہیں۔ اور پھر اپنے الہامات اور مکاشفات اور رؤیا بھی شائع کئے ہیں۔جو لفظاً اور معناً پورے ہوئے جو سچ کہتا ہوں ایمان سے کہتا ہوں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے تو

عِلم قرآں عِلم آں طیب زباں
عِلم غیب از وحیٔ خلّاق جہاں
ایں سہ علم چوں نشانہا دادہ اند
ہر سہ ہمچو شاہداں استادہ اند

کے مصداق نظر آتے ہیں۔یعنی پورے طور پر اپنے والد علیہ السلام کے روحانی وارث ہیں۔**اللّھمّ صلّی علیٰ محمّدٍ و علیٰ اٰلہٖ و اصحابہ و خلفائہ اجمعین۔**

”غرض حضرت میاں صاحب کو خدا کے فضل سے کئی فضیلتیں حاصل ہیں۔ (۱) حضرت مسیح موعودؑ کے لڑکے ہیں (۲) عالی نسب ہیں (۳) صحابہ میں سے ہیں (۴) متقی پرہیز گار ہیں (۵) عالم ہیں (۶) حضرت خلیفہ اوّلؓ نے بارہا ان کو امامت کے لئے منتخب کیا (۷) بعض اوقات قرآن شریف پڑھانے کے لئے مقرر کیا (۸) شب و روز حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم و تربیت کے نیچے رہے (۹) حضرت خلیفہ اوّلؓ نے خاص طور پر ان کی تعلیم میں کوشش کی (۱۰) حضرت خلیفہ اوّلؓ کے بڑے فرمانبردار تھے (۱۱) حضرت خلیفہ اوّلؓ اپنے لڑکوں کی نسبت ان سے زیادہ پیار و محبت اور تعظیم کرتے تھے (۱۲) حاجی

ہیں (۱۳) حضرت خلیفہ اوّلؓ ان کو حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کا مصداق یعنی مصلح موعود سمجھتے تھے۔ (۱۴) جماعت نے ان کو خلیفہ تسلیم کیا۔
یہ فضیلتیں مجموعی طور پر اور کسی میں نہیں ہیں۔ **ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ**۔
''اس میں شک نہیں کہ محض کسی مامور کی اولاد ہونا بے حقیقت ہے۔ اور نہ ہی **اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ** کے ماتحت عالی نسب ہونا کوئی فخر ہے۔ مگر مذکورہ صفات کے علاوہ اگر یہ صفات بھی ہوں تو نورٌ علی نور ہے اور ایسے شخص کو زیادہ مستحق امارت قرار دیتی ہیں۔
''جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ تمہارے امیر کو حضرت مسیح موعودؑ اور خلیفہ اوّلؓ کے وقت کبھی یہ فخر حاصل نہیں ہؤا کہ انہوں نے جمعہ کی امامت یا ان کے حکم سے کسی نماز کی امامت کرائی ہو یا درس قرآن کے لئے انہیں کہا گیا ہو۔ یا کوئی فتویٰ ان کے سپرد کیا گیا ہو۔ وہ سیکرٹری ضرور تھے اور انجمن کے دنیاوی کام سرانجام دیتے تھے گو وہ دین سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر میرا مدعا یہ ہے کہ یہ کام ان کے اس قسم کے نہیں تھے جن سے روحانی امامت مقصود ہو۔ ایک ترجمۃ القرآن کا کام ان کو دیا گیا تھا۔ وہ بھی اس لحاظ سے کہ وہ انگریزی جانتے ہیں۔ تبھی تو ان پر اعتماد نہیں کیا گیا۔ اور حضرت خلیفہ اوّلؓ نے حکم دیا کہ ہمیں سنا دیا کرو۔ اور اصلاح کرالیا کرو۔ بلکہ عالموں کی ایک کمیٹی مقرر کی کہ اس کو دکھا لیا کرو۔
''غرض اے منکرین خلافت! **وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَاتَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا** کے ماتحت سبیل المومنین اختیار کرو۔ مومنین کی جماعت کثرت سے جس طرف جھکی ہوئی ہے اس راستہ پر قدم مارو اگر اس کو چھوڑ کر غیروں کی جانب مائل ہوئے تو پھر انہی میں جذب ہو جاؤ گے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جو وعیدان کے حق ہیں تم پر بھی عائد ہوں گے۔

’’دیکھو! کثرت وقلت کا راز میں نے تمھیں سمجھا دیا ہے یہی وہ راز ہے جس سے صحابہؓ کے اجماع کو منشائے الٰہی سے تعبیر کیا گیا اور خلفائے راشدین کی خلافت حضرت آدمؑ اور حضرت داوٗدؑ کی مانند منجانب اللہ ٹھہری۔اس طرح حضرت مسیح موعودؑ ومہدی مسعود علیہ السلام کے خلفاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔جس حکم کے ماتحت پہلے خلیفہ کے منکرین فاسق قرار دیئے گئے۔وہ حکم منسوخ نہیں ہوا۔غور کرو! اور اپنے آپ کو گمراہی میں مت ڈالو!☆‘‘

## والدہ محترمہ

آپ کی والدہ محترمہ صاحب جان صاحبہؓ بیان کرتی تھیں کہ میں سکھوں کے راج میں قریباً بارہ سال کی تھی۔اُن کے زمانہ میں غیر مذاہب والوں اور خصوصاً مسلمانوں کو کسی قسم کی آزادی حاصل نہ تھی۔حتّٰی کہ وہ مسجدوں میں اونچی آواز سے اذان بھی نہیں دے سکتے تھے۔ان کا کوئی فوجی دستہ یا چند سپاہی کسی گاؤں کے پاس سے گزرتے اور باہر ڈیرہ ڈال دیتے۔تو گاؤں میں آکر لوگوں کے گھروں سے چارپائیاں اور دیگر اسی قسم کی ضروری اشیاء لے جاتے اور جاتے ہوئے وہیں چھوڑ جاتے اور بعض اشیاء ساتھ لے جاتے تو کسی کو مزاحمت کی جرأت نہ ہوتی۔کبھی کبھی گھر کے چھوٹے بچے روتے پیٹتے اور بعض چیزوں کے ساتھ چمٹ جاتے کہ ہماری ہیں نہ لے جاؤ تو یہ سپاہی ان بچوں کو جھڑک دیتے۔

آپ شادی سے پہلے بمقام نورمحل ضلع جالندھر اپنے والدین کے ہاں رہتی تھیں۔سِکھوں کے راج کے آخری دنوں کا چشم دید حال آپ سناتی تھیں کہ نورمحل میں ہم نے دیکھا کہ سکھوں کے سپاہی بھاگے جارہے ہیں۔کیس (یعنی ان کے سر کے بال) کُھلے ہوئے ہیں۔اور بدن سے خون جاری ہے۔اُن کے پیچھے انگریزی فوج کا دستہ آیا۔اُن کے ساتھ کُتے تھے۔کچھ اُونٹ تھے اور دیسی سپاہی بھی تھے قصبہ کے لوگ اپنے گھروں کی چھتوں

☆: آپ کے مضمون ’’جماعت احمدیہ شملہ نے خلافت ثانیہ سے کس طرح وابستگی اختیار کی‘‘ مندرجہ الفضل ۳ فروری ۱۹۴۰ء میں جماعت شملہ کے متعلق تفصیلی کوائف موجود ہیں۔

پر چڑھ کر دیکھ رہے تھے۔اور یہ دیسی سپاہی ہاتھ اٹھا کر انہیں کہتے جاتے تھے کہ خوش ہو کہ اب انگریزوں کا راج آ گیا ہے۔سُکھ پاؤ گے۔چنانچہ بعد میں ہم نے دیکھا کہ انگریزوں کے راج میں لوگوں کو بہت آزادی ہوگئی۔

سناتی تھیں کہ خاوند کے مرنے پر مَیں نے یہ عہد کرلیا کہ ساری عمر صوم وصلوٰۃ کی پابند رہوں گی۔محنت کر کے بھی اولاد کی پرورش کروں گی۔اولاد تین لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں۔سب سے بڑی لڑکی قریباً سترہ سال کی شادی شدہ تھی۔اور منشی برکت علی صاحب سب سے چھوٹے تھے اور اڑہائی تین سال کے تھے۔خاوند کے ملنے والوں سے کہہ دیا کہ اب کسی کا میرے ساتھ تعلق نہیں جو ان کی زندگی میں تھا۔ماسوا ضروری کام کے میرے پاس کوئی نہ آئے۔اس عہد کے مطابق انہوں نے ساری عمر گذاری اور ہمیشہ نماز روزہ کی پابند رہیں۔گھر میں کھانا پکانے کا سب کام خود کرتی تھیں۔ان دنوں آٹا پسائی کی مشین رائج نہ تھی۔سب سے پہلا کام منہ اندھیرے چکی پیسنے کا کرتیں۔محلّہ کے کنوئیں سے پانی لاتیں اور بچوں کے بیدار ہونے سے پہلے نماز سے فارغ ہو جاتیں۔ساری عمر سب کام اپنے ہاتھ سے کرتی رہیں۔حتّٰی کہ پچھلی عمر میں جب عام تمدن میں تغیر آ گیا تو چکی پِیسنا وغیرہ کام ترک کر دیا۔

اس زمانہ میں برادری کے لوگ تقریباً ایک ہی حیثیت کے ہوتے تھے۔اور میل ملاپ رکھتے تھے۔آپ کے گھریلو کاروبار میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر برکت دی کہ سناتی تھیں کہ مَیں نے تھوڑا تھوڑا کر کے نوصد روپیہ جمع کرلیا اور خاوند سے کہا کہ اب ہم مکان پختہ بنالیں۔وہ حیران ہوئے کیونکہ ان کو اس قدر روپیہ جمع ہونے کا عِلم نہ تھا۔موصوفہ نے کہا کہ آپ شروع تو کریں اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت دی کہ ایک مکان تیار ہوگیا۔

محترم خاں صاحب نے ۱۹۰۱ء میں بیعت کی۔اس کے جلد بعد آپ کی والدہ محترمہ بھی سِلسلہ احمدیہ میں داخل ہوگئیں۔ابتداءً تو انہوں نے صرف اس وجہ سے بیعت کی کہ آپ سمجھتی تھیں کہ میرا لڑکا نیک ہے اس لئے اس نے جس شخص کی بیعت کی ہے وہ بھی ضرور نیک اور صادق ہوگا۔وہ پڑھی لکھی نہ تھیں اور نہ زیادہ استدلال کرسکتی تھیں۔لیکن حقیقتاً

دیکھا جائے تو جس دلیل کو سامنے رکھ کر انہوں نے بیعت کی وہ بھی بذاتِ خود ایک بڑی دلیل ہے۔ چنانچہ بیعت کے بعد سِلسلہ کی صداقت کے اور دلائل بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں سمجھا دیئے۔ ان کی بیعت کر لینے سے خان صاحب کو گھر میں اور محلّہ میں تعصب وغیرہ کی وجہ سے کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی۔ کیونکہ موصوفہ کا طرز زندگی اپنوں اور دوسروں کے ساتھ اس قِسم کا اعلیٰ تھا کہ سب اس نیک منش خاتون کی عزت کرتے تھے۔

والدہ صاحبہ قادیان آنے کا شوق رکھتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ کے ساتھ قادیان آئیں۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ اور بچی بھی ساتھ تھیں۔ قریبا بارہ تیرہ روز قادیان میں قیام رہا۔ اور قریباً روزانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اندرونِ خانہ جاتی تھیں۔ اور حضور کی کئی باتیں خاں صاحب کو سناتی تھیں جن میں سے انہیں صرف اس قدر یاد رہا کہ گھر میں حضور عموماً لکھنے پڑھنے میں مشغول رہتے ہیں۔

ایک دفعہ موسمِ گرما میں خاں صاحب والدہ کو لے کر قادیان آئے۔ وہ بیعت کر چکی تھیں۔ پتہ چلا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو کسی مقدمہ کے سِلسلہ میں گورداسپور تشریف لے گئے ہیں۔ ان دنوں طاعون کا زور تھا۔ کِسی نے بتایا کہ بیرونی مستورات کو حضور کے گھر جانے کی اجازت نہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے اپنے مکان میں ایک کمرہ والدہ صاحبہ کے لئے مرحمت فرمایا۔ اور جب سُنا کہ خاں صاحب کی والدہ صاحبہ ضعیف العمر اور حقہ پینے کی عادی ہیں تو حقہ مہیا کر دیا۔ اور حکم دیا کہ ان کے پاس ہر وقت آگ اور تمباکو تیار رہے۔ کھانا دونوں وقت آپ اپنے گھر سے پکوا کر بھجوا دیتے۔ دارالامان پہنچنے پر مَیں نے حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ سے ذکر کیا کہ ہم تو زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ حضور یہاں نہیں۔ اور میں ایک دو دن سے زیادہ یہاں ٹھہر نہیں سکتا۔ اس لئے افسوس ہے کہ بغیر ملاقات کے ہی جانا پڑے گا۔ فرمایا مجبوری ہے کیا کیا جائے۔ پھر اسی رنگ میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ سے عرض کیا۔ فرمایا میاں! آپ کی والدہ صاحبہ ضعیف ہیں تو کیا حرج ہے۔ یہاں تک پہنچے ہی ہو۔ گورداسپور بھی ہو آؤ۔ مگر والدہ صاحبہ کی ضعیف العمری کے مدّنظر خاں صاحب کو حوصلہ نہ پڑا۔ علاوہ ازیں موسم بھی خراب تھا۔ اس دن بارش ہو رہی تھی۔

گرمیوں کے دنوں میں عموماً آپ خاں صاحب کے پاس شملہ چلی جاتی تھیں۔ مجالس وعظ سننے کا شوق تھا۔آخری عمر میں ایک دفعہ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ شملہ میں آئے ہوئے تھے۔ جماعت نے خواتین کے لئے بھی وعظ کا انتظام کیا۔آپ اس وقت اچھی طرح چل پھر نہیں سکتی تھیں۔اس لئے ڈولی میں بیٹھ کر گئیں۔دل کی مخیرّ تھیں۔مگر زیادہ شوق مساجد وغیرہ کے لئے اِنفاق کا تھا۔حج کرنے کا شوق تھا۔مگر جانے کا انتظام نہ ہوسکا۔تو آپ نے خاں صاحب کو کچھ روپیہ دے دیا۔کہ جب حج کرنے جاؤ تو میری طرف سے بھی حج کرا دینا۔چنانچہ ایک عرصہ کے بعد جب خان صاحب کو ۱۹۳۴ء میں حج کی توفیق ملی تو آپ نے والدہ ماجدہ کی طرف سے حجِ بدل کرا دیا۔

آخری عمر میں موتیا بند (نزول الماء) کی وجہ سے نظر میں نقص واقع ہوگیا۔ان ایام میں حضرت ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحبؓ امرتسر میں متعیّن تھے۔اور اس وقت وہاں ایک انگریز سول سرجن آنکھوں کے بنانے میں اپنی مہارت کی وجہ سے مشہور تھا۔اوراس وجہ سے بھاری فیس لیتا تھا۔لیکن حضرت میر صاحبؓ نے اسی سے تھوڑی فیس دلوا کر آنکھیں بنوا دیں۔علاوہ ازیں موصوفہ کو بجائے شفا خانہ میں داخل کرانے کے اپنے گھر میں رکھا۔اس دو تین ہفتہ کے قیام کے عرصہ میں میر صاحبؓ نے خود بڑی احتیاط سے دیکھ بھال کی اور آپکے اہلبیت کلاں نے بھی بہت خاطر و مدارات کی۔

حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ غالباً مسجد نور اور شفا خانہ نور کے لئے فراہمی چندہ کے سِلسلہ میں شملہ میں تشریف لے گئے۔تو موصوفہ نے وصیّت کر کے اسی وقت حصہ وصیت آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ان کے جنازہ کے متعلق یہ عجیب بات ہے کہ وفات سے پہلے جب وہ اپنے وطن جالندھر میں بیمار ہوئیں تو خاں صاحب کو خیال ہوا مبادا یہ مرض الموت ہو اور وہ وہیں فوت ہو جائیں۔ایسی صورت میں میرے لئے ان کا جنازہ قادیان لے جانا مشکل ہوگا۔کیونکہ غیر احمدی اقارب مزاحم ہوں گے۔سو خاں صاحب روزانہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لکھتے رہے کہ حضور دعا فرمائیں کہ اگر ان کی موت مقدر ہے تو وہ شملہ آ جائیں۔اور وہیں ان کی وفات ہو۔تا مَیں آسانی سے جنازہ قادیان پہنچا سکوں۔چنانچہ حضور کی یہ دعا قبول ہوئی۔خان صاحب انہیں بحالتِ مرض

ہی شملہ لے گئے اور وہ شملہ جا کر فوت ہوئیں۔اس طرح قادیان جنازہ پہنچانے میں اللہ تعالیٰ نے سہولت پیدا کردی۔آپ کے تار کے مطابق اقارب جالندھر ریلوے اسٹیشن پر آگئے۔ جہاں چند گھنٹے کے لئے جنازہ ٹھہرالیا گیا۔اور اقارب نے چہرہ دیکھ لیا۔اور لڑکے اور داماد جو جاسکتے تھے وہ جنازہ کے ساتھ ہولئے۔اور نماز جنازہ میں شریک ہوگئے۔مرحومہ قریباً چالیس سال کی عمر میں بیوہ ہوئیں۔قریباً بیالیس سال بیوہ رہیں۔اور بیاسی سال کی عمر میں راہیِ ملکِ بقا ہوئیں حضور نے جنازہ پڑھایا اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئیں۔۱۲

زیر''مدینۃ المسیح''مرقوم ہے:

''مکرمی بابو برکت علی صاحب سیکرٹری جماعت شملہ کی والدہ ماجدہ فوت ہوگئی تھیں۔انّا للّٰہ وَانّا الیہ راجعون۔ان کا جنازہ مقبرہ بہشتی میں دفنانے کے لئے قادیان لایا گیا۔حضور نے نماز جنازہ پڑھائی۔احباب بھی جنازہ غائب پڑھیں ۱۳☆۔

موصوفہ محترمہ نے ۱۰۔۱۹۰۹ء میں نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کی شملہ میں تشریف آوری پر شفاخانہ اور دارالضعفاء قادیان کی تعمیر کے لئے پچاس روپے دئے تھے۱۴۔

☆: آپ کی وصیت کا نمبر ۹۹۰ ہے قطعہ نمبر ۳ حصہ ۷ نمبر ۴ قبر ہے۔کتبہ کا پلستر مرور زمانہ سے کچھ اتر چکا ہے۔اس کی نقل سطر بہ سطر درج ذیل ہے۔ جہاں عبارت باقی نہیں رہی وہاں نقطے ڈال دیئے گئے ہیں۔

کلّ من علیھا فان ویبقٰی اللّٰہ اکبر ربّک ذوالجلال والأکرام

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ..........................................

محمد ......................................له

والدہ منشی برکت علی صاحب جالندھری

امیر جماعت شملہ

جمعہ واقعہ ۱۷ ستمبر ۱۹۱۵ء مطابق ۷ ذلقیعد ۱۳۳۳ ہجری کو شملہ میں بعمر ۸۲ سال فوت ہوئیں۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۱۵ء کو بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوئیں۔۱۹۰۶ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

لاالٰہ الّا ھو . کل شیئ ھالک اِلّا وجھہٗ له الحکم والیه یرجعون.

## آپ کی رفیقۂ حیات

آپ کی اہلیہ محترمہ کے جدّی اقارب احمدیت سے محروم رہے اور خاں صاحب محترم کے تعلق سے مرحومہ احمدیت سے وابستہ ہوئیں اور انہوں نے اخلاص میں بہت ترقی کی۔آپ لجنہ اماء اللہ شملہ کی صدر تھیں☆۔۱۵ آپ کے حالات ذیل میں درج ہیں جن سے ظاہر ہے کہ آپ ایک مخلص صحابیہ تھیں۔اور دین العجائز پر قائم تھیں۔اور اخلاقِ عالیہ سے بہرہ ور تھیں۔خانصاحب بیان کرتے ہیں:

''میری اہلیہ عزیزہ بیگم منشی مولا بخش صاحب محافظ دفتر ضلع کچہری ہوشیار پور کی دُخترِ نیک اختر تھیں مَیں نے ۱۹۰۱ء میں بیعت کی۔اس کے بعد جلدی ہی مرحومہ نے بھی محض اس وجہ سے بیعت کر لی کہ میرا خاوند نیک ہے۔جب اس نے بیعت کرلی ہے تو مجھے ان سے الگ رہنا مناسب نہیں۔وہ زیادہ لکھی پڑھی نہ تھیں اور نہ زیادہ استدلال کرسکتی تھیں۔لیکن اگر حقیقتاً دیکھا جائے تو جس دلیل کو اولاً انہوں نے سامنے رکھ کر بیعت کی وہ بھی بڑے پایہ کی دلیل ہے۔چنانچہ بیعت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو اور دلائل بھی صداقت سِلسلہ کے سمجھا دیئے۔

''۱۹۰۶ء میں مَیں ایک دفعہ محترمہ والدہ صاحبہ۔اہلیہ صاحب اور اکلوتی بچی بعمر قریباً چھ سال کو لے کر قادیان گیا۔اور بارہ تیرہ روز وہاں قیام رہا۔ہمیں رہنے کے لئے جو مکان ملا وہ شہر میں تھا۔اور پختہ دومنزلہ مکان تھا جس میں کبھی پریس بھی ہوتا تھا۔ہر دو نے وہاں دستی بیعت کی۔میرے گھر سے روزانہ حضور کے گھر جاتیں۔اور اندرونِ خانہ کی بہت سی باتیں مجھے بتاتیں۔افسوس کہ ان کو محفوظ نہ کرسکا۔جہاں تک یاد ہے بتاتی تھیں کہ حضرت صاحب عموماً گھر میں مطالعہ یا تحریر میں مصروف رہتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آپ کمرے کے دوتین طاقچوں میں دواتیں رکھ

☆: لیکن یہ معلوم نہیں کہ کتنا عرصہ وہ صدر رہیں۔

لیتے اور ٹہلتے ٹہلتے تحریر کا کام کرتے جہاں سیاہی لگانے کی ضرورت ہوتی۔دوات میں قلم ڈبو لیتے۔اور پھر ٹہلنا شروع کردیتے۔ان دنوں انڈی پنڈنٹ (قلم) نہیں ہوتے تھے۔(باہر سے آئی ہوئی عورتیں گھر میں بے تکلف پھرتی اور حضور سے باتیں کرلیتی ہیں)حضور کو دردسر اور ذیابیطس کا عارضہ لاحق ہے۔جب کبھی شدتِ مرض کی وجہ سے باہر تشریف نہیں لے جاسکتے۔تو اندر ہی مستورات کو باجماعت نماز پڑھا دیتے ہیں۔آپ کی طبیعت میں استغناء ہے۔کسی کیطرف اونچی نگاہ کرکے نہیں دیکھتے بلکہ نظریں نیچی کئے ہوئے اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔(صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب حضور کی مصروفیت کے وقت بھی اور نماز کے اوقات میں بھی حضور کے آگے پیچھے کھیلتے رہتے ہیں۔اور حضور کبھی منع نہیں کرتے۔ہماری لڑکی قریباً اسی عمر کی تھی وہ بھی کبھی صاحبزادہ صاحب کے ساتھ کھیلتی ہے تو کئی دفعہ حضور ازراہِ شفقت اسے بھی اپنی گود میں بٹھا لیتے اور پیار کرتے ہیں☆۔)۱۹۰۷ء میں یہ بچی بیمار ہوگئی۔دُعا کے لئے لکھنے کا موقع نہ ملا۔مگر دل میں تڑپ تھی کہ اسے حضورؑ کے صدقے سے ہی آرام ہو جائے۔مگر بقضائے الٰہی وہ جانبر نہ ہوسکی۔بلکہ بعمر ساڑھے سات سال وفات پا گئی۔اس کا مجھے بڑا قلق ہوا۔کیونکہ اس سے قبل بھی کوئی اولاد نہ تھی اور نہ بعد میں ہوئی۔دوسرے تیسرے دن مَیں نے اخبار میں پڑھا کہ حضور کو الہام ہوا ’’میں ان کے رونے کی آواز سُن رہا ہوں‘‘ مجھے اس وقت کچھ ایسا یقین ہوا کہ یہ میرے ہی متعلق ہے۔

☆:طبع اول (ص ۱۰۱میں) والدہ صاحبہ اور اہلیہ دونوں کی طرف سے یہ بیان کرنا درج ہے کہ کئی دفعہ حضور نے بچی کو اٹھایا اور پیار کیا۔خاکسار کو پہلے محترم خانصاب نے حالاتِ زندگی بھجوائے۔بعد ازاں کتابت شدہ کاپیاں آپ کو خاکسار نے راولپنڈی جا کر دیں۔آپ نے ساری پڑھیں اور اسے درست قرار دیا۔سو طبع اول کا بیان قابل ترجیح ہے بجائے ۱۹۵۱ء کے بیان کے جس میں والدہ صاحبہ کی طرف سے آپ نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ بچی کو گود میں اٹھایا تھا۔

میں نعش کو بہشتی مقبرہ میں دفن کرنے کے لئے لانا چاہتا تھا۔حضور کی خدمت میں تحریر کیا۔مگر حضور نے تحریر فرمایا کہ کچھ ضرورت نہیں۔ بچے جہاں بھی دفن ہوں جنتی ہوتے ہیں۔ جنازہ قادیان لانے کی اجازت نہیں۔

''میرا اُن کا ساتھ اس دنیا میں قریباً ۵۲ سال رہا اور وہ ۲۱ دسمبر ۱۹۴۹ء مطابق ۲۸ صفر ۱۳۶۹ھ راولپنڈی میں قریباً ٦٦ سال کی عمر میں فوت ہوئیں ۔۲۲ دسمبر کو جنازہ ربوہ میں لایا گیا اور اگلے روز نماز جمعہ کے بعد مقبرہ بہشتی ربوہ میں مدفون ہوئیں۔ جنازہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہزار ڈیڑھ ہزار کے مجمع کے ساتھ پڑھایا۔ کیونکہ بہت سے لوگ قرب جلسہ کی وجہ سے نماز جمعہ میں شامل ہونے کی غرض سے دو تین روز پہلے ہی آ گئے تھے۔حضور نے جنازہ کو کندھا دیا اور فرمایا کہ میں قبرستان تک جاتا۔مگر میں اس وقت ایک بڑی ضروری کتاب لکھ رہا ہوں۔

''ہم دونوں میاں بیوی دستِ بدعا رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی جگہ موت دے کہ جنازہ مرکز میں پہنچ جائے۔حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ جنازہ پڑھائیں اور ہم بہشتی مقبرہ میں دفن ہوں۔مرحومہ کی مرض الموت میں اس دعا کی طرف زیادہ توجہ ہوگئی۔ چنانچہ مرحومہ کے حق میں تو یہ دعا خدا کے فضل سے منظور ہوگئی۔اور ایسی صورت میں منظور ہوئی کہ اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے قبولیت دعا کا خاص نشان ظاہر ہوتا ہے۔مرحومہ ۲۱ دسمبر کو راولپنڈی میں دن کے ایک بجے فوت ہوئیں۔ تابوت وغیرہ بمشکل رات کے آٹھ بجے تک تیار ہوسکا۔اس لئے جنازہ کو ربوہ لانے کے لئے رات بھر انتظار کرنا پڑا۔۲۲ دسمبر کی صبح کو پونے آٹھ بجے راولپنڈی سے تابوت لے کر روانہ ہوئے۔اور شام پونے چھ بجے ربوہ پہنچے۔روانگی سے قبل میں دفتر بہشتی مقبرہ کو فوری تار دے آیا تھا کہ ہم

جنازہ لا رہے ہیں۔مگر یہ تار ہمارے پہنچنے کے بعد دفتر والوں کو ملا۔اس کے دو فائدے ہوگئے۔اول یہ کہ اگر تار جلدی مل جاتا۔اور قبر تیار ہوگئی ہوتی۔تو غالباً اُسی وقت جنازہ پڑھا دیتے اور میت دفن کردی جاتی لیکن اب ہمیں انتظار کرنا پڑا اور دوسرے دن جو جمعہ کا دن تھا۔حضور ایدہ اللہ نے بعد نماز جمعہ جنازہ پڑھایا اور حضور کے ساتھ ہزار ڈیڑھ ہزار کے قریب احباب بھی جنازہ میں شریک ہوگئے۔اس ضمن میں یہ ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے مطابق نماز جمعہ کے بعد ایسی ساعت شروع ہوجاتی ہے جو دعاؤں کی خاص قبولیت اور برکت کی ہے۔اس لئے امید ہے کہ حضور اور دیگر احباب کی دعائیں خدا کے فضل سے مرحومہ کے حق میں ضرور منظور ہوں گی۔اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں خاص جگہ دے گا۔دوسرا فائدہ تار جلدی نہ پہنچنے کا یہ ہوا کہ میں جمعرات والے دن ۲۲ دسمبر کو راولپنڈی سے اپنے اعزہ و اقارب کو تاریں دے آیا تھا۔کہ مرحومہ فوت ہوگئی ہیں اور میں جنازہ ربوہ لے جارہا ہوں۔چنانچہ وہ سب یہ خیال کرکے کہ جنازہ بہر حال دوسرے دن بعد از نماز جمعہ ہوگا۔نماز جمعہ سے پہلے پہنچ گئے۔مرحومہ کا منہ دیکھ لیا۔اور جنازہ میں بھی شریک ہوگئے۔

''جیسا کہ عام طور پر عورتوں کی خواہش ہوتی ہے۔مرحومہ بھی یہ چاہتی تھیں اور دُعا کیا کرتی تھیں کہ میں اپنے خاوند سے پہلے اس کے ہاتھوں میں وفات پاؤں تاکہ بعد میں کِسی اور کی محتاجی نہ کرنی پڑے۔چنانچہ یہ دعا بھی ان کی منظور ہوگئی۔

''میں اپریل ۱۹۴۹ء میں اپنی بیماری کی وجہ سے ربوہ کے پہلے جلسہ سالانہ میں شریک نہ ہوسکا اور اس دوسرے جلسہ میں بھی مرحومہ کی بیماری کی وجہ سے شمولیت کی امید نہ تھی۔مگر اُن کی موت ایسے وقت میں ہوئی کہ اس

جلسہ میں شریک ہونے کا باعث ہوگئی اور میں جلسہ کی برکات سے متمتع ہوسکا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہؤا اور جہاں مرحومہ کے مجھ پر کئی اوراحسان ہیں جاتی ہوئی یہ احسان بھی کرگئیں ۔غرض مرحومہ کی وفات کے متعلق ہم دونوں میاں بیوی کی سب دعائیں منظور ہوگئیں۔البتہ افسوس ہے ہماری ایک خواہش پوری نہ ہوئی یعنی مرحومہ اپنی وفات سے پہلے کوئی بات نہ کرسکیں نہ کوئی وصیت کرسکیں اور نہ اپنی کسی خواہش کا اظہار کرسکیں اور دنیا میں ایسا کون ہے جس کی سب دعائیں اورخواہشیں پوری ہوں مگران کے متعلق یہ عجیب بات ہے کہ ہم کوئی خاص دُعا بھی نہ کرسکے۔ مجھے ان کی دل شکنی کی وجہ سے حوصلہ نہ پڑا۔کہ ان سے دریافت کروں اوراسی خیال میں رہا کہ خدا تعالیٰ آرام دے گا۔تو دیکھا جائے گا۔ایک دفعہ انہوں نے کوشش کر کے کچھ کہنا چاہا مگر ایک یا دو باتیں کر کے یہ کہہ کر خاموش ہوگئیں کہ طبیعت گھبراتی ہے۔باقی باتیں بعد میں بتاؤں گی۔اور انشاء اللہ لِکھا کر جاؤں گی مگر افسوس ہے کہ مہلت نہ ملی۔وفات سے قبل دس بارہ گھنٹے بے ہوشی طاری رہی اور بے ہوشی میں کچھ باتیں کرتی رہیں۔مرنے سے پہلے کچھ منٹ جوطبیعت سنبھلی تو صرف اتنا کہہ سکیں کہ کمزوری از حد ہوگئی ہے اتنے میں آنکھیں پتھرا گئیں۔اور نبض ساکت ہوگئی۔**انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔**

’’سو مرحومہ کی وفات کے متعلق سوائے ایک خواہش کے ہماری سب دعائیں خدا تعالیٰ کے فضل سے منظور ہوئیں مرحومہ کا تعلق دنیا میں میرے ساتھ قریباً ۵۲ سال رہا دل چاہتا ہے اور اس کے لئے خدا کی درگاہ میں دستِ بدعا ہوں کہ آخرت میں بھی وہ ہمیں اپنے بہشت بریں میں اکٹھا رکھے امید ہے۔میری یہ دعا بھی خدا کے فضل سے منظور ہوگی ۔کیونکہ بظاہر اس کی بنیاد بھی رکھ دی گئی ہے یعنی حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی اجازت سے مرحومہ کی قبر کے ساتھ ہی

میری قبر کے لئے بھی جگہ مخصوص کر دی گئی ہے۔ناظرین سے درخواست ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے تو دعا کریں کہ میری یہ خواہش اور دعا بھی پوری ہو۔

''مرحومہ میری بہت خدمت گذار تھیں۔میری صحت اور کھانے پینے کا بہت خیال رکھتی تھیں۔بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اُن کا یہ سلوک میرے ساتھ عشق کی حد تک پہنچ گیا تھا۔اور خویش واقرباء اور دوسرے ملنے والوں میں یہ بات ایک ضرب المثل ہوگئی تھی کہ وہ اپنے خاوند کا بہت ہی فکر رکھتی ہیں۔ تقویٰ میں بھی اپنے ملنے والوں میں مشہور تھیں۔مجمع میں جانا محض اس وجہ سے پسند نہ کرتی تھیں کہ عورتوں اور بچوں کے شوروغل کی وجہ سے ان کی طبیعت گھبراتی تھی۔اور عورتیں جو عموماً ایک دوسرے کا گلہ شکوہ کرتی ہیں۔انہیں بُرا معلوم ہوتا۔کسی کا احسان لینا پسند نہ کرتی تھیں۔خواہ کوئی رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار اور اگر کوئی کسی وجہ سے خاص حسن سلوک کرتا تو جب تک اس سے بڑھ کر بدلہ نہ دیتیں چین نہ آتا کسی کا حق مارنا تو ایک طرف ہمیشہ دوسرے شخص کو اس کے حق سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتی تھیں۔غرباء کی امداد کا خاص شوق تھا اور جو روپیہ پیسہ بھی میں بطور جیب خرچ وغیرہ دیتا وہ غرباء کو دے چھوڑتی تھیں اور احسان جتلانا تو الگ دل میں بھی اس کا خیال نہ رکھتیں۔اگر کوئی ان کے سامنے ان کے احسان کا ذکر کرتا۔تو بُرا مناتیں۔کھانے پینے اور لباس میں ازحد سادگی پسند تھیں۔بالکل سادہ اور چھوٹا موٹا لباس پہنتیں۔اگر کوئی رشتہ دار یا ملنے والی عورت کہتی کہ خدا کا فضل ہے۔کسی چیز کی کمی نہیں پھر آپ کو لباس میں کفایت کی کیا ضرورت ہے۔اچھا کپڑا پہنا کریں تو جواب دیتیں کہ طبیعت ہی نہیں چاہتی۔زیورات خدا کے فضل سے بنائے ہوئے تھے بلکہ بعض اچھے پارچات بھی تھے مگر پہن کر مجمع میں بہت کم جاتیں۔اور جب کہا جاتا کہ ان کے رکھ چھوڑنے کا کیا فائدہ استعمال کرو تو جواب

دیتیں۔ پہن کر عورتوں میں جانے کو دل نہیں چاہتا۔ مبادا وہ خیال کریں کہ دکھانے کے لئے پہن کر آئی ہیں۔

''صفائی اور پاکیزگی کا از حد خیال رہتا تھا۔ گھر میں کوڑا کرکٹ پڑا دیکھ نہ سکتی تھیں۔ ہم عموماً گھر کے کام کاج کے لئے کوئی لڑکا یا لڑکی ملازم رکھتے تھے۔ مگر پھر بھی جب کبھی موقعہ ملتا اپنے ہاتھ سے بھی کام کرتیں۔ چھوٹا موٹا کپڑا دھولیتیں اور برتن صاف کرلیتیں۔ کپڑا دھوتے اور برتن صاف کرتے ہوئے کئی دفعہ کلمہ طیبہ پڑھتیں کیونکہ وہ سمجھتی تھیں کہ جب تک کلمہ طیبہ نہ پڑھا جائے چیز صاف اور پاک نہیں ہوتی۔

''بزرگوں کی خدمت کا خاص خیال رکھتیں۔ اپنے سُسرال کے رشتہ داروں کا تو بہت ہی لحاظ رکھتیں اور ان کے مقابلہ میں اپنے میکے کے رشتہ کی بھی پرواہ نہ کرتیں۔ چنانچہ میری والدہ مرحومہ کی مرض الموت میں دن رات خدمت کی اور میری والدہ مرحومہ کو بھی اُن کے بغیر چین نہ آتا تھا۔ میری مرض کو اپنی مرض پر حتیٰ الوسع ترجیح دیتی تھیں۔ شروع میں ہمارے غیر احمدی ہونے کی حالت میں میری بعض بے قاعدگیاں برداشت کیں۔ لیکن بیعت کرنے کے بعد میرا کسی قسم کا تشدد گوارا نہ کرتی تھیں۔ اور کہہ دیتی تھیں کہ اگر ایسا کرو گے تو حضرت صاحب کو لکھ دوں گی۔ اس لئے مجھے دبنا پڑتا تھا۔ صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں۔ بلا وجہ نماز کبھی ترک نہ کرتیں۔ اور روزہ رکھنے سے اگر معذور ہوتیں تو فدیہ ضرور ادا کرتیں نماز کا ترجمہ سیکھ لیا تھا۔ اور نماز ادا کرتے وقت ترجمہ کا بھی ساتھ ساتھ خیال رکھتی تھیں۔ دعاؤں کی بہت عادت تھی اور تقریباً ہر نماز میں فرضوں کی آخری رکعت کے سجدہ میں لمبی لمبی دعائیں کرتی تھیں۔

''خود تبلیغ کا ملکہ نہ رکھتی تھیں۔ مگر احمدیت کے خلاف بھی کسی کی بات سننا برداشت نہ کرتی تھیں اس لئے کسی رشتہ دار یا غیر رشتہ دار کو اُن کی موجودگی میں سِلسلہ کے متعلق بدگوئی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

''شعائر اللہ کا بہت احترام کرتی تھیں مگر دل کی قدرتاً از حد درجہ کمزور واقعہ ہوئی تھیں۔اس لئے بہشتی مقبرہ کی زیارت کے لئے بہت کم جاتیں۔اور جب کبھی حوصلہ کر کے جاتیں۔تو ایک دو عورتیں ساتھ لے کر جاتیں۔اور بہت لمبی لمبی دعائیں کرتیں۔بلکہ اسی کمزوریٔ دل کی وجہ سے میرے ساتھ حج کو نہ جاسکیں۔کیونکہ حاجیوں کو طاعون و ہیضہ کے لئے دو ٹیکے کرانے پڑتے تھے۔اور وہ ٹیکہ کو برداشت نہ کرسکتی تھیں۔محلّہ کی عورتوں نے سمجھایا کہ خاوند ساتھ ہے۔اس سے بڑھ کر اور کون سا اچھا ساتھ مل سکتا ہے۔خوش قسمتی کی بات ہے ساتھ چلی جاؤ۔حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم نے ایک دو دفعہ فرمایا کہ میں ٹیکہ گھر آ کر کر جاؤں گا۔اور ایسی طرز سے کروں گا کہ ذرہ بھی تکلیف نہ ہوگی۔اتفاقاً ان دنوں چیچک کا ٹیکہ ہو رہا تھا۔کئی خورد سال بچے سامنے آ کر دکھاتے کہ دیکھو ہم نے ٹیکہ کرایا ہے۔اور کوئی ایسی تکلیف نہیں ہوئی۔مگر ان کی طبیعت نہ مانی۔اور تنگ آ کر کہنے لگیں کہ مجھے بار بار کیوں گناہ گار کرتے ہو۔مَیں ٹیکہ نہیں کراسکتی بلکہ سمندر کا نظارہ بھی برداشت نہیں کرسکتی۔اندریں حالات مجھے مجبوراً اکیلے ہی حج کو جانا پڑا۔مگر میں نے ان کی طرف سے حج بدل کرادیا۔میں ۱۸ فروری ۱۹۳۴ء کو جا کر ۱۸ اپریل کو واپس آیا۔اس دو ماہ کے عرصہ میں وہ مسلسل اور زیادہ شدت سے مصروفِ عبادت رہیں۔اور ایک دن بھی گھر سے باہر نکلنا گوارا نہ کیا۔

''خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی بہت تعظیم وتکریم کرتی تھیں۔حضرت ام المومنین مدظلہا العالٰی کے ساتھ از حد عقیدت تھی اور کبھی بغیر نذرانہ کے ان سے مِلنا پسند نہ کرتی تھیں۔حضرت ام المومنین خود ان کے ملنے کے لئے ہمارے ہاں تشریف لے آتی تھیں تو اس وقت بھی نذرانہ ضرور پیش کردیتی تھیں۔

''آخری ایام میں رضائے مولٰی پر راضی معلوم ہوتی تھیں۔کیونکہ بیماری

کے دنوں میں سوائے ایک دو دفعہ صحت کے لئے دعا کرنے کے کوئی شکوہ وشکایت نہ کیا۔ بس اتنا کہا کہ جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ ان کی بیماری میں ایک دو دفعہ میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ تو دیکھ کر کہنے لگیں کہ کیوں روتے ہو۔ کیا یہ ہماری خواہش نہیں کہ میں آپ سے پہلے وفات پاؤں۔ غرض عام حالات میں ان کی سب عادات قابل تحسین تھیں۔ اور جو عورت بھی احمدی یا غیر احمدی اُن سے مِلیں ان کے اخلاق کی گرویدہ ہو گئیں۔

''ان کے استغناء اور سیر چشمی کا یہ عالم تھا کہ باوجودیکہ میں ساری تنخواہ ان کے حوالے کر دیتا تھا۔ اور کہہ دیتا تھا کہ مقررہ جیب خرچ کے علاوہ جس طرح چاہو خرچ کرو۔ مجھے کوئی اعترض نہ ہوگا۔ مگر وہ میری اجازت کے بغیر ایک پیسہ بھی اس میں سے خرچ کرنا گناہ سمجھتی تھیں۔ اور کہتیں کہ جو اپنے ہاتھ سے دو گے وہی خرچ کروں گی۔ بڑی مہمان نواز تھیں۔ خود کسی کے ہاں جاتیں تو زیادہ خاطر تواضع پسند نہ کرتیں لیکن اگر کوئی ہمارے گھر میں آتا تو حتی الوسع مہمان نوازی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتیں۔

''جن دنوں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ امرت سر کے ہسپتال میں تعینات تھے۔ ان دنوں والدہ مرحومہ نے وہاں جا کر آنکھیں بنوائیں۔ حضرت میر صاحب مرحومؓ نے بڑی شفقت سے اپنے زیر اہتمام انگریز سول سرجن صاحب سے آنکھیں بنوادیں۔ وہ سول سرجن صاحب آنکھیں بنانے میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ چاروں طرف ان کی شہرت تھی۔ اور دور دور سے سینکڑوں لوگ آنکھیں بنوانے کے لئے آتے تھے۔ والدہ مرحومہ کو حضرت میر صاحب نے بجائے ہسپتال میں جگہ دلوانے کے اپنے گھر میں رکھا۔ جہاں ہم دو اڑھائی ہفتہ رہے اور جہاں حضرت میر صاحب مرحوم کی بڑی بیوی اور میری بیوی مرحومہ نے

والدہ مرحومہ کی بڑی خدمت کی۔ والدہ مرحومہ نے مرتے وقت میری بیوی مرحومہ کو علاوہ اور باتوں کے یہ وصیت کی کہ میرا یہ زیور اور نقدی اِس اِس طرح تقسیم کر دینا اور ہر ہفتہ میری طرف سے کسی غریب کو کھانا کھلا دیا کرنا۔ چنانچہ مرحومہ نے اس کی پوری تعمیل کی اور جب تک زندہ رہیں ہر ہفتہ ایک آدمی کا کھانا کسی نہ کسی غریب کو دیتی رہیں اور اگر کبھی کوئی ایسا آدمی نہ ملتا تو اندازہ کر کے اس کی نقدی غرباء میں تقسیم کر دیتیں۔

''طبیعت بڑی مخیّر واقع ہوئی تھی۔غرباء میں صدقہ وخیرات کے علاوہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چاول وغیرہ پکا کر غرباء کو کھلا دیتی تھیں جس کے لیئے ہر ماہ پیسے جمع کرتی رہتی تھیں اور رقم خاصی جمع ہوتی۔ ہر بار ایسا کرتی تھیں۔ چندہ باقاعدہ ادا کرتی تھیں۔البتہ ادائیگی کا طریق یہ تھا کہ مجھے کہہ رکھا تھا کہ میری طرف سے بھی دریافت کئے بغیر ہی ادا کر دیا کرو۔ چنانچہ مَیں اپنے چندہ کے ساتھ ہی اس کا ہر قسم کا چندہ بھی ادا کر دیا کرتا تھا۔میری اجازت کے بغیر کہیں باہر نہیں جاتی تھی۔اور اگر کبھی جانا پڑ جائے تو مجھے بتا دیتی تھی۔زکوٰۃ باقاعدہ ہر سال زیور پر اور نقدی پر ادا کر دیتی تھی۔گھر کے عام استعمال کی چیزیں اگر کوئی مانگے تو خوشی سے دے دیتی تھی۔مگر خود لینا حتیٰ الوسع پسند نہ کرتی تھی۔ بلکہ اگر کسی چیز کی ضرورت پڑے تو خود خرید لیتی تھی۔ نیز کبھی کسی کا کینہ دل میں نہ رکھتیں۔نہ کسی کی بدسلوکی کا بدلہ لینے کی کوشش کرتیں۔اگر کوئی بھتیجا یا بھائی گستاخی کرتا تو میں کہتا کہ میں اس سے پوچھوں گا۔تو جھٹ مجھے منع کر دیتیں اور کہتیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہی ہے وہ سب کے اعمال دیکھتا ہے۔

''غرض مرحومہ کے اخلاقِ حمیدہ اور عاداتِ حسنہ کہاں تک بیان کئے جائیں۔ وہ ایسی نیک طینت اور فرشتہ خصلت بی بی تھیں کہ مجھے ان کی

وجہ سے کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔اور ان کی موجودگی میں ہمارا گھر ایک بہشت کا نمونہ بنا ہوا تھا۔اللہ تعالیٰ ان کی تُربت پر اور ان کے ساتھیوں کی تُربت پر جو بہشتی مقبرہ میں لیٹے ہوئے ہیں۔ہزاروں ہزار رحمتیں اور برکتیں نازل کرے اور اُن کو اپنے قُرب خاص میں جگہ دے۔آمین☆''

محترم خاں صاحب کی مالی خدمات اور سِلسلہ کی بغیر معاوضہ خدمت کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر جنگ دوم کے باعث حد درجہ کی مہنگائی اور بوجہ ہجرت از قادیان مال ومتاع سے محرومی کے باوجود پنشن پر گذارہ۔ان سب میں آپ کے اہل بیت اپنی سادگی پسندی تقشّف اور للّٰہیت کی وجہ سے برابر کی شریک تھیں۔اور ہر طرح آپ کی معین ومددگار تھیں۔آپ نے ۱۹ دسمبر ۱۹۲۸ء کو ۱/۸ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ کی۔آپ کا وصیت نمبر ۲۹۲۰ تھا☆☆۔

---

☆:الفضل ۱۴، ۱۵ جنوری ۱۹۵۰ء، ۱۶ جون ۱۹۵۱ء و اصحابِ احمد جلد سوم (ص۱۰) طبع اول سے یہ حالات مرتب کیئے ہیں۔

☆☆:مقبرہ بہشتی میں کتبہ کی عبارت یوں ہے۔اس عبارت کی منظوری حضرت خاں صاحب نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے حاصل کرلی تھی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمدُہٗ وَنَصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیم

کُلُّ مَنۡ عَلَیۡھَا فَانٍ وَیَبۡقٰی وجہ ربّک ذوالجلال والاکرام

عزیزہ بیگم صاحبہ

زوجہ خان صاحب منشی برکت علی صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ شملہ و جوائنٹ ناظر بیت المال صدرانجمن احمدیہ۔مرحومہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحابیہ تھیں۔۱۹۰۶ء میں حضور کے دست مبارک پر بیعت کی۔۲۱ دسمبر ۱۹۴۹ء مطابق ۲۸ صفر ۱۳۶۹ھ کو بعمر تقریباً ۶۶ سال راولپنڈی میں فوت ہوئیں اور جمعہ واقعہ ۲۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو یادگار بہشتی مقبرہ قادیان واقعہ ربوہ میں دفن ہوئیں۔

انا للّٰہ وانّا الیہ راجعون

# قلمی ولسانی جہاد میں شرکت

اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت سلطان القلم مسیح موعود علیہ السلام کی فوجِ ظفر مَوج میں شامل ہوکر محترم خاں صاحب کو قلمی جہاد میں شریک ہوکر قابل قدر خدمات کا موقعہ عطاء ہوا۔ نیز لسانی جہاد کا بھی ،حضور کے عہد مبارک میں تین مضمون وتقاریر بدر میں شائع ہوئیں۔اسی مبارک عہد میں آپ نے چھ تقاریر شملہ میں کیں۔ جو خلافت اولیٰ میں کتابچوں کی شکل میں شائع ہوئیں۔خلافتِ اولیٰ وثانیہ میں بھی آپ نے قلمی ولسانی خدمات کی توفیق پائی ☆۔ بعض تالیفات وغیرہ کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا جاتا ہے:

''قدامتِ روح ومادہ اور تناسخ''۔اس نام کی اس موضوع پر آپ کی تصنیف کے متعلق علامہ حضرت سید محمد اسحاق صاحبؓ اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''حدوثِ روح مادّہ'' کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص اس مسئلہ کی تحقیق بطور خود کرنا چاہے۔اس کے

---

بقیہ حاشیہ: مرحومہ بود وصال صد وصف احمدی درکار خیر مستعد مجتبر ز زشر۔صبر ووفا غنا وقلات ز وصف او سادہ مزاج وصاف دل ز کیر کے خیر پر نور باد مرقوش از نور کریگار۔یا صد ہزار رحمت۔خلاق بود بر۔اے خدا بر تربت او بارش رحمت پیار۔داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم۔

☆: معلوم ہوتا ہے کہ آپ زبانی تقریر نہیں کرتے تھے بلکہ مضمون تحریر کر کے اسے پڑھ دیتے تھے۔

(۱)''حقوق انسانی''اس کا ذکر روایات میں ہوا ہے۔(۲)''مسئلہ تقدیر''(بدؔر ۲۸ نومبر ۱۹۰۷ء)سوا چار کالم پر مشتمل یہ تقریر بمقام شملہ ہوئی تھی۔(۳)''موت''بدؔر ۳۰ جنوری ۶،۱۳ فروری ۱۹۰۸ء گویا متواتر تین نمبروں (پرچوں) میں یہ مضمون شائع ہوا۔(۴) مضمون ''حقیقتِ معجزہ''وتشحیذ الاذہان نومبر ودسمبر ۱۹۰۸ء۔(۶،۵)''قدامتِ روح دمادہ اور تناسخ''اور''گوشت خوری'' کے متعلق آپ کی تین تین تقاریر ۱۹۰۴ء میں بمقام شملہ ہوئیں۔(۷ تا ۹)''ضرورتِ نبی''۔انتخابِ خلافت'' اور اصول قرآن فہمی'' آپ کی تصانیف ہیں۔اور''اسلام بذریعہ تبلیغ پھیلایا بزورِ شمشیر''ایک تقریر جو بصورتِ کتاب شائع ہوئی۔(۱۰،۱۱)''اسلام اور سیاسی حکومت''پر آپ نے ایک مضمون جلسہ پیشوایانِ مذاہب میں پڑھا (مندرجہ الفضل ۲۱،۲۳ نومبر ۱۹۴۳ء)''ذکر حبیب'' پر آپ کی تقریر اس کتاب میں درج ہو چکی ہے۔

لیئے ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے علاوہ فلاں فلاں بائیس کتب ورسالہ جات کا ضرور مطالعہ کرے۔اس فہرست میں خانصاحب کی اس تصنیف کا نام بھی شامل ہے۔جس سے اس کا بلند پایہ علمی مرتبہ ظاہر ہے۔آپ نے یہ کتاب حضرت خلیفہ اوّلؓ کے نام سے معنون کی تھی ☆۔ رسالہ ''گوشت خوری'' اکتوبر۱۹۰۴ء کی آپ کی تین تقاریر کا مجموعہ ہے۔ماہنامہ ''تشحیذ الاذھان'' میں جو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحبؓ کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔اور آپ ہی کا جاری کردہ تھا۔ذیل کا تبصرہ شائع ہوا:

''یہ ایک مدلّل رسالہ ہے جو منشی برکت علی صاحب شملوی نے چھپوایا ہے گوشت کھانے کو عقلی ونقلی طور پر آریوں کے مقابلہ میں جائز ثابت کیا گیا ہے۔ ہرایک احمدی کے پاس یہ رسالہ ہونا چاہیئے ۔ ہمارے پاس چند نسخے آ گئے ہیں۔۶۰ صفحے کا رسالہ نہایت عمدہ چھپا ہوا ہے اور ہم قریباً اصل لاگت پر۲۰/ کے حساب سے دے دیں گے☆☆۔''

ریویو آپ ریلیجنز (اردو) میں یوں تبصرہ ہوا:

''اس نام کا رسالہ حال میں منشی برکت علی صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ شملہ نے شائع کیا ہے۔اس رسالہ میں منشی صاحب نے اپنی ان تین تقریروں کو نقل کیا ہے جو انہوں نے اکتوبر۱۹۰۴ء آریہ سماج کے ساتھ ایک مباحثہ کے موقعہ پر پڑھیں۔تقریریں نہایت معقول اور مدلل ہیں۔علاوہ ازیں آریوں کی کتابوں سے نہ صرف گوشت خوری کو جائز ثابت کیا ہے بلکہ یہ بھی دکھایا ہے کہ ویدوں کے زمانہ میں گائے کا گوشت بھی آریہ ورت میں عام طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔اور جابجا ہندوؤں کی

---

☆:۱۹۰۴ء میں آریہ سماج شملہ کی گھاس پارٹی کی دعوت پر کہ متنازعہ مسائل پر دوستانہ گفتگو کی جائے۔اس موضوع پر خانصاحب کی یہ تین تقاریر ہوئیں۔مطبوعہ۱۹۱۱ء۔صفحات ۸۱۔

☆☆:اکتوبر۱۹۱۱ء (ص۴۰۰) فروری۱۹۱۲ء (ص ۸۹) اور اپریل۱۹۱۲ء (ص۱۴) میں نہایت مختصر اعلان ہوا ہے۔

دو کانوں میں بکتا تھا۱۶۱☆ ۔‘‘

اِس بارہ میں اخبار الحق دہلی نے تبصرہ کے طور پر لکھا کہ:

’’منشی صاحب موصوف نے تین زبردست دلائل سے گوشت خوری کو ثابت کیا ہے۔ اور نیچر کے مطالعہ سے کام لے کر گوشت خوری کی تائید میں جو عنوان قائم کئے ہیں ان کو دیکھ کر کوئی آریہ مہاشہ معقول اور اطمینان بخش جواب نہیں دے سکتا۔ منشی صاحب کا یہ دعویٰ کہ گوشت کھانا انسانی فطرت میں طبعی طور پر داخل ہے۔ بالکل ٹھیک ہے اور اس کو آپ نے نیچرل طریقہ سے انسانی بناوٹ سے اور حکم الٰہی سے ثابت کر دیا ہے۔ اہل ہنود گوشت خوری کی ممانعت میں جو امور پیش کیا کرتے ہیں ان کی خوب دھجیاں اڑائی ہیں ۔غرض یہ چھوٹی سی کتاب ہر مسلمان کے غور سے پڑھنے کے قابل ہے ۱۶۲۔‘‘

جناب مولوی فقیر محمد صاحب بیجاپوری نے تحریر کیا:

’’ایک رسالہ گوشت خوری مجھ کو ملا جس کو دیکھ کر مجھ کو از حد خوشی حاصل ہوئی۔ یہ رسالہ مدلل بدلائل تو یہ عقلیہ ونقلیہ معقول ہے اور آپ نے امتِ مرحومہ پر بڑا احسان کیا ہے۔‘‘

جناب ابوالفاروق سید محمد عسکری صاحب نے تحریر فرمایا کہ:

’’اس کو بالاستیعاب مطالعہ کر کے نہایت درجہ خوشی اور مسّرت ہوئی کہ آپ نے نہایت قابلیت اور کامیابی کے ساتھ جواز گوشت خوری کو ثابت فرمایا ہے۔ اور نہایت وضاحت کے ساتھ ہر ایک پوائنٹ پر بحث فرمائی ہے۔ الحمد للہ کہ جیسے رسالہ کی اس مسئلہ پر میں عرصہ سے تلاش میں تھا وہ آپ کی مساعی جمیلہ کی بدولت نصیب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور ہمیشہ تائید دین متین کی (توفیق)

---

☆: بابت فروری ۱۹۱۱ء (ص ۷۳، ۷۴)

عطا فرمائے ☆۔''

☆: رسالہ ''گوشت خوری'' کا کچھ اقتباس اس کے دلائل کی پختگی کے اظہار کے لئے پیش کیا جاتا ہے:

''معترض سوال کرسکتا ہے کہ اگر انسان کے لئے گوشت کھانا جائز ہے تو یہ تمیز کیوں رکھی ہے کہ.........فلاں حرام ہے اور فلاں حلال۔سو اس کا جواب یہ ہے کہ.........حیوانات اپنے افعال ......... میں ......... حیوانی عقل کے ماتحت ہیں۔اس کے باہر نہیں جاسکتے ......... (وہ) طبعاً اپنی خوراک کو جانتے ہیں۔مگر انسان کا یہ حال نہیں۔نیچر نے انسان کو عقل دیکر اس سے یہ توقع رکھی ہے کہ وہ اسی کے ذریعہ.........مفید اور مضر غذا کو جانچے.........(پھر) انسان ناقص ہستی ہے۔اسکی عقل عقلِ کل نہیں.........وہ .........محتاج ہے......... کہ (دوسرے) ......... اس کو بھلے بُرے سے مطلع کریں.........جسم پر غذا کا اثر ہوتا ہے......... روح پر بھی ......... جس کے ساتھ ہی اخلاق بدل جاتے ہیں۔پس اخلاق کا اصلاح کرنیوالے کا فرض ہے کہ اخلاقی تعلیم کے ساتھ ہی یہ بھی تعلیم دے کہ خوراک کس قسم کی کھانی چاہیئے ۔مگر تاریخ سے ثابت ہے کہ جن لوگوں نے آسمانی تعلق پیدا کرکے.........خلق اللہ کی اصلاح کا دعویٰ کیا انہوں نے ......... گوشت کھانے سے منع نہیں کیا۔'' (ص ۶ تا ۹)

''جب سب حکیم ڈاکٹر اور بید.........متفق ہیں کہ گوشت مفید غذا ہے تو اس کو کوئی فلسفی دلیل ردّ نہیں کرسکتی ......... جو عقل تجربہ کے مخالف چلتی ہے وہ عقل نہیں بلکہ اس کی ضِدّ ہے.........ایک اعتراض یہ ہے کہ ذبح کرنے سے روح کو تکلیف پہنچتی ہے.........(جواب) تیز ہتھیار سے......... مذبوح کو تکلیف نہیں ہوتی......... مثلاً ایک نہایت تیز ......... استرے سے اپنے جسم......... پر گہری کاٹ دے دیں۔آپ کو اس وقت ہرگز درد محسوس نہ ہوگا۔البتہ کچھ دیر بعد درد معلوم ہوگا۔مگر گردن پر اس طرح وار کرنے سے تو اتنی دیر میں روح خارج ہوجاتی ہے......... کلوروفام سُنگھا کر......... عضو کاٹ دیتے ہیں مگر ......... وہ ہوش میں آکر.........عضو کاٹ دینے کی کوئی تکلیف بیان نہیں کرتے۔یہی حال مذبوح کا

بقیہ حاشیہ: ہے۔‘‘(ص۱۴،۱۵)

’’ایک دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ انسان کا طبعی طور پر گوشت سے متنفر ہونا ایک بچہ سے ثابت ہوسکتا ہے۔اگر ایک بچہ کے سامنے گوشت اور ایک ......... سیب رکھ دیں تو وہ......... سیب کو اٹھالیگا......... (جواب) بچہ تو عموماً......... مٹی کو زیادہ پسند کرتا ہے......... تو کیا......... یہ سمجھا جائے کہ مٹی کھانا انسان کی طبعی خوراک ہے۔ ہرگز نہیں......... بعض اوقات......... (بچے) پاخانہ ......... منہ میں ڈال لیتے ہیں۔غرض بچہ کی مثالوں سے سبق سیکھنا غلطی ہے۔‘‘(ص ۲۵،۲۶)’’ایک دلیل یہ تھی کہ گوشت کھانے سے عمر کم ہوجاتی ہے......... میں نے پنجاب کی مردم شماری کی رپورٹ دیکھی کیونکہ پنجاب میں اورصوبہ جات کی نسبت آریہ دھرم کا زیادہ چرچا ہے......... اس میں تو لکھا ہوا ہے کہ مُردوں میں ساٹھ برس سے اوپر کی عمر والے بہ نسبت ہندوؤں کے سِکھ اور مسلمان زیادہ ہیں اور یہی امر واقع ۱۸۹۱ء کی مردم شماری سے ظاہر ہوتا ہے......... رپورٹ مردم شماری (میں)......... ایک اور بات عجیب نظر آئی......... کہ حالانکہ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے مگر مخبوط الحوس یعنی سودائی ہندوؤں میں زیادہ ہیں۔‘‘(ص۳۱،۳۲)

’’ایک صاحب نے بیان کیا کہ اگر گئو کو نہ مارا جائے تو گھی اور دودھ کی خوب بہتات ہو اور وہ سستے بھی ہوں......... (جواب) جب آپ ایسے رحمدل ہیں......... تو دودھ کیوں استعمال کرنے لگے......... (جو)اس کے بچے کی خوراک ہے......... اگر گئو کے ذبح کا سِلسلہ منقطع ہوجائے تو گئو کے پروار سے جنگل اور گھر بھر جائیں اور زراعت اور کاشت کے واسطے......... زمین نہ رہے۔‘‘(ص ۳۵)

’’(اعدادوشمار) اگر ہندوؤں اور مسلمانوں کے اعداد کا مساوی حالت کے اندر موازنہ کیا جائے تو ظاہر ہوگا۔کہ......... مسلمانوں میں اموات کم ہوتی ہیں ...... ...... ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں میں اس بیماری (طاعون) سے مقابلہ کی طاقت زیادہ ہے مسلمانوں میں غالباً اموات کا نسبت کم ہونا زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ

حضرت خلیفہ اوّل کے نام سے معنون کی گئی ہے۔

''معزز ناظرین! یہ دو رسالے جن کا حجم علی الترتیب ۴۲۔۹۲ ہے۔

''ضرورتِ نبی میں منشی برکت علی صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ شملہ نے بدلائل عقلیہ ونقلیہ ثابت کیا ہے کہ دنیا وآخرت میں کامیاب زندگی حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر اطلاع پانے کے لئے ایک رہبر۔ ایک نبی کی ضرورت ہے۔اور پھر شناخت نبی کے کچھ طریق بتائے ہیں۔ یہ رسالہ غیر مذاہب میں اسلام کی تبلیغ کے لئے بہت مفید ہوگا۔انشاء اللہ تعالیٰ۔

''اسلام بذریعہ تبلیغ پھیلا یا بزورِ شمشیر۔اس سوال پر ایک زبردست تقریر ہے۔جو منشی برکت علی صاحب نے انجمن اسلامیہ شملہ میں کی۔آپ نے اس میں عقلی ونقلی دلائل سے روزِ روشن کی طرح ثابت کردیا کہ دینِ اسلام کی ترقی محض قوتِ قدسیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ودلائل وبراہین سے ہوئی نہ کہ شمشیر سے۔یہ مضمون بھی بہت مفید ہے اور بہت خوشخط۔عمدہ کاغذ پر چھاپا گیا ہے☆۔''

''انتخابِ خلافت۔''اس بارہ میں ذیل کا تبصرہ قابل توجہ ہے:

---

بقیہ حاشیہ: انکی خوراک اچھی اور مختلف قسم کی ہوتی ہے۔''(ص ۵۰) مطبوعہ ۱۹۱۰ء سائز ۲۲/۸×۱۸ قیمت تین آنے آپ کے قلم سے مرقوم ہے۔

☆:الفضل ۸ جون ۱۹۱۵ء (ص ۵) ضرورتِ نبی کی قیمت بجائے اڑھائی آنے کے ایک آنہ کردی گئی ہے۔سائز ۲۲/۸×۱۸ مطبوعہ ستمبر ۱۹۱۳ء یہ تقریر انجمن احمدیہ شملہ کی تقاریر کے ضمن میں ٹاؤن ہال میں ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۰ء کو پڑھی گئی۔

اسلام بذریعہ تبلیغ پھیلا یا بزور شمشیر۔سائز ۲۲/۸×۱۸ مطبوعہ مئی ۱۹۱۲ء انجمن شبان المسلمین وبعدہٗ انجمن اسلامیہ شملہ میں عملی مذاق پیدا کرنے اور قوتِ بیانیہ بڑھانے کیلئے بحث کی جاتی تھی۔اوائل ۱۹۰۸ء میں موضوع عنوان کتاب کے تعلق میں آپ کے سپرد یہ مضمون ہوا کہ عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کریں کہ دینِ اسلام کی ترقی تبلیغ سے ہوئی۔ یہ دو تقاریر کا مجموعہ ہے۔

''یہ ۴۸ صفحہ کا مختصر سا رسالہ اخویم منشی برکت علی صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ کی تصنیف ہے۔جس میں مسئلہ خلافت کے متعلق نہایت متانت اور عمدگی سے بحث کی گئی ہے۔منشی صاحب موصوف اپنے اندر سِلسلہ عالیہ کے متعلق خالص جوش اور درد مند دِل رکھتے ہیں۔اس لئے ان کی تحریر میں بھی یہی رنگ پایا جاتا ہے۔اور یہی ایک ایسی چیز ہے جو اس رسالہ کے پڑھنے اور اس سے مستفیض ہونے کے متعلق کافی شہادت ہے تاہم میں وثوق سے کہتا ہوں کہ جس خوبی سے اس مختصر سے رسالہ میں ضروری مسائل کے متعلق روشنی ڈالی گئی ہے۔وہ ہر ایک صاحبِ بَصیرت کے لئے بہت مفید ہے۔اور خاص کر ان لوگوں کے لئے جو غیر مبائع ہیں۔منشی صاحب موصوف کی اس دینی حمیّت اور دلی جوش نے جو انہیں اپنے غیر مبائع اصحاب سے ہے،اس بات کا تقاضا کیا ہے کہ وہ اس رسالہ کے تمام خرچ خود برداشت کر کے اُن تک مفت پہنچائیں۔اس لئے تمام احباب کو ان کے اس ارادہ میں مدد کرنی چاہیئے۔فی رسالہ دو پیسے کے ٹکٹ ڈاک کے لیئے ارسال کرنے سے دفتر الفضل قادیان سے مل سکتا ہے۔[۱۸]''

''اصولِ قرآن فہمی''۔رسالہ مطبوعہ جنوری ۱۹۵۷ء سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۸۴ مؤقر الفضل میں ذیل کا تبصرہ اس کے بارے میں شائع ہوا:

''اس رسالہ میں مصنف نے قرآنِ کریم ہی کے بیان کردہ دس اصول قرآن فہمی پیش کئے ہیں۔جن کی روشنی میں اسلام اور احمدیت کی صداقت واضح کی گئی ہے۔

''اس موضوع پر اس سے قبل کوئی رسالہ ہماری نظر سے نہیں گذرا۔حالانکہ یہ نہایت اہم ،ضروری اور وسیع موضوع ہے جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے خلفاء کی کتب وتقاریر میں نہایت قیمتی مواد موجود ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اس تمام مواد کو مناسب صورت میں اکٹھا کر دیا جائے۔بہر حال مصنف کی یہ کوشش قابل داد ہے کہ انہوں

نے اس پیرانہ سالی میں یہ خدمت سرانجام دی۔ یہ رسالہ تبلیغی اغراض اور قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے یقیناً مفید اور کارآمد ہے۱۹؎۔‘‘

ماہنامہ خالد میں اور الفضل مورخہ ۲۲ فروری میں بھی اس پر تبصرے شائع ہوئے ہیں۔اسی تاریخ کے الفضل میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی طرف سے ذیل کا تبصرہ شائع ہوا:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡم
وَعَلٰی عَبۡدِهِ الۡمَسِيۡحِ الۡمَوۡعُوۡد

میں نے خان صاحب منشی برکت علی صاحب شملوی حال ربوہ کا رسالہ ’’اصولِ قرآن فہمی‘‘ دیکھا ہے مجھے بہت خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے منشی صاحب موصوف کو اس عمر میں جبکہ وہ چوراسی سال کی عمر کو پہنچے ہوئے ہیں۔اس علمی خدمت کی توفیق دی ہے۔ **فجزاہ اللّٰہ احسن الجزاء۔**

خان صاحب منشی برکت علی صاحب موصوف نے اس رسالہ میں بعض اُن قرآنی آیات پر بحث کی ہے۔جن سے قرآن مجید کے معانی اور تفسیر پر اصولی روشنی پڑتی ہے۔اوران اصولی آیات کی روشنی میں قرآن کا سمجھنا اور صداقت کا شناخت کرنا آسان ہوجاتا ہے۔رسالہ کے آخر میں احمدیت کی تبلیغ بھی عمدہ پیرایہ میں کی گئی ہے۔کیونکہ دراصل احمدیت کے اصول ہی قرآن ہی کی عملی تفسیر ہیں۔اس عمر میں محترمی منشی برکت علی صاحب کی ہمت قابل داد ہے۔انہوں نے ایک اچھوتے مضمون پر قلم اٹھایا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کا حافظ وناصر ہو۔فقط

خاکسار

مرزا بشیر احمدؐ۔ربوہ ۵۷/۲/۴

## مالی خدمات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپؐ کے زمانہ میں جو جَو کا ایک دانہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ بعد میں آنے والے اگر سونے کا پہاڑ بھی خرچ کریں گے۔ تو جَو کا دانہ خرچ کرنے والے کے ثواب کو نہیں پاسکیں گے۔ اس کی تشریح ظاہر ہے۔ ایک شخص پیاس سے پڑا تڑپ رہا ہے۔ جو بھی ایسے وقت میں اسے چند گھونٹ پانی پلا کر اس کی جان بچائے گا۔ اس کے نزدیک عام حالات میں اسے پانی کے چشمہ یا دریا پر پہنچانے والے سے یہ چند گھونٹ دینے والے کی قدر ہزار ہا گنا ہوگی۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام احیاء اسلام کیلئے مبعوث ہوئے اس وقت والیان ریاست اور امراء تک اسلام کی خاطر ایک حبّہ بھی خرچ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اپنے عیش و طرب اور لہو و لعب میں منہمک و مستغرق تھے اور اس پر اموال کو پانی کی طرح بہاتے تھے اور تو اور لغویات مثلاً بٹیر بازی۔ شادی بیاہ پر آتش بازی وغیرہ فضولیات پر تفاخر کا اظہار کیا جاتا۔ لیکن صرف اِسلام ہی ایسا بیکس تھا۔ جس پر خرچ کرنا ان کو موتِ احمر نظر آتی تھی۔ چنانچہ حضور نے براہین احمدیہ جیسی عظیم الشان تالیف تائید اسلام میں طبع فرمائی لیکن دل کے اندھوں نے اپنے چند پیسوں کو انمول سمجھا اور اس کتاب کو جو خود مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو تیرہ سو سال میں بے نظیر نظر آئی حقیر سمجھا اور ردّی حالت میں کتب واپس کر کے اپنی رقوم واپس لیں اور ہمیشہ اعتراضات کرتے رہے۔ اس وقت حضور کی توجہات اور برکات سے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی جماعت کو قائم کیا جو اسلام کے لئے مال و منال بھی فدا کریں۔ چونکہ ہمیشہ ابتداء میں غرباء ہی انبیاء کو قبول کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی قربانیاں گو دوسروں کی نظر میں جو ان مومنین کو اَرَاذِلُنَا قرار دیتے ہیں حقیر ہوں اور کہا جائے کہ ان کا ربّ فقیر ہے جو ان سے چندے طلب کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور بظاہر حقیر نظر آنے والی قربانیاں دین کے قیام کے لئے مضبوط اساس کا حکم رکھتی ہیں۔ اور عظیم الشان قرار پاتی ہیں۔ اسی لئے حضور نے ایک پیسہ دو پیسے چندہ دینے والوں کے اسماء بھی نہایت قدر و احترام کے ساتھ اپنی تحریرات میں درج فرمائے ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ خان صاحب کو ذیل کی مالی خدمات کی بھی بہت توفیق ارزاں ہوئی:

(ا): آپ بیان کرتے ہیں کہ ۱۸۹۷ء سے ۱۸۹۹ء کے عرصہ کی بات ہے کہ دفتر پی۔ڈبلیو۔ڈی یعنی بارک ماسٹری شملہ میں بتیس ہزار روپیہ کی لاٹری آئی جسکا شملہ میں بہت چرچا ہوا۔ہمیں بھی لالچ پیدا ہوا کہ ہم بھی لاٹری میں شرکت کریں میں نے اپنے چیف سپرنٹنڈنٹ کو جوانگریز تھا رقعہ لکھا کہ ہم اپنے دفتر میں FORTUNE فنڈ کھول دیں جس میں جوکلرک چاہے ماہوار آٹھ آنے دیکر شریک ہوجائے اور کچھ رقم جمع ہونے پر ہم لاٹری وغیرہ کے ٹکٹ خرید لیا کریں جہاں اس میں ہماری برانچ کے قریباً سارے کلرک جوان دنوں چودہ پندرہ ہوں گے۔شریک ہوگئے۔پہلے تو چند سال کوئی قابل ذکر رقم نہ ملی۔۱۹۰۳ء یا ۱۹۰۴ء میں ہمارے نام لاٹری آئی۔پہلے کلکتہ سے ہمیں ایک شخص نے تار دی کہ تمہارے نام فلاں گھوڑا ہے اورمَیں اسے خریدنا چاہتا ہوں۔تم مجھے اسی ہزار روپیہ دے دو اورمَیں یہ رقم پیشگی بنک میں تمہارے نام جمع کرادیتا ہوں۔ہم نے مشورہ سے فیصلہ کیا کہ گھوڑا فروخت نہ کیا جائے بلکہ اسکی قیمت کا نصف دیا جائے اوراسے تار دیا کہ یہ منظور ہوتو چالیس ہزار روپیہ فوراً ہمارے نام پر جمع کرادو۔چنانچہ اس نے ایسا ہی کردیا۔جب لاٹری نکلی تو اس کا نصف حصہ جو قریباً سوا لاکھ روپیہ تھا ہمیں ملا۔اور ہم میں سے ہر ایک کے حصہ میں قریباً ساڑھے سات ہزار روپیہ آیا۔

مَیں نے خیال کیا کہ روپیہ تو آ گیا ہے لیکن پتہ نہیں کہ اس کا اپنے استعمال میں لانا جائز بھی ہے یا نہیں۔سو میں قادیان آیا اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ کوجن کی عمر اس وقت تیرہ چودہ سال تھی۔بلایا اورعرض کیا کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے پرائیویٹ طور پر دوتین باتیں کرنا چاہتا ہوں۔میری علیحدہ ملاقات کرادیں۔چنانچہ آپ اندر گئے اورعرض کیا کہ فلاں شخص علیحدہ ملنا چاہتا ہے۔چنانچہ حضور نے اپنے پاس اوپر کمرہ میں بلوالیا۔مَیں نے تین باتیں دریافت کیں۔جن میں سے ایک لاٹری کے متعلق تھی اورتفصیل بالا بیان کرکے عرض کیا کہ غیراحمدی ہونے کی صورت میں ہم چندہ کرکے روپیہ جمع کرتے رہے اوراس سے لاٹری کا ٹکٹ خریدتے رہے۔اب لاٹری ہمارے نام آئی ہے۔مگر مجھے شبہ پڑگیا کہ واللہ اعلم یہ جائز بھی ہے یا نہیں۔فرمایا۔یہ روپیہ تمہارے لئے جائز نہیں۔یہ توجُوا ہے۔آپ اس میں سے اپنی ذات پر ایک پیسہ بھی

خرچ نہیں کر سکتے۔مگر اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی چیز حرام نہیں ۔اس لئے فی سبیل اللہ مساکین ویتامیٰ میں تقسیم کردیں۔اپنے غریب رشتہ داروں میں دیدیں قادیان کے غرباء ویتامیٰ کو دے دیں۔کسی قومی مدرسہ یا کالج میں بطور امداد دے دیں۔اسلام اس وقت غربت کی حالت میں ہے اس لئے یہ روپیہ اشاعتِ اسلام پر بھی خرچ ہوسکتا ہے۔

میں نے پہلے ہی نیت کرلی تھی کہ حضور اجازت بخشیں گے۔تو یہ روپیہ مَیں اپنے مصرف میں لاؤں گا۔ورنہ نہیں۔چنانچہ مَیں نے وہ سب روپیہ ایک ایک سو۔دودوسوکر کے غرباء میں تقسیم کردیا۔کچھ روپیہ اپنے غریب رشتہ داروں کو دے دیا۔اور چارسو روپیہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ اور تین سو روپیہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کو غرباء میں تقسیم کے لئے بھیج دیا۔اوراس طرح وہ تمام روپیہ حضور علیہ السلام کے فتویٰ کے مطابق تقسیم کردیا☆۔

(از مؤلف) مومن اور غیر مومن میں یہی فرق ہوتا ہے۔مومن علم نہ ہونے کے باوجود ماحاک فی صدرک کو گناہ سمجھتا ہے۔اور فتویٰ کا طالب ہوتا ہے۔مبادا وہ لاعلمی۔سہو یا عدم احتیاط کے باعث اکل حرام کا مرتکب ہوجائے۔لیکن آج کل کے ایمان کے مدعی اکلِ حرام کو شیر مادر کی طرح حلال اور جائز حق یقین کرتے ہیں۔اور ایک ایک حبّہ کے حصول کے لئے مکروحیل سے کام لیتے ہیں۔یہ بشاشتِ ایمان کی علامت ہے۔اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عملی نمونہ ہے۔آج سے چھیاسٹھ سال قبل (۱۹۰۳ء میں) ساڑھے سات ہزار یقیناً آج کے قریباً پون لاکھ کے برابر قیمت رکھتا تھا۔آپ نے بغیر فتویٰ لئے اپنے نفس پر خرچ نہ کرنا چاہا۔اور حقیقتِ مسئلہ معلوم ہونے پر خاں صاحبؓ کے قلبِ صافی نے جولازماً صبرواستقامت اور انقیاد واطاعت سے بھرپور تھا۔حضور کے ارشاد پر فوراً لبیک کہا اور ارشاد کی روشنی میں بلا تذبذب چند ہی دن میں فی سبیل اللہ خرچ کردیا۔

(۲): مدرسہ تعلیم الاسلام اور کالج کے لئے آپنے چندہ دیا☆☆۔

---

☆: کتاب طبع اول میں آپ کا بیان (ص۳۳) اور بیان مندرجہ الفضل ۱۶جون ۱۹۵۱ء (صفحہ۵) (ملخص)

☆☆: یوں اندراجات ہیں:

ا: بابت فروری ’’بابو برکت علی صاحب‘‘ ’’(یعنی شملہ پرنٹنگ پریس) ایک روپیہ‘‘ (الحکم ۳ مارچ ۱۹۰۱ء ص ۱۶

(۳): تعمیر منارۃ المسیح کی تحریک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کے پورا کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی تھی۔ اس تحریک میں ایک سو روپیہ دینے والوں کے نام منارہ مبارکہ پر کندہ کئے جانے تھے۔ دونوں میاں بیوی بھی ان خوش قسمت نفوس میں سے ہیں کہ جنہیں اس پیشگوئی کے پورا کرنے میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ☆۔

(۴): حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس شدید خواہش کا اظہار کیا تھا کہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اردو اور انگریزی) کی خریداری بڑھائی جائے۔ چنانچہ خانصاحب نے بھی اس کی تعمیل کر کے ثواب حاصل کیا۔ اور خود بھی اس کی مالی اعانت کرتے رہے☆☆۔

---

بقیہ حاشیہ: کالم ا) یہ چندہ قبولِ احمدیت سے قبل آپ کے بیان کے مطابق معلوم ہوتا ہے۔ ۲۔ بابت اپریل ''معرفت نبی بخش صاحب بابو برکت علی صاحب شملہ گورنمنٹ پریس بارہ آنے'' (الحکم ۱۷ جون ۱۹۰۱ء۔ ص ۱۶ کالم ۲)

۳۔ بابت مئی جون ''بابو برکت علی صاحب ایک روپیہ'' (الحکم ۲۴ جولائی ۱۹۰۱ء۔ ص ۱۶ کالم ۲)

۴۔ ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء میں آپ نے مدرسہ اور کالج کی بارہ روپے ایک آنہ کی امداد مجموعۃً کی (الحکم ۳۱ اگست ۱۹۰۵ء ص ۱۲ کالم ۳، رسالہ تعلیم الاسلام) جولائی و اگست ۱۹۰۶ء سرورق صفحہ آخری)

☆: وہاں اسماء یوں کندہ ہیں:-

۱۳۱۔ خانصاحب منشی برکت علی شملہ۔ ۲۶۸۔ عزیز بیگم اہلیہ خان صاحب منشی برکت علی بستی شیخ جالندھر ناظر صدر انجمن احمدیہ قادیان۔

☆☆: آپ خود خریدار تھے۔ (نیز اس کا چندہ جماعت ادا کیا۔ ریویو آف ریلیجنز اردو نومبر ۱۹۰۶ء سرورق ماقبل آخر) چار بار میں مجموعۃً قریباً بارہ روپے اعانت کی (''جون و اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ اپریل ۱۹۰۶ء۔ ہر سہ سرورق آخری صفحہ۔ اور جنوری ۱۹۰۷ء سرورق ماقبل آخر) چھ چھ خریدار بنائے (جولائی ۱۹۰۵ء زیر ''معاونین میگزین'' وستمبر۔ زیر ''شکریہ معاونین'') اس کی خریداری بڑھانے کی تحریک کے نتیجہ میں ایام جلسہ سالانہ سے ۲۱ فروری ۱۹۱۸ء تک اٹھائیس افراد نے انچاس اردو اور تین انگریزی کے خریدار مہیا کئے۔ انگریزی والے خانصاحب کے مہیا کردہ تھے۔ (ریویو اردو۔ فروری ۱۹۱۸ء ص ۸۳) پھر انگریزی ریویو کا ایک مزید خریدار دیا (مئی ۱۹۱۸ء۔ ص ۲۰۰)

(۵): آج سے ساٹھ باسٹھ سال قبل آپ نے چار سال میں قریباً سترہ صد روپیہ چندہ دیا۔ جو جماعت شملہ کے اس عرصہ کے مجموعی چندہ کا قریباً ایک تہائی تھا۔ جماعت کا چندہ مبلغ پانچ ہزار پچاسی روپیہ تھا۔☆

۰۹-۱۹۰۸ء میں آپ نے اور ایسے دیگر افراد نے جو خاص مالی خدمت کی رپورٹ میں اس کی تعریف کی گئی ہے۔ اس رپورٹ کے مطالعہ کے بعد مؤقر الحکم نے تحریر کیا:

''بعض اوقات چندوں کے دینے میں تو ایک فرد بھی بے نظیر کام کر جاتا ہے۔ جیسا کہ شملہ کی انجمن کی رپورٹ میں وہاں کے درخشندہ گوہر بابو برکت علی کا نام ہے۲۰۔''

(۶): آپ بھی موصی تھے۔ نیز اہلیہ صاحبہ سمیت تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین میں شامل تھے۔ احرار کی یورش اور شورش کو زائل کرنے میں مقامی تبلیغ نے کارِ نمایاں سرانجام دیا اور ماحول قادیان کی فضاء میں احرار کے مخالفانہ اثر ونفوذ میں بہت بڑی کمی پیدا کر دی تھی۔ صدر انجمن احمدیہ کی مالی امداد قلیل تھی۔ اور اس کمی کو احباب کی مالی اعانت پورا کرتی

---

☆: تفصیل یہ ہے:

| | چندہ جماعت شملہ | جماعتی چندہ میں شامل خانصاحب کا چندہ |
|---|---|---|
| ۰۸-۱۹۰۷ء | | |
| (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء) | قریباً تیرہ صد روپیہ | چار صد سے زائد |
| ۰۹-۱۹۰۸ء | سترہ صد تریسٹھ روپے | قریباً آٹھ صد روپیہ |
| (رپورٹ جلسہ سالانہ۔ ص۲۲) | پونے نو روپے | |
| ۱۱-۱۹۱۰ء | | |
| (رپورٹ سالانہ۔ ص۱۷، ۳۰) | آٹھ صد تیس روپے | دوصد گیارہ روپے + چوبیس روپے |
| ۱۲-۱۹۱۱ء | | |
| (رپورٹ سالانہ۔ ص۸۹) | گیارہ صد بانوے روپے | دوصد چھپن روپے |

۱۱-۱۹۱۰ء میں مرکز کی طرف سے اکتیس طلباء کو سات صد اٹھاسی روپے دئے جاتے تھے۔ ''ایک کو وظیفہ دو روپے۔ ماہوار ملتا تھا جو منشی برکت علی صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ شملہ نے مقرر فرمایا ہوا ہے۔ کیا بہتر ہو کہ دیگر احباب بھی آپ کی طرح اس قسم کے وظائف کی طرف متوجہ ہوں تو خرچ میں بہت کمی ہو سکتی ہے۲۱۔

تھی۔محترم خاں صاحب بھی اس کارِخیر میں شامل تھے☆۔

(۷): حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ نے بعض ایسی تحریکات کی تھیں جن کے نتیجہ میں قلبی اور ذہنی طور پر جماعت کو خدمتِ اسلام کے لئے تیار کرنا مقصود تھا۔تا موقعہ آنے پر امام جماعت کی ایک ہی صدا پر صد ہزار احباب اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنا مال نچھاور کردیں۔اور ہر چہار جوانب سے لبیک لبیک کی والہانہ آوازیں بلند ہوں۔اس تربیت و تلقین کے نتیجہ میں عدیم المثال مالی قربانی کے نظارے دیکھ کر اعداءِ سلسلہ انگشت بدنداں ہیں۔آپ کی ایک تحریک آمد اور جائیدادیں وقف کرنے کی بھی تھی۔چنانچہ منشی برکت علی صاحبؓ نے ایک ماہ کی پنشن وقف کی تھی۲۲۔آپ کی یہ پیشکش صدق دلی سے تھی۔جو اس لہر سے ثابت ہے کہ آپ نے دس گیارہ سال بعد سلسلہ کی طرف سے مطالبہ کے بغیر رضا کارانہ طور پر پانچ ہزر روپیہ کا مکان سلسہ کو دے دیا۔اس سے قبل آپ چھ ہزار روپیہ کا ایک ٹرسٹ قائم کر چکے تھے☆☆۔

---

☆: (۱) آپ کا وصیت نمبر ۲۹۱۹ تاریخ ۱۹ستمبر ۱۹۲۸ء ماہوار آمد کے ۱/۱۰ اور جائداد کے ۱/۸ کی وصیت تھی۔(۲) ''پنج ہزاری مجاہدین'' (ص۲۷۲) (۳) بابت امداد مقامی تبلیغ (رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۴۳۔۱۹۴۲ء۔ص ۷)

☆☆: الفضل ۲۶ اپریل ۱۹۵۵ء میں ناظم جائیداد صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی طرف سے ''مکرم خانصاحب منشی برکت علی صاحب شملوی کا عطیہ۔احباب کی خدمت میں درخواست دعا'' کے عنوان کے تحت اعلان ہوا:

> ''یہ امر نہایت خوشی کا موجب ہے کہ مکرم خاں صاحب منشی برکت علی صاحب شملوی نے اپنا مکان واقعہ محلّہ دارالرحمت ربوہ قیمتی ۵ ہزار روپیہ اغراضِ سلسلہ کے لئے صدر انجمن احمدیہ کے پاس ہبہ کر دیا ہے۔اس سے پیشتر وہ ایک ٹرسٹ چھ ہزار روپیہ کا اپنی اہلیہ صاحبہ مرحومہ کی طرف سے صدر انجمن احمدیہ میں قائم کر چکے ہیں۔چنانچہ آج کل اس کا نفع تین سو روپیہ سالانہ مل رہا ہے۔جو اُن کی خواہش کے مطابق صدقہ جاریہ کے طور پر صیغہ نشر واشاعت میں دین کے کاموں میں خرچ ہو رہا ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس قربانی کو منظور فرمائے اور انہیں بہت بہت نیک اجر دے۔آمین

## شملہ میں خدمات

شملہ میں آپ ابتدائی احمدیوں میں سے تھے۔اور معلوم ہوتا ہے کہ قبولِ احمدیت کے جلد بعد آپ نے اپنی سرگرمی کی وجہ سے ایک ممتاز درجہ حاصل کرلیا تھا۔سِلسلہ کے اور اخبارات کے چندے آپ کے ذریعہ مرکز میں بھجوائے جاتے تھے☆۔سِلسلہ احمدیہ کے ابتداء میں صدر اور امیر کے عہدے نہیں تھے۔بلکہ سیکرٹری جماعت کا سربراہ ہوتا تھا۔اور صدر اور امیر والے فرائض سرانجام دیتا تھا۔چنانچہ خاں صاحب اس جماعت کے سیکرٹری اور پھر جنرل سیکرٹری تھے۔پھر۱۹۱۲ء میں اُمراء کے تقرر کا طریق جاری ہونے پر آپ امیر مقرر ہوئے۔اور ۱۹۳۲ء میں پنشن پانے تک اس ذمہ داری کو نہایت کامیابی سے ادا کرکے سُرخرو ہوئے۔آپ نے جماعت کی تنظیم وتربیت بہترین رنگ میں کی۔آپ کی لائق تحسین ہمت ومساعی اور قابل رشک اسوہ اور رُوحِ مسابقت کی وجہ سے یہ جماعت قابلِ قدر مالی وتبلیغی وغیرہ خدمات کی توفیق پاتی رہی۔آپ کی قلمی ولسانی خدمات کا بیشتر حصہ قیامِ شملہ کے زمانہ سے متعلق ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ معروف تھے اور مخلص بھی☆☆۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۱: ”مکرم خاں صاحب کی عمر اس وقت ۸۲ سال سے تجاوز کرچکی ہے جس کی وجہ سے وہ کمزور ہوگئے ہیں اور اچھی طرح چل پھر نہیں سکتے۔اس کے علاوہ انہیں بعض عوارض مثلاً فتق موتیا وغیرہ بھی ہیں۔جن کے باعث انہیں کچھ تکلیف رہتی ہے۔اس لئے احباب مکرم خاں صاحب کو اپنی دعاؤں میں خاص طور پر یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت دے۔ان پر رحم کرے اور ان کی باقی زندگی کے دن خیریت سے گذار دے اور ان کا انجام بخیر کرے۔آمین۔“

☆: مثلاً (۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد پر لبیک کہتے ہوئے مرکز کے ایک اخبار کے لئے جماعت شملہ نے چار روپے خاں صاحب کی معرفت بھجوائے۔(البدر ۱۸ستمبر ۱۹۰۳ء ص۴،۳)
آپ کی معرفت کسی کا چندہ بدر اور چندہ ریویو آف ریلیجنز ادا ہونا (بدر ۱۰جون ۱۹۰۵ء) (ص ۸ کالم۲)
(ریویو نومبر ۱۹۰۲ء سرورق صفحہ ماقبل آخر)

☆☆: شوریٰ ۱۹۲۶ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امراء جماعت کا تقرر میعادی

جماعت شملہ میں آپ نے جو خدمات انجام دیں ان کا ایک حصہ بیان کیا جاتا ہے:
(۱): آپ بیان کرتے ہیں کہ میری نظر سے گذرا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی یا کسی اور نے قادیان کو ق سے لکھنے کی بجائے ک سے لکھا اور اس کے ثبوت میں ڈاکخانہ کی گائیڈ کا حوالہ دیا کہ اس میں بھی Q کی بجائے K استعمال کیا گیا تھا۔ میں نے اس محکمہ کے ذمہ دار افسران کی توجہ دلائی تو بعد کی طباعت میں اس میں تصحیح کر دی گئی اور قادیان بجائے K کے Q سے تحریر کیا گیا۔ اس سال جب کہ مَیں دارالامان سے ٹانگہ پر واپس جارہا تھا تو ساتھ والے ٹانگہ میں دو چار دوست گفتگو کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ شملہ سے بابو برکت علی صاحب نے بہت اچھا کیا قادیان کے انگریزی ہجے درست کروائے۔ وہ ڈاکخانہ کے ملازم معلوم دیتے تھے۔ اُن کی گفتگو سُن کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور مَیں نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ مجھ جیسے ہیچ مدان سے بھی اس نے دینی خدمت لی ☆۔

(۲): ۰۸-۱۹۰۷ء کے اواخر میں بشمول شملہ اڑتیس جماعتوں کو انجمن ضلع قرار دیا گیا۔

"شملہ میں صرف گنتی کے چند دوست ہیں اور ضلع میں غالبًا کوئی احمدی نہیں۔ مگر سال گذشتہ میں قریب تیرہ سو روپے کے چندہ جمع کر کے انہوں

---

بقیہ حاشیہ:
ہونا چاہیئے۔ اور مدت معیاد تین سال مقرر فرمائی۔ چنانچہ مرکز سے اعلان ہوا کہ جن جماعتوں میں پہلے امراء مقرر ہوئے تھے وہ بھی پھر اپنے امراء تجویز کر کے منظوری حاصل کریں اور جن امراء کے تقرر کا اعلان شوریٰ میں کیا گیا ان میں آپ کا نام بطور امیر جماعت شملہ کے شامل تھا۲۲۔

خلافت ثانیہ میں تا تقسیم ملک دلی اور نئی دلی کی جماعتیں اور ان کے امراء الگ الگ مقرر ہونے لگے تھے۔ کیونکہ نئی دلّی کی جماعت سرکاری ملازموں پر مشتمل تھی جن کا ایک حصہ موسمِ گرما میں شملہ میں منتقل ہو رہتا تھا۔ سو شملہ اور نئی دلّی کی ایک جماعت تھی۔

☆: "آئینہ حق نما" جواب "الہاماتِ مرزا" تصنیف مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی لکھتے ہیں کہ مولوی صاحب نے یہ جھوٹ بولا کہ "محکمہ ڈاک میں قادیان کی مُہر تبدیل کرانے کی کوشش کی گئی مگر درخواست نامنظور ہوئی۔" (ص۳)

نے بھیجا ہے جس میں سے چار سو سے زائد کی رقم خود اس انجمن کے سیکرٹری بابو برکت علی صاحب نے ادا کی ہے۔ **جزاہ اللّٰہ خیرا لجزاء**☆۔''

(۳): ۰۹-۱۹۰۸ء سالانہ رپورٹ میں مرقوم ہے:

''انجمن احمدیہ شملہ۔ سیکرٹری بابو برکت علی صاحب کلرک دفتر سینیٹری کمشنر بہادر۔ رقم مدخلہ خزانہ ۱۷۳۳ روپے پونے ۹ آنے، بیشی سال گذشتہ سے ۶۱۲ روپے ۱۲ آنے سے بقائے کوئی نہیں۔ لائبریری ہے۔ سال زیر رپورٹ میں چندہ دہندگان کی تعداد ۵۱ ہے۔ جن میں سے سات غیر احمدی اور پانچ باشندگانِ جالندہر ہیں جن سے سیکرٹری صاحب چندہ وصول کر کے لائے۔ پانچ نئے اشخاص سِلسلہ میں داخل ہوئے۔ سال رواں کے چندہ میں سے ۱۱۱۰ روپے ۱۱ آنے صرف تین ممبروں کا ہے۔ یعنی بابو برکت علی صاحب سیکرٹری ۷۹۲ روپے ۱۵ آنے بابو عبدالرحمٰن صاحب ۲۰۵ رپے صوفی کرم الٰہی صاحب ۱۱۶روپے باقی ۶۴۲ روپے پونے ۹ آنے باقی احباب کی طرف سے ہے۔ **جزا ھم اللّٰہ خیرًا**۔

''بابو برکت علی صاحب نے اس سال پانچ سو روپیہ مدّ ٹریکٹ سیریز میں اور ایک سو روپیہ مِدّ یادگارِمسیح میں یکمشت خاص طور پر چندہ عطا فرمایا۔ خداوند کریم ان تمام بزرگوں کو جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قائم کردہ سِلسلے کی کسی رنگ میں تائید کی اور امداد دے کر آپ کی روح کو خوش کیا ہے۔ جزائے خیر دے۔ اور ان کے مالوں میں برکات عطا فرمائے۔ اور ان کے ہر کام میں وہ سچا جوش اور اخلاص پیدا کرے اور تمام کاروبار اس کی رضا کے لئے ہو۔ اور پھر وہ مولیٰ کریم اپنے فضل سے سب کو دنیا اور آخرت میں اپنی رضاء کے اعلیٰ مقام پر پہنچائے یہاں تک کہ حصولِ رضائے الٰہی سے دنیا اور آخرت جنت

---

☆: رپورٹ جلسہ سالانہ صدر انجمن احمدیہ منعقدہ دسمبر ۱۹۰۸ء جس میں رپورٹ سالانہ ۰۸-۱۹۰۷ء بھی درج ہے (ص ۳،۵)

ہو جائے۔ آمین۔ اس انجمن کے دوست یہی نہیں کہ مالی امداد میں ہی بڑھ بڑھ کر حصہ لینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ بڑے جوش سے تبلیغ میں بھی مصروف رہتے ہیں ............اس انجمن کا حساب وکتاب بڑا باقاعدہ ہے۔ حساب کتاب کے نقشوں میں یہ دکھایا گیا ہے کہ کس احمدی نے ہر ماہ مدوار کیا چندہ دیا۔ اور سال بھر میں اس کا کس قدر مدوار چندہ وصول ہوا۔'' (ص ۲۲، ۲۳)

(۴): ۱۰-۱۹۰۹ء سالانہ رپورٹ میں یوں مذکور ہے:

''انجمن احمدیہ شملہ'' سیکرٹری بابو برکت علی صاحب۔ رقم مدخلہ خزانہ صدر انجمن ۸۶۰ روپے ۸/۱/۲ آنے مقامی چندہ ۱۱۵ روپے ۱۴ آنے ۹ پائی ...... یہ انجمن انجمنِ ضلع ہے۔ مگر شاخ کوئی نہیں۔ کیونکہ آبادی زیادہ تر اہل ہنود کی ہے۔ اور سوائے خاص شملہ کے علاقہ میں کہیں احمدی نہیں ہیں۔ لائبریری ہے جس میں حدیث اور تفسیر کی کتب مہیا کی گئی ہیں اس جماعت نے ۱۰۹ روپے کی رقم میر صاحب (حضرت میر ناصر نواب صاحب ناقل) کو تعمیر ہسپتال و دُور الضعفاء کے لئے دی۔ اس میں سے پچاس کی رقم سیکرٹری صاحب کی والدہ صاحبہ نے عطا فرمائی۔ **جزاھم اللّٰہ خیرًا** ...... ...... اس انجمن کے ہفتہ وار اجلاس ہوتے ہیں۔ اور احباب کے لیکچر بھی ہوتے ہیں ........... یہ انجمن گورنمنٹ کی بڑی شکر گزار ہے کہ بوقت ضرورت ان کو ٹاؤن ہال میں لیکچر دینے کی اجازت ملتی ہے جس حال میں کہ جاہل مسلمان مساجد میں وعظ کرنے سے روکتے ہیں ............اس انجمن کا حساب باقاعدہ رکھا جاتا ہے☆۔''

آپ کی شائع کردہ روئیداد میں مرقوم ہے کہ گذشتہ سال ایک احمدی مقرر کی تقاریر کے اثر مٹانے کے لئے غیر احمدیوں نے ایک مولوی کو بُلایا تھا۔ لیکن نتیجۃً چار افراد نے احمدیت قبول کر لی تھی۔ اس دفعہ بھی اس مولوی کو بلایا گیا۔ لیکن اس نے نہ تو تقریر

☆: ص ۶۔ نیز مختصراً چندہ کی رقم ص ۳۸ پر بھی درج ہے۔

کی اور نہ بزدلی کی وجہ سے عام اعلان کیا۔ ہم نے اعلان کر دیا کہ حضرت مرزا صاحبؑ کے خلاف کچھ کہا گیا تو جواب دینا ہمارا فرض ہوگا۔ اور مباحثہ تحریری کیا جا سکتا ہے تا بعد میں شائع کیا جا سکے۔ احمدی مقرر کی تقریر ہوئی۔ رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ مسجد کے متولّی نے تو وہاں تقریر کرنے کی اجازت دے دی تھی لیکن متولّی کے شملہ سے باہر جانے پر دوسروں نے اجازت منسوخ کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سامان کر دیا کہ ٹاؤن ہال ایک انگریز نے کرایہ پر لیا ہوا تھا اور فارغ نہ تھا۔ اس انگریز نے بغیر کرایہ کے جلسہ کر لینے کی اجازت دے دی۔ باوجود سخت مخالفت کے حاضرین کثیر تعداد میں شامل ہوئے ۲۴۔

(۵): ۱۱-۱۹۱۰ء سالانہ رپورٹ میں یُوں ذکر آتا ہے:

''شملہ. سیکرٹری بابو برکت علی صاحب۔ رقم مُدخلہ خزانہ بابت ۱۰-۱۹۰۹ء ۸۶۰ روپے ۲/۱ ۸ آنے بابت ۱۱-۱۹۱۰ء ۸۳۰ روپے ۳ آنے ...... بابو برکت علی صاحب نے سال بھر میں ۲۱۰ روپے ۲ آنے چندہ دیا۔ مقامی چندہ ۲۱۰ روپے ۲ آنے ........... ۶۵ روپے کرایہ مکان پر خرچ ہوئے۔ قریباً ۱۲۵ روپے اس خرچ کو پورا کرنے کے لئے خاص چندہ کیا گیا........... تعداد مبایعین ۳۹ ہے۔ پانچ غیر احمدی احباب چندہ میں شامل ہیں۔ ہفتہ وار عام جلسے ہوئے ہیں........... سال حال میں ۴۱ جلسے ہوئے........... سالانہ جلسہ کے علاوہ اور بھی جلسے ہوتے رہے۔'' (ص ۱۷)

(۶): ۱۲-۱۹۱۱ء سالانہ رپورٹ میں یوں تحریر ہوا ہے:

''شملہ میں رقم مُدخلہ خزانہ بابت ۱۱-۱۹۱۰ء ۸۳۰ روپے وبابت ۱۲-۱۹۱۱ء ۱۱۹۱ روپے سیکرٹری بابو برکت علی صاحب ہیڈ کلرک۔ رقم مدخلہ خزانہ گذشتہ سال سے ۲۹۴ روپے ۲/۱ ۵ زیادہ ہے جس کی وجہ یہ کہ ۱۸۱ روپے کی رقم سیکرٹری صاحب کی ساس نے جو جولائی ۱۹۱۱ء میں فوت ہوگئی تھیں مسجد کے مصرف کے لئے دی........... بابو برکت علی صاحبؓ نے سال بھر میں ۲۵۶ روپے ۸ آنے یعنی پچھلے سال سے ۳۵ روپے ۶ آنے

زیادہ............چندہ دیا..........تعدادممبران کے لحاظ سے یہ چندہ بہ نسبت دیگر جگہ کی انجمنوں کے زیادہ ہے۔مفتی محمد صادق صاحب ناظر صدر انجمن احمدیہ نے اس سال حساب کی کتاب کو چیک کیا اور قابل اطمینان پایا۔چندہ مقامی ضروریات ۲۳۲ روپے ۱ آنہ ۹ پائی خرچ ہوا..........تعدادممبران جس سے چندہ وصول ہوا ۵۸ ہے۔جن میں سے ۴۵ احمدی اور ۱۳ غیر احمدی ہیں .........۔ ہر اتوار کو جلسہ ہوتا ہے۔یعنی سال زیر رپورٹ میں ۳۸ جلسے اور ۲۳ تقریریں ہوئیں۔'' (ص۹۹)

''تین انجمنیں ایسی ہیں جن کا چندہ سال گذشتہ میں ایک ہزار سے کم تھا۔مگر اس سال ایک ہزار سے زیادہ ہوا۔یعنی مردان۔لائلپور۔ شملہ..........شملہ کا چندہ -/۱۱۹۱ روپے ہے جو سال گذشتہ سے -/۳۶۱ روپے بڑھ کر ہے۔ایک ہزار سے زیادہ چندہ دینے والی انجمنوں کی فہرست میں گو شملہ کا نام سب سے آخر ہے۔مگر شملہ کے احمدی احباب کی تعداد کے لحاظ سے مَیں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو نسبت احبابِ شملہ کے چندے کو اُن کی آمدنیوں سے ہے وہ دوسری سب جماعتوں سے بڑھ کر ہے۔خود اس جماعت کے سیکرٹری منشی برکت علی صاحب اس کام میں ایک قابل رشک نمونہ ہیں جو ہمیشہ چندہ دینے کے لئے کسی نہ کسی موقعہ کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔'' (ص۸۶)

(۷): خاں صاحب کی طرف سے شائع شدہ روئیدادوں میں بیان ہوا ہے کہ مکرم میاں محمد سعید صاحب سعدی لاہور کا اپنے غیر مبائع بھائی سے بمقام شملہ مباحثہ ہوا۔سعدی صاحب کو جماعت کی امداد کے لئے حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ نے بھجوایا تھا۔شیخ محمد عمر صاحب وکیل اس مباحثہ میں ثالث تھے۔ان کے فیصلہ دینے سے قبل مکرم بابو فضل محمد خاں صاحب ملازم دفتر ڈائرکٹر میڈیکل سروسز نے خلافت ثانیہ کی بیعت کر لی۔ بعدہٗ مکرم بابو عبدالواحد صاحب نے بھی بیعت کی۔اور ایک اور صاحب بھی متاثر ہوئے ہیں۔ غیر مبائع حلقہ میں اس سے فکر پیدا ہوا۔ایک ہفتہ

سے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب آئے ہوئے ہیں۔ دال نہ گلتی دیکھ کر انہوں نے اپنے ایک خاص مددگار کو بذریعہ تار بُلوایا۔ نیز ثالث موصوف پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی ☆۔

(۸): ۱۹-۱۹۱۸ء اس وقت شاخہائے صدر انجمن احمدیہ کی تعداد ایک سو اٹھانوے تھی۔ جماعت شملہ کے سیکرٹری ''بابو برکت علی صاحب'' ہی تھے۔اور اس سال ایک ہزار تریسٹھ روپے سوا چھ آنے وہاں کا چندہ مرکز میں موصول ہوا تھا۔ (رپورٹ ص ۵۷، ۵۹)

(۹): جماعتِ شملہ ان جماعتوں میں سے تھی جو ادائے چندہ کے لحاظ سے اول درجہ کی تھیں۔ یعنی ان کا چندہ میزانیہ کے برابر یا اس سے بڑھ کر وصول ہوا تھا۔ ۲۵؂

(۱۰): مارچ ۱۹۲۹ء میں جماعت احمدیہ دہلی کا آٹھواں سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ غیر احمدی حکیم امجد علی صاحب آنریری مجسٹریٹ ورئیس دہلی۔اور مولوی محمد شفیع صاحب داؤدی رُکن لیجسلیٹو اسمبلی دہلی۔اور احمدی بزرگان بابو اعجاز حسین صاحب امیر جماعت دہلی۔ چوہدری نعمت خاں صاحب سینئر سب جج دہلی۔ بابو اکبر علی صاحب انسپکٹر آف ورکس دہلی (بعدہٗ مہاجر قادیان) اور خان صاحب منشی برکت علی صاحبؓ امیر جماعت شملہ اور کرنل اوصاف علی خاں صاحبؓ سی، آئی ،ای سابق کمانڈر انچیف نابھہ سٹیٹ (برادر نسبتی حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ) نے مختلف اجلاسوں کی صدارت کی۔ علمائے سِلسلہ حضرت صوفی غلام محمد صاحبؓ (سابق مجاہد ماریشس) حضرت شیخ غلام احمد صاحبؓ واعظ۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی اور حضرت مولوی عبدالرحیم صاحبؓ نیرّ (سابق مجاہد برطانیہ عظمی

☆: الفضل ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء (ص ۴) ۲۰ جولائی (ص ۴، ۵) ۲۹ جولائی (ص ۵) ۱۷ اگست (ص ۶) بحمد للہ ثالث نے فیصلہ کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صریح طور پر نبی ہونے کا اقرار کیا ہے۔ (الفضل ۱۹ دسمبر ص ۲) یہ ''مباحثہ شملہ'' کتابی صورت میں شائع ہوا۔اور بحمد للہ مکرم سعدی صاحب کے برادر کو اللہ تعالیٰ نے بیعتِ خلافت کی توفیق دی۔اور اب وہ بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں یعنی محترم حکیم محمد حسین صاحب المعروف بہ مرہم عیسیٰ علیہ السلام۔

ومغربی افریقہ) وغیرھم کی تقریریں ہوئیں۔اسی جلسہ سالانہ میں سیرۃ النبی کے مضمون پر بطورانعام ایک طلائی تمغہ اور گھڑی خواجہ حسن نظامی صاحب نے حضرت امام جماعت احمدیہ کی طرف سے رائے بہادر لالہ پارس داس صاحب رئیس دہلی کو پیش کی۔[۲۶]

(۱۱) جماعت شملہ کی نمائندگی میں آپ نے شوریٰ میں ۱۹۲۸ء، ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۲ء میں شرکت کی۔۱۹۳۰ء کی مشاورت میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے آپ کو کمیٹی کا رکن مقرر فرمایا۔تا مختلف سرکاری دفاتر کے طریق کو دیکھ کر مشورہ دیں کہ محاسب اور آڈیٹر کا طریق کار کیا ہونا چاہیئے اور ناظر بیت المال کے ساتھ ان کا تعلق کہاں تک اور کس رنگ میں ہونا چاہیئے۔دیگر ارکانِ کمیشن بابو محمد امیر صاحبؓ مرحوم راولپنڈی اور مرزا محمد صادق صاحب اکاؤنٹنٹ سیالکوٹ تھے☆۔

## جماعت احمدیہ شملہ کا ایڈریس خانصاحب منشی برکت علی صاحبؓ کی خدمت میں

اس عنوان کے تحت مرقوم ہے:

''چونکہ جناب خانصاحب منشی برکت علی صاحب امیر جماعت احمدیہ شملہ گورنمنٹ کی طویل اور قابلِ تعریف ملازمت کے بعد ریٹائر ہوکر شملہ چھوڑنے والے تھے۔اس لئے جماعت احمدیہ شملہ نے جس کی بنیاد خاں صاحب ہی کے ہاتھوں پڑی اور جس نے ان کی رہنمائی اور سرپرستی میں قابل ذکر ترقی کی۔ان کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا۔اور نقرئی گھڑی بطورتحفہ دی۔خاں صاحب نے ایڈریس کا بہت موزوں جواب دیا۔ذیل

☆: رپورٹ مشاورت ۱۹۲۸ء (صفحہ ۴۱ وصفحہ ۵) رپورٹ مشاورت ۱۹۳۰ء (ص ۳۰) رپورٹ سالانہ ۳۱-۱۹۳۰ء (ص ۲۱۳) ورپورٹ ۱۹۳۲ء (ص ۱۱۱) اسمیں آپ رکن کمیٹی بیت المال تھے (ص ۵۵) نیز الفضل ۲۴ مارچ ۱۹۳۲ء میں مرقوم ہے۔''خانصاحب بابو برکت علی صاحب آف شملہ اور بابو محمد امیر صاحب نے دفتر آڈیٹر اور محاسب کا معائنہ شروع کیا۔'' (زیر''مدینۃ المسیح'')

میں ہم ایڈریس اوراس کا جواب درج کرتے ہوئے جماعت احمدیہ شملہ کی تعریف کرتے ہیں جس نے اپنی جماعت کے ایک دیرینہ اور نہایت مخلص کارکن کی خدمات کا کھلے طور پر اعتراف کیا۔اور دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ خاں صاحب موصوف کو بیش از بیش خدماتِ دین سرانجام دینے کی توفیق بخشے۔''(ایڈیٹر)

''مخدوم مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

''آج ہم ایک ایسی تقریب کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔جو کہ جماعت احمدیہ شملہ کے لئے ایک تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔یعنی ہم ممبرانِ جماعت احمدیہ شملہ اپنے اس دِلی خلوص کے اظہار کے لئے جوکہ آپ کی ذات ستودہ صفات سے ہم لوگوں کو ہے۔آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

''آپ ان احباب میں سے ہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کا مبارک چہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور حضور کے دستِ مبارک پر بیعت کرتے ہوئے۔''**یَدُاللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡھِمۡ**'' کے مصداق بنے۔آپ نے ہماری اس انجمن کی اپنے مبارک ہاتھوں سے بنیاد ڈالی اور ایک طویل عرصہ کے لئے جوکہ ۲۵-۲۶ سال سے کم نہیں۔اس کی ہر ایک مشکل وقت میں رہنمائی فرمائی۔ہماری جماعت پر بڑے بڑے ابتلاء اور امتحانات آئے۔لیکن آپ کی صائب رائے اور غیر متزلزل وفاداری سے جوکہ آپ کو جماعت کے موجودہ خلیفہ وامام حضرت امامنا وسیدنا مرزا بشیرالدین محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ کے ساتھ ہے۔ہماری جماعت کی کشتی جوکہ بسااوقات متلاطم سمندر میں بادِمخالف کی وجہ سے موجوں کے تھپیڑے کھانے کو تھی۔صحیح وسلامت پار ہوئی۔نہ صرف

ہماری کشتی سلامتی سے پار ہوئی۔ بلکہ آپ کی لگا تار سعی اور شبانہ روز کی دعاؤں کی برکت سے ہماری جماعت کیا بلحاظ مال اور کیا بلحاظ حسنِ عقیدت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اوّل درجہ کی جماعتوں میں شمار ہوتی رہی۔اور حضرت امام ایدہ اللہ بنصرہ کی نظروں میں ایک ممتاز جماعت ٹھہری۔

''آپ نے جماعت کے لئے نہایت قیمتی اور بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔اور ہم درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ناشکر گذار بندے ہوں گے۔اگر ہم آپ کی خدماتِ حسنہ کا کُھلے کُھلے الفاظ میں اعتراف نہ کریں۔کیونکہ دو جہان کے سردار حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔''مَنْ لَّمْ یَشْکُرُ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرُ اللّٰہ۔''یعنی جو آدمی خدا کے بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ خدا تعالیٰ کا عبد مشکور نہیں بن سکتا۔

''آپ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت اعلیٰ انتظامی قابلیت عطا فرمائی ہے۔اور آپ نے اس خداداد قابلیت کو جس احسن طریق سے استعمال کیا ہے۔ اس پر ہم جس قدر فخر کرسکیں بجا ہے۔خدا کرے آپ کا جانشین بھی ان ہی صفات حسنہ کا جامع ہو جو کہ آپ کی ذاتِ بابرکات میں ہم پاتے ہیں۔آپ نے اپنے زمانۂ امارت میں ہر ایک بھائی کی رائے کا خواہ وہ کس قدر بھی غریب کیوں نہ ہو اور اس کی رائے کیسی ہی کیوں نہ ہو۔احترام فرمایا ہے۔اور جماعت کا نظام حتیٰ الامکان بگڑنے نہیں دیا۔جماعت کا بڑے سے بڑا اور غریب سے غریب فرد آپ کی نظر میں یکساں ممتاز اور واجب الاحترام رہا ہے۔آپ نے کسی کو ناراضگی کا کبھی موقعہ نہیں دیا۔ہر ایک بھائی کے ساتھ آپ نے ہمدردی اور اخوّت کا ثبوت دیا۔اور اپنی قیمتی نصائح سے ہر ایک کو مستفید کیا اور ہر ایک کو بشری لغزشوں سے بچانے کے لئے کوشش کی۔آپ نے ہر ایک موقع پر جماعت کو تاکید کی کہ مرکز سے وابستہ رہے۔کیونکہ مرکز سے انقطاع ہی

ہمارے غیر احمدی بھائیوں کے لئے ذلّت اور موت کا پیغام لا چکا تھا۔آپ کی یہ حکمت عملی جماعت احمدیہ شملہ کے لئے کامیابی کا باعث بنی۔خدا نہ کرے ہم احمدیوں پر کبھی یہ موقع آئے کہ ہم اپنے مرکز سے منقطع ہوں۔کیونکہ اسی مبارک شجر سے پیوند میں جماعت احمدیہ کی حیات مضمر ہے۔

’’آپ نے اپنا زمانہ ملازمت بھی نہایت کامیابی سے گزارا۔یہی وجہ ہے کہ گورنمنٹ نے آپکی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو خاں صاحب کا خطاب دیا۔

’’اب جب کہ آپ اپنی خدماتِ جلیلہ سے سبکدوش ہونے والے ہیں۔ہم آپ سے مؤدبانہ استدعا کرتے ہیں کہ اس جماعت کو جس کا پودا آپنے اپنے ہاتھوں لگایا۔اور جس کی آبیاری اپنی شبانہ روز کی دعاؤں سے آپ نے فرمائی۔اور جس نے فی الحال اپنی کونپلیں ہی نکالی ہیں۔اور جو کہ ابھی اس قدر نازک ہے کہ بادِ صرصر کی لپیٹ سے ابھی مامون ومصئون نہیں۔اپنی دعاؤں میں فراموش نہ کریں۔اور اس کی ترقی کے لئے حتّی الامکان ساعی رہیں۔اور حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت اقدس میں اس کی ترقی کے لئے تحریک فرماتے رہیں۔

’’ہم اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی مستورات کی طرف سے جناب کی بیگم صاحبہ کا بھی تہِ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔جنہوں نے ہمیشہ جماعت کی بہنوں کے ساتھ نہایت اعلیٰ درجہ کا سلوک فرمایا۔اور ہمیشہ اپنی سچی ہمدردی کا ثبوت دیتی رہیں۔امید ہے کہ آپ یہ اظہار شکریہ ان تک پہنچا کر جماعت کو رہین منّت فرمائیں گے۔

’’بالآخر ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے جن کے مقدس نام پر ہم دوبارہ ایک سِلک میں منسلک کئے گئے ہیں۔آپ کو

اور آپکی بیگم صاحبہ کو اور آپ کے دیگر متعلّقین کو اپنے فضل اور رحمت کے سایہ میں رکھے۔ اور عمر طویل عطا فرمائے اور دینی خدمات سرانجام دینے کی توفیق بخشے۔

''جنابِ مکرم! یہ ایک نہایت حقیر تحفہ یعنی ایک نقرئی گھڑی جو کہ دیکھنے میں واقعی حقیر ہے مگر اس کے آئینہ میں آپ کو جماعت کی محبت کا عکس ہمیشہ دکھائی دیتا رہے گا۔ بطور یادگار جماعت کی طرف سے پیش خدمت ہے۔ امید ہے آپ اس کو قبول فرمائیں گے۔

گر قبول اُفتد زہے عزّو شرف''

''جواب منجانب خاں صاحب

برادرانِ کرام! مَیں آپ کی اس عزت افزائی کا ازحد ممنون ہوں اور آپ کی مہربانی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ نے صرف ایڈریس ہی نہیں دیا۔ بلکہ ساتھ ایک تحفہ بھی عنایت کیا ہے۔ اس لئے یہ موقعہ میرے لئے دوہرے فخر کا موجب ہے۔ ایڈریس کے کاغذ نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ اور ایک عرصہ کے بعد اُن کی یاد مدھم پڑ جاتی ہے۔ مگر یہ تحفہ جو آپ نے عنایت کیا ہے ایسا تحفہ ہے۔ جو ہر وقت میرے سینے کے ساتھ رہے گا۔ اس کی دید مجھے ہمیشہ آپ کی مہربانیوں کو یاد دلاتی رہے گی۔ اور اس برادرانہ اور محبت کے تعلق کو فراموش نہیں ہونے دے گی۔ جو ایک عرصہ تک آپ کے ساتھ قائم رہا ہے۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تحریک کرتی رہے گی۔ کہ اے خدا! جس طرح دوستوں نے مجھ سے محبت کا اظہار کیا ہے۔ اور میری عزّت افزائی کی تو دین و دنیا میں ان کی عزّت کو بڑھا۔ ان کے مال میں اور اُن کے ایمان میں ترقی دے۔ ان کے بیوی بچوں کو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔ اور انہیں آفاتِ زمانہ سے محفوظ رکھ۔

''برادران! دنیا میں ایڈریس ہوتے ہیں اور تُحفے بھی دئے جاتے

ہیں۔ مگر ایک خاص بات جو آپ کے ایڈریس اور تحفہ میں ہے۔ جس کی وجہ سے میرا دل ایک خاص خوشی محسوس کرر ہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کا محرک محض ایک دینی محبت کا تعلق ہے۔ کوئی دنیاوی نمود مدّنظر نہیں۔ اور نہ کوئی دنیاوی فائدہ پیش نظر ہے۔ بلکہ اس محبت کا اظہار ہے جو آپ کو محض دین کی وجہ سے اس عاجز کے ساتھ ہے۔ یہ وہ بات ہے جس کے لئے مَیں جس قدر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤں تھوڑا ہے۔ اس کا فضل ہے۔ کیونکہ اس کے فضل کے بغیر دلوں میں حقیقی محبت پیدا نہیں ہوسکتی۔

''برادران! آپ نے میری خدمات کا ذکر کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مجھے سِلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے تقریباً چھبیس سال ہوگئے ہیں۔ مَیں نے ۱۹۰۱ء کے اواخر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ کا زمانہ دیکھا۔ اور اب خلافتِ ثانیہ کا دوردورہ ہے، جہاں تک مجھے یاد ہے۔ سِلسلہ میں داخل ہوتے ہی مجھے سیکرٹری مقرر کردیا گیا۔ اور ایک باقاعدہ انجمن قائم ہوگئی۔ اس سے پہلے کوئی باقاعدہ انجمن نہیں تھی۔ اب نئے انتظام کے ماتحت قریباً پانچ سال سے دوستوں کی سفارش پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے امیر جماعت مقرر کردیا ہے۔ اور ساتھ کئی سیکرٹری ہیں۔ غرض مَیں پہلے سیکرٹری تھا۔ اور اس وقت سیکرٹری ہی ہر قسم کے کام کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔ اور اب امیر جماعت ہوں۔ مگر مَیں کیا اور میری خدمات کیا۔ اور نہ مَیں اپنے آپ میں کوئی خاص لیاقت پاتا ہوں۔ بلکہ جب مَیں اپنے اندرونہ کی طرف دیکھتا ہوں تو ہزارہا عیبوں سے پُر پاتا ہوں۔ مَیں نہیں جانتا کہ دوستوں نے مجھ میں کونسی صفت کا مشاہدہ کیا۔ جو مجھے سیکرٹری شپ یا امارت کے قابل سمجھا۔ یا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے کون سی قابلیت دیکھی کہ مجھے امیر مقرر کردیا۔ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی

ہے۔وہ نکتہ نواز ہے۔اسے کون سی ادا پسند آ گئی وہی جانتا ہے۔مگر جیسا آپ نے اشارہ کیا ہے۔یہ ایک نعمتِ الٰہی ہے اور ہزار ہا دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر جس کے لئے میں خدا تعالیٰ کا شکر گذار ہوں۔

''برادران! آپ نے اشارہ کیا ہے کہ اس زمانہ میں بہت سے ابتلاء جماعت پر آئے۔مگر آپ نے ہر موقعہ پر مجھے صائب رائے اور مستقل مزاج پایا یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو اپنے فضل سے محفوظ رکھا۔

''برادران! میں پھر عرض کرتا ہوں۔یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔انسانی کوششوں کا بے شک دخل ہوتا ہے۔مگر انسانی کوشش اسی حد تک بارآور ہوتی ہے جس حد تک قلبی کیفیت رہنمائی کرتی ہے۔انسان دماغ سے کام لیتا ہے۔لیکن اگر دِل صاف نہ ہو تو ہدایت نہیں ملتی۔اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں جگہ جگہ دماغ کو اپیل کیا ہے۔انبیاء اور ان کی امتوں کا تذکرہ کیا ہے۔اور ان کی مثالیں بیان کر کے ہدایت کی طرف دعوت دی ہے۔مگر قلبِ سلیم کو زیادہ پسند کیا ہے۔اور قرآن شریف کے آخر میں اس دعا کو رکھا ہے۔**قل اعوذ برب النّاس**............(الخ) یعنی ہزار ہا دلائل اپنی ہستی کے اور ملائکہ کے دیئے۔انبیاء ومرسلین اور کتابوں کی ضرورت بیان کی۔روزِ جزا کا ثبوت پیش کیا۔مگر پھر بھی انسان کو اس بات کا محتاج رکھا کہ وہ **وسواس الخنّاس من الجنّة والنّاس** سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے۔

''برادران! آپ اپنے دل میں غور کریں کیا آپ نے محض اپنے علم سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شناخت کیا؟ نہیں ہرگز نہیں۔بلکہ ایک انکسار تھا۔آپ نے نیک ظنّی کی۔اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو شناخت کی توفیق دی۔اگر انبیاء کی شناخت محض دنیاوی علم پر منحصر ہوتی تو ہزار عالم فاضل اس نعمت سے محروم نہ

رہتے۔ جو آپ کو حاصل ہے۔آپ میں سے ہر ایک ایک آیت اللہ ہے۔اور ہر ایک نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاص نشان سے پہچانا ہے۔

''میں مختصراً اپنا ذکر کرتا ہوں۔مَیں بَیعت سے پیشتر احمدیوں سے خوب بحث مباحثہ کیا کرتا تھا اور اکثر سننے والے غیر احمدی میری ذہانت کی داد دیا کرتے تھے۔مگر میں نے شرافت کو کبھی ہاتھ سے نہیں دیا۔حضور علیہ السلام کی شان میں کبھی گستاخی نہ کی۔ بلکہ محض مسائل پر بحث کیا کرتا تھا۔وفات مسیحؑ اور صداقت مسیح موعود علیہ السلام کا مسئلہ عموماً زیر بحث ہوتا تھا۔مگر میرے دل میں خیال آیا کہ احادیث کا اور دوسری کتابوں کا ایک طویل سِلسلہ ہے۔ان کے مطالعہ کے لئے اتنا وقت کہاں۔قرآن شریف جو مختصر مگر جامع ہدایت نامہ ہے۔اس سے ہر قسم کی مدد ملنی چاہیئے۔گو عربی نہیں آتی۔مگر عربی دانوں نے ترجمہ کیا ہوا ہے۔فیصلہ کرنے سے پیشتر اس کو ایک دفعہ پڑھ لینا چاہیئے۔چنانچہ جب میں نے پڑھا تو بیسیوں آیات وفاتِ مسیحؑ اور صداقت مسیح موعود علیہ السلام پر پائیں۔انہی دنوں میں مَیں نے خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا۔اس وقت تک میں نے آپ کی شکل نہیں دیکھی تھی۔اور نہ آپ کی کوئی تصویر دیکھی تھی۔آپ میرے ساتھ والے احمدیوں کے مکان میں ایک چارپائی پر تشریف فرما تھے۔مَیں نے جا کر السلام علیکم عرض کیا۔آپ نے جواب دیا اور فرمایا۔''برکت علی! تم ہماری طرف کب آؤ گے۔'' میں نے عرض کیا حضور! اب آ ہی جاؤں گا۔اس کے بعد میں نے تحریری بیعت کرلی۔اور پھر دارالامان جانیکا اتفاق ہوا۔تو دیکھا کہ آپ کی صورت ویسی ہی تھی جیسی کہ میں نے خواب میں دیکھی تھی۔جس سے دل میں یقین پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے حق کی طرف رہنمائی کی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا

پہلا فضل تھا۔

''آپ کے وصال پر بعض لوگوں کو ابتلا آیا۔اور اس کے بعد حضرت خلیفہ اوّلؓ کی وفات پر کئی ایک کو لغزش ہوئی۔اور اب حضرت خلیفہ ثانی کے وقت میں بعض واقعات ایسے پیش آئے جن سے بعض کمزور طبیعت لوگوں کے دلوں میں تزلزل پیدا ہوا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جماعت کو بچالیا۔اگر غور کیا جائے تو پتہ لگتا ہے کہ ابتلاء صرف ان لوگوں کو پیش آتا ہے جو محض اپنے دماغ سے کام لینا چاہتے ہیں۔اور دل کی کیفیت کو مدِّ نظر نہیں رکھتے۔واقعہ ایک ہی ہوتا ہے۔مگر سبب مختلف ہوتے ہیں۔جو لوگ ابتلاء میں پڑتے ہیں۔وہ عموماً وہ ہی ہوتے ہیں جن کے دل میں کدورت ہوتی ہے۔اور وہ بدظنّی کرکے اس واقعہ کو ایسے اسباب پر مبنی سمجھ لیتے ہیں۔جو حقیقی نہیں ہوتے۔یا ابتلاء ان لوگوں کو آتا ہے جو اپنے دل و دماغ سے کام نہیں لیتے۔بلکہ دوسروں کے سہارے چلتے ہیں۔اگر وہ ذرا شبہات پیدا کریں تو ان کے دل بھی ڈانواں ڈول ہوجاتے ہیں۔اور ان کے ساتھ ہی یہ بھی پھسل جاتے ہیں۔اصل میں ایسے لوگ جو محض اپنے علم سے اور اپنے دماغ سے حقیقت کو پہنچنا چاہتے ہیں۔یا محض دوسروں کے سہارے چلتے ہیں۔وہ بنیادی اصول بھول جاتے ہیں۔صداقت کے نشان کاذبوں کیساتھ شامل نہیں ہوتے۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نبی ہونا ثابت ہوگیا۔تو پھر جو بھی بدی حضور کی طرف منسوب کی جائے گی وہ غلط ٹھہرے گی۔کیونکہ نبی معصوم ہوتا ہے۔اسی طرح گو خلیفہ معصوم نہیں ہوتا۔مگر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خلیفہ بنایا۔اور انہوں نے نبوت کے کام کو جاری رکھا بلکہ نبوت کے ساتھ جو بعض پیشگوئیاں وابستہ تھیں وہ انہی کے ہاتھ سے پوری ہوئیں۔تو پھر شیعوں کے اعتراضات فضول ٹھہرے۔اسی طرح جب حضرت مسیح موعود علیہ

السلام کا دعویٰ ثابت ہوگیا تو مکذّبین کے سب الزامات غلط قرار پائے۔اور آپ کے وہ خلفاء بھی جن کے ہاتھ پر بعض پیشگوئیاں حضور کی پوری ہوئیں معصوم ٹھہرے۔

''یاد رکھو۔اس وقت دنیا میں ایک ہی خلافتِ حقّہ ہے۔اس کے علاوہ کوئی اور دینی خلافت نہیں۔اس خلافت حقہ کی غیرت ایسی اللہ تعالیٰ کو ہے کہ باقی سب خلافتیں اس نے مٹا دیں۔ترکوں کی خلافت نہ رہی، شاہ حسین کی خلافت جاتی رہی۔لوگوں نے پھر خلافت قائم کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔اور اب بھی اگر کوشش کریں گے تو یقیناً نامراد رہیں گے۔مجھے غیر مبایعین کی خلافتوں پر ہنسی آیا کرتی ہے۔ناسمجھوں نے مسیح موعود علیہ السلام کو کیا سمجھا کہ اس کی خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ (میں) لے بیٹھے۔وہ نبی ہے۔اور نبی بھی ایسا کہ بروز محمد ہے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی اور کی خلافت چل سکی کہ تم حضورؑ کے بروز کی خلافت کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہو۔اللہ تعالیٰ کی غیرت نے خلافت کے نام پر جو سلطنتیں اٹھیں ان کو تباہ کر دیا تو تمہاری کیا ہستی ہے؟ برادران! مَیں نے یہ قصہ کیوں دہرایا ہے محض اس لئے کہ واقعات سے جو سبق ملتا ہے۔اُسے یاد رکھنا چاہیئے۔شیطان ہر وقت پیچھے لگا ہوا ہے۔قدم قدم پر ٹھوکر کا اندیشہ ہے۔ایسا نہ ہو کہ غافل دیکھ کر ہمیں مصیبت میں مبتلا کر دے۔

''برادران! آپ نے اپنے ایڈریس میں یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ میں ہمیشہ اس امر کے لئے کوشاں رہا ہوں کہ ہمارا تعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہو۔اگر نظرِ غور سے دیکھا جائے تو یہی دین و دنیا کی کامیابی کی کلید ہے۔نظامِ قومی ایک بڑی بابرکت شئے ہے۔اس لئے جس قدر محبت اور فرمانبرداری کا تعلق حضور سے بڑھایا جائے گا۔اسی قدر اس نظام میں استحکام پیدا ہوگا۔اور پھر میں نے یہ بھی ذہن نشین

کرنے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ خلیفہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں ایسا مِلا ہے۔ جو ہر امر میں کمال رکھتا ہے۔ محض عربی خوان نہیں۔ بلکہ موجودہ علوم سے پوری واقفیت رکھتا ہے۔ یہی نہیں کہ نمازیں پڑھادیں اور امامت کرا چھوڑی۔ بلکہ اصلاحِ اخلاق اور اصلاحِ تمدّن کا بھی پورا خیال رکھتا ہے۔ تبلیغ حق اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جو تجاویز کیں۔ کمال کر دیا۔ اور سیاست میں دخل دیا تو دشمن بھی عش عش کر اُٹھے۔ غرض ہر پہلو میں بے نظیر ہے۔ جہاں تک ہو سکے۔ اس کی قدر کرنی چاہیئے۔ کوتاہی کی تو پچھتائیں گے۔ بعد میں آنے والے تمنّا کریں گے۔ کہ کاش ہمیں بھی ایسا خلیفہ ملتا۔

''برادران! مَیں نے جو اکثر کوشش کی ہے کہ امیر جماعت کا خاص طور پر احترام کیا جائے اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ اگر لوکل عہدیداروں کا احترام نہ کیا جائے تو مرکزی عہدیداروں کی عزت بھی کم ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد خلیفۃ المسیح کی توقیر بھی اتنی نہیں رہتی۔ چنانچہ دیکھ لو۔ جن لوگوں نے جماعت کی پروا نہ کی۔ وہ بالآخر مرکزی عہدیداروں پر نکتہ چینی پر آمادہ ہو گئے۔ بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات کو بھی نہ چھوڑا۔

''برادران! اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ اتنے لمبے عرصہ میں ہمارے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے ہیں۔ اور ہماری جماعت اخلاص میں ممتاز رہی ہے۔ انتظامی حالت ہماری نہایت اعلیٰ رہی ہے۔ اور جن دوستوں کو یہاں سے الگ ہو کر دوسری جگہ جانا پڑا ہے۔ انہوں نے اس امر کی شہادت دی ہے کہ ایسا انتظام بہت کم جماعتوں میں پایا جاتا ہے۔ بلکہ انہوں نے خود جا کر جو کام کئے ان سے اعلیٰ تربیت کا ثبوت دیا۔ جو انہیں اس جماعت میں رہ کر حاصل ہوئی۔ شیخ فضل کریم صاحب مرحوم۔ صوفی فضل الٰہی صاحب، چوہدری عبدالکریم صاحب اور منشی عبدالرحیم صاحب

اس کی مثالیں ہیں ☆۔ جہاں چار دوست اکٹھے ہوں وہاں کبھی نہ کبھی کشمکش ہو جانا ناممکن نہیں ہے۔ مگر میں نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ پارٹی فیلنگ نہ ہو۔ دھڑا بندی نہ ہو۔ اور مَیں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس کے فضل سے کامیاب ہوا۔ گذشتہ دو تین سالوں میں بے شک بعض ناگوار واقعات پیش آئے۔ مگر پارٹیاں نہیں بن سکیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ اس میں محض ہماری کوششیں ہی نہیں بلکہ زیادہ تر حصہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی توجہ اور دعا کا ہے۔ اللہ تعالیٰ عرصۂ دراز تک حضور کا سایہ ہمارے سروں پر رکھے۔ اور حضور کی دینی اور دنیوی کوششوں میں جو وہ جماعت کی بہبودی کے لئے کر رہے ہیں برکت دے۔

"برادران! میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے ہمیشہ میرے ساتھ مہربانی کا برتاؤ رکھا۔ اور ان احباب کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے اپنے قیمتی مشوروں سے میری رہنمائی کی۔ اور جماعت کے جملہ کاموں میں بڑی خوش دلی تپاک سے میری امداد کی۔ میرے عہدہ کا خاص طور پر احترام کیا۔ بلکہ میں یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ بحیثیت سیکرٹری یا امیر جو میں نے فیصلہ کیا۔ انہوں نے اسے بطور حُکم مانا۔ بلکہ بعض اوقات ان کی رائے کے خلاف بھی اگر کوئی امر طے ہوا تو انہوں نے خوشی سے قبول کیا۔

"برادران! عہدۂ امارت چاہتا ہے کہ کسی کی بے جا طرفداری نہ کی جائے۔ اور نہ کسی کے خلاف محض ضِد اور عناد کی وجہ سے کینہ رکھا جائے۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکا مَیں نے جماعت کے معاملہ میں ذاتی اغراض کو نہیں آنے دیا۔ اور ہمیشہ جماعت کے مفاد کو

☆: شیخ فضل کریم صاحبؓ مرحوم بعد ازاں حیدرآباد دکن میں ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل رہے۔ صوفی فضل الٰہی صاحب کی بیعت ۱۹۰۶ء سے قبل کی تھی۔ ریٹائر ہونے کے بعد سِلسلہ کے تجارتی اداروں میں خدمات کرتے رہے۔ ۴ جنوری ۶۳ء کو لاہور میں وفات پائی اور ربوہ میں دفن ہوئے۔

مدّ نظر رکھا ہے۔ چنانچہ آپ کو یاد ہوگا۔ کہ میں نے بعض اوقات جماعت کا احترام کرتے ہوئے اپنی رائے کو ترک کردیا۔ تاہم اگر کسی دوست کو میری وجہ سے رنج پہنچا ہو۔ تو میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ میری کمزوریوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے مجھے معاف کردیں گے۔ کیونکہ میں نے دانستہ کسی کو رنج پہنچانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اور کوئی انسان کمزوری سے خالی نہیں۔

''برادران! آپ نے میری اہلیہ محترمہ کو بھی عزّت کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ بعض باتیں جو میں نے آپ کے ایڈریس کے جواب میں عرض کی ہیں۔ وہ ان کی طرف سے بھی ہیں۔ مَیں ان کی طرف سے اور کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا۔ سوائے اس کے کہ وہ آپ کی اس مہربانی کی بڑی ممنون ہیں۔ نیز آپ کے ذریعہ سے جملہ احمدی بہنوں کا شکریہ ادا کرتی ہیں۔ اور دل سے دعائیں دیتی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور آپ کے بال بچوں کو دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال کرے۔

''برادران! آخیر میں پھر آپ کی مہربانی اور عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جس کا اظہار آپ نے ایڈریس کے پیش کرنے اور تحفہ عنایت کرنے میں کیا ہے۔''[۲۷]

## مطابق ارشاد مزید ملازمت

آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے درس القرآن میں شرکت کے لئے قادیان آئے۔ اور اس میں شرکت کی۔ یہ ایک ماہ کا درس ۸۔ اگست ۱۹۲۸ء سے شروع ہوا۔ اور اپنی مثال آپ تھا۔ احباب کا ذوق وشوق قابل دید تھا۔ الحمدللہ کہ خاکسار مؤلف کو بھی دیکھنے اور اس کا ایک حصہ سننے کا موقعہ ملا ہے۔ درس میں باقاعدہ شامل احباب کو دارِ مسیح میں حضور کی طرف سے دعوتِ طعام دی گئی۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دیگر نونہالوں نے کھانا کھلایا۔ اور ۷ ستمبر کو درس کے

آخری روز سارے مجمع کا حضور سمیت فوٹو اتارا گیا۔
اختتامِ درس پر محترم خاں صاحب نے حضور کی خدمت میں پنشن کے ارادہ کا ذکر کیا۔تو حضور نے فرمایا کہ آپ کی صحت اچھی ہے آپ کو اور ملازمت کرنی چاہیئے ۔ یہ ارشاد خواہ آپ کی بہتری کے لئے تھا یا جماعت اور سِلسلہ کی بہتری کے لئے ۔ ہر صورت میں آپ کے لئے واجب اذعان و تعمیل تھا۔سو آپ شملہ واپس چلے گئے ۔وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ آپ کے ریٹائر ہوجانے کی خبر سُن کر ایک ہندو آپ کی جگہ لگنے کی کوشش کرر ہا ہے۔ کیونکہ آپ کی اسامی کے گریڈ میں اضافہ ہوگیا تھا۔لیکن جن افسروں سے خان صاحب کو ہمدردی اور مدد کی توقع تھی وہ رخصت پر تھے۔تاہم آپ نے کوشش شروع کردی اور حضور کی خدمت میں ہر روز ایک خط دعا کے لیئے لکھنے لگے۔آپ نے بالا افسر کو اس امر پر رضا مند کرلیا کہ وہ ان افسران کی رخصت سے واپسی تک اس معاملہ کو التوا میں رکھے۔اسی اثناء میں ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل آ گیا۔اور اس نے آپ کے کاغذات منگوائے ۔وہ آپ کے کام سے کچھ واقف تھا۔گو اس سے آپ کی خاص واقفیت نہ تھی۔تاہم اس نے آپ کے معاملہ میں غیر معمولی دلچسپی لی۔اب خط کی بجائے بذریعہ تار آپ روزانہ حضور کی خدمت میں دعا کی درخواست کرنے لگے۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے بالآخر آپ کے حق میں فیصلہ ہوگیا۔یہ فیصلہ سُن کر آپ کے دفتر کے ایک ہندو نے برملا کہا کہ ہم جانتے تھے کہ آخر فیصلہ آپکے حق میں ہوگا۔کیونکہ آپ کا پِیر بہت زبردست ہے۔گویا حضور کا ارشاد بالآخر صداقت اسلام کا ایک نمایاں نشان بن گیا۔

## جماعت کی طرف سے پھر الوداعی تقریب

۱۹۳۲ء میں آپ کی وظیفہ یابی (پنشن) کے موقعہ پر بوجہ موسم سرما آپ کا دفتر دہلی میں تھا۔اور حضور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لئے وہاں تشریف لے گئے تھے۲۸۔احباب کے اصرار پر حضور نے باوجود مصروفیت کے ایک تقریب میں شامل ہوکر خاں صاحب کو احباب کی طرف سے ایک بڑے سائز کا اردو اور فارسی کے پانچ تراجم والا قرآن شریف اپنے دستِ مبارک سے عطا کیا۔چنانچہ مرقوم ہے:
''۶ مارچ جماعت احمدیہ شملہ و دہلی نے جناب خاں صاحب منشی برکت علی

صاحب کو جو ایک لمبی اور قابل تعریف ملازمت کے بعد پنشن پر جا رہے ہیں۔ تالکٹورہ پارک میں ایک شاندار گارڈن پارٹی دی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے باوجود اپنی بے حد مصروفیتوں کے اس تقریب میں شمولیت فرمائی۔ دونوں جماعتوں کے افراد کے علاوہ بہت سے معزز غیر احمدی اصحاب بھی مدعو تھے۔ جماعت دہلی کا ایڈریس جناب بابو اکبر علی صاحب جنرل سیکرٹری نے پڑھا اور جماعت شملہ کی طرف سے بابو عبدالسلام صاحب نے پڑھ کر سُنایا۔ اور ایک نسخہ قرآن کریم جماعت کی طرف سے بطور تحفہ پیش کیا ☆۔ جسے خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مبارک ہاتھوں سے خاں صاحب کو عطا فرمایا۔ اس کے بعد خاں صاحب منشی برکت علی صاحب نے دونوں ایڈریسوں کا جواب دیا۔"

آخر میں حضرت اقدس نے ایک مختصر تقریر فرمائی جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ فرمایا:

"قادیان میں اس قسم کی دعوتوں پر میں عموماً تقریر کیا کرتا ہوں کیونکہ وہاں میری حیثیت میزبان کی ہوتی ہے اور ہر جانے والے کو الوداع اور آنے والے کو خیر مقدم کہہ سکتا ہوں۔ لیکن یہاں بوجہ مختصر قیام کے میں خود مہمان کی حیثیت رکھتا ہوں۔ اس لئے میں نہیں سمجھتا مَیں کن جذبات کا اظہار کروں۔ آپ لوگ خاں صاحب سے جدا ہو رہے ہیں۔ اور جدائی کو محسوس کر رہے ہیں۔ لیکن آپ سے جدا ہو کر خاں صاحب میرے پاس

---

☆: محترم بابو اکبر علی صاحب بعد میں قادیان ہجرت کر آئے تھے۔ اور سٹار ہوزری ورکس کو کامیاب طور پر انہوں نے چلایا بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔ بابو عبدالسلام صاحب یعنی حافظ عبدالسلام صاحب اس وقت جماعت شملہ میں بعہدہ سیکرٹری تبلیغ کام کرتے تھے۔ بعد میں ۴۳ء تک امیر جماعت شملہ اور تقسیم ملک کے بعد ایک سال تک نائب امیر کراچی اور ۴۹ء تک کراچی کے امیر جماعت رہے پھر مرکز ربوہ میں وکیل الاعلیٰ بھی رہے اس وقت وکیل المال ثانی ہیں۔

قادیان آرہے ہیں۔اس لئے نہ تو میں ان کو الوداع کہہ سکتا ہوں۔اور نہ جدائی کے متعلق وہ جذبات میرے اندر پیدا ہو سکتے ہیں۔جو آپ لوگوں کے دلوں میں ہیں میرے اندر تو اس وقت خوشی کے جذبات ہیں۔اور باوجود آپ کے رنج کے مجھے خوش ہونا چاہیئے لیکن چونکہ دوستوں کی خواہش ہے اس لئے کچھ بیان کرتا ہوں۔

''پہلی بات ایڈریس کے ایک فقرہ کے متعلق کہنا چاہتا ہوں۔اگرچہ میں جانتا ہوں کہ لکھنے والے نے جان بوجھ کر نہیں بلکہ غلطی سے لکھا ہے۔لیکن چونکہ وہ قابلِ اصلاح ہے اس لئے میرا فرض ہے کہ میں اس کی اصلاح کروں۔بلکہ اس سے پہلے بھی میری خواہش تھی کہ جب کبھی موقعہ ملے اس بات کی اصلاح کروں اب چونکہ ایسا موقعہ میّسر آگیا ہے۔اس لئے میں اس کی اصلاح ضروری سمجھتا ہوں۔وہ فقرہ اس رنگ کا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور خلیفہ کی دعاؤں سے ایسا ہوا۔یعنی خدا کے فضل کے ساتھ خلیفہ کی دعاؤں کو شریک بنایا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ کسی خدا کے بندے کو شریک کرنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ شرک ہے۔ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ خلیفہ کی دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہوا۔لیکن جس فقرہ کا میں ذکر کر رہا ہوں اس میں خلیفہ کی دعاؤں کو خدا کے فضل کے برابر قرار دیا گیا ہے۔حالانکہ ہر کام خدا کے فضل کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجالس میں بھی بعض لوگوں نے اس قسم کے فقرے کہے تو آپ نے اصلاح فرما دی۔اور فرمایا۔اللہ کے ساتھ ہمارا ذکر مت کرو۔ہاں دعاؤں کے ساتھ خدا کا فضل نازل ہوتا ہے۔میں جانتا ہوں کہ لکھنے والے کے دل میں یہ خیالات نہ تھے۔لیکن میرا بحیثیت خلیفہ فرض ہے کہ اس غلطی کی طرف توجہ دلاؤں۔

''دوسری بات مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جدائی پر رنج ایک طبعی امر

ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم جب فوت ہوئے تو حضور کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔اس پر صحابہؓ نے عرض کیا۔یارسول اللہ! آپ تو ہمیشہ ہمیں صبر کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔مگر آج آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو بَہ رہے ہیں۔اس پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ایسے موقعہ پر آنسوؤں کا جاری ہونا ایک طبعی امر ہے۔پس وہ جو جدائی کا احساس نہیں رکھتا۔طبعی جذبات سے خالی ہے جس کا فقدان سنگ دلی کی علامت ہے۔صبر سنگدلی کا نام نہیں۔ بلکہ جزع فزع سے اپنے آپ کو روکنے کا نام ہے۔

پھر فرمایا۔جدائی دوؔقسم کی ہوتی ہے۔ایک مومن کی اورایک غیر مومن کی۔غیر مومن کی جدائی میں تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے اور وہ اپنے ساتھ حسرتیں لے جاتا ہے۔برخلاف اس کے مومن جدائی میں بھی اپنے ساتھ بہت سی خوشیاں رکھتا ہے۔مثال کے طور پر دیکھو ایک سپاہی جو اپنے ملک کی خاطر لڑتا ہے اسے میدانِ جنگ میں جب گولی لگتی ہے تو اسے سوائے تاریکی کے اور کیا نظر آتا ہے۔وہ ملک یا قوم جس کی خاطر وہ لڑا تھا۔وہ ابھی آزاد نہیں ہوتی۔عزیز واقارب سے وہ علیحدہ ہوگیا۔لیکن اسے نہیں معلوم کہ بعد میں ان سے کیا معاملہ ہونیوالا ہے۔نہ ہی اسے اپنے متعلق علم ہوتا ہے کہ مستقبل میں اس کا کیا حشر ہوگا۔غرضیکہ اسے تسلی دینے والی کوئی چیز نہیں ہوتی۔اور چاروں طرف اس کے لئے تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے۔اور اس طرح وہ بے حد حسرتوں کے ساتھ جان دیتا ہے۔لیکن ایک مومن جو جہاد میں اس لئے جاتا ہے کہ وہ خدا کے دین کی حفاظت کرے۔اسے جب موت آتی ہے تو اس کے لئے اپنے محبوب حقیقی سے ملنے کا رستہ کھول دیتی ہے۔ بیشک وہ اپنے عزیز واقارب سے جدا ہوتا ہے۔لیکن وہ اس یقین کے ساتھ جدا ہوتا ہے کہ وہ انبیاء سے ملنے والا ہے۔جو ان اعزّا سے بہت بہتر رفیق ہیں۔ پھر وہ سمجھتا ہے کہ جدائی

عارضی ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہ اعزّا بھی اس کے ساتھ آملیں گے۔ وہ جانتا ہے کہ مَوت اس کے لئے اس دنیا سے بہتر گھر کا دروازہ کھولنے والی ہے۔ اس لئے مومن کی جدائی میں بھی ایک خوشی ہوتی ہے۔ جو دوسروں کی جدائی میں نہیں ہوتی۔

''دنیاوی جدائیوں اور صدموں پر بھی مومن خیال کرتا ہے کہ قرآن کہتا ہے وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ کہ مومن ایسے موقعہ پر صبر کرتا ہے۔ کیونکہ خدا کا وعدہ ہے کہ اگر تم کسی چیز کی جدائی کے غم پر صبر کرو گے تو اس سے بہتر چیز ملے گی۔ پس دنیا کی جدائی میں بھی ایک اور سامانِ راحت پیدا کیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ صادق الوعد اور کون ہوسکتا ہے۔ چونکہ خدا نے مومن کی کامیابی کے دروازے کھول رکھے ہوتے ہیں اس لئے وہ کسی بات سے گھبراتا نہیں۔ ہر رنج اور تکلیف کو اپنے لئے بہتر خیال کرتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیر آں گنجِ کرم بنہادہ است

پس مومن کے لئے ہر تکلیف ایک ترقی کا پیش خیمہ ہوتی ہے

(نوٹ) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی معیّت میں تمام مجمع کا فوٹو لیا گیا۔ نیز اسی الوداع کے سِلسلہ میں ۵ مارچ کو خان صاحب کی اہلیہ محترمہ کو جو لجنہ اماء اللہ شملہ کی صدر ہیں۔ احمدی مستورات شملہ و دہلی نے پُر تکلف پارٹی دی اور ایڈریس ایک نقرئی طشتری میں پیش کیا جس کا موصوفہ نے نہایت موزوں جواب دیا۔''[۲۹]

## توفیقِ حجِ بیت اللہ

حضرت بھائی شیخ عبدالرحیم صاحب اور آپ کو ۱۹۳۴ء میں حج پر جانے کی توفیق ملی۔ خاں صاحب بیان کرتے تھے کہ ان دنوں یہ مشہور تھا کہ شاہ ابن سعود جو قریب میں ہی

تخت نشین ہوئے تھے۔کسی احمدی کے حج پر جانے کو پسند نہیں کرتے۔چنانچہ اس بارہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی طرف سے خط وکتابت کے جواب میں شاہ موصوف محترم نے مطلع کیا کہ مجھے کسی کے بھی حج پر اعتراض نہیں۔البتہ تبلیغ کی کسی کو اجازت نہ ہوگی۔مَیں نے اس بارے میں حضور سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص احمدیت کے متعلق ہم سے سوال کرے تو ہم کیا جواب دیں تو حضور نے فرمایا کہ اسے کہہ دیں کہ وہ افسرانِ متعلقہ سے اجازت حاصل کرلیں۔

آپ دونوں بفضلہٖ تعالیٰ ۱۸ فروری کو حج کے لئے روانہ ہوئے۔اور ۱۸ اپریل کو واپس آئے۔ ہر دو مواقع پر دفاتر صدر انجمن احمدیہ اور مدارس میں تعطیل کی گئی اور بہت سے احباب الوداع واستقبال کے لئے ریلوے سٹیشن قادیان پر حاضر تھے☆۔

## مراکزِ سِلسلہ میں خدمات

سرکاری ملازمت پر ایک اعلیٰ عہدہ پر متمکن رہنے کے ساتھ ہی آپ کو جماعتی تنظیم وتربیت اور تبلیغ کا نہایت سرگرم اور فعال رنگ میں خدمت کا ایک تہائی صدی تک مفید اور کامیاب تجربہ حاصل ہوا تھا۔اور ایک رُبع صدی سے آپ ممتاز احبابِ سِلسلہ میں شمار ہوتے تھے۔بعد وظیفہ یابی (پنشن) قادیان میں اور بعد تقسیمِ برّصغیر لاہور میں متعدد اعلیٰ مناصب سِلسلہ مثلاً نائب ناظر نظارت ہائے علیا وبیت المال، جوائنٹ ناظر وقائم مقام ناظر بیت المال اور قائم مقام ناظر ضیافت اور صدر مجلس کارپرداز بہشتی مقبرہ پر کامیابی کے ساتھ متمکن رہنا آپ کی حسنِ کارکردگی پر ایک بیّن دلیل ہے۔بعد ہجرت آپ کو لاہور میں بطور ناظر بیت المال ذمہ داری سونپی گئی۔۱۹۴۸ء میں آپ نے رخصت حاصل کی اور پھر بعض مجبوریوں کی وجہ سے باقاعدہ مزید خدمت کے لئے حاضر نہ ہوسکے۔البتہ کبھی کبھار پھر بھی کچھ خدمت کرپائے۔۱۹۳۲ء تا ۱۹۴۸ء آپ کی یہ سولہ سالہ خدمت محض حصولِ

☆: روانگی کا پروگرام (الفضل ۱۵ فروری) الوداع کے وقت احباب کی شمولیت اور دعا (۲۰ فروری) اور دونوں کی مراجعت پر کثیر جماعت کا سٹیشن پر استقبال کرنا (۲۲ اپریل) زیر ''مدینۃ المسیح''۔

رضائے الٰہی کے لئے رضا کارانہ اور اعزازی اور بغیر کسی معاوضہ کے تھی۔اور یہ امر مال ومنال سے بے رغبتی،حوصلہ اور صبر اور قناعت اور ہمت اور فدائیت کا ایک شاہکار تھا۔اس عرصہ میں جنگ عظیم دوم کا زمانہ بھی آیا جس کے آخر میں حد درجہ کی مہنگائی کے سیلاب نے آلیا اور بعد ازاں تقسیم ملک کے باعث آپ کا بھی مال ومتاع قادیان میں ضائع ہوا اور از سرِ نو آباد کاری کا آپ کو سامان کرنا پڑا۔آپ کا گذارہ پنشن پر تھا☆۔

بعض خدمات کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

(۱):ابتدا میں مرکز میں جو ذمہ داری آپ پر عائد ہوئی اس بارے میں ۱۹۳۳ء کی سالانہ رپورٹ میں مرقوم ہے:

''فی الحال فروری ۳۳ء سے حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے خاں صاحب بابو برکت علی صاحب شملوی پنشنر کو نائب ناظر کے عہدہ پر مقرر فرما کر دفاتر کی نگرانی ان کے سپرد فرمائی ہے۔ان کا کام سردست ابتدائی حالت میں ہے۔اور انہوں نے دفتری کاروبار کی اصلاح وترقی کے متعلق ایک سکیم صدر انجمن احمدیہ میں پیش کر کے منظور کرالی ہے۔جس پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے☆۔''

(۲):چندہ دہند افراد کے بجٹ آمد کی تشخیص ہر سال بذریعہ مقامی جماعت اور انسپکٹران نظارت بیت المال ہوتی تھی۔بعض افراد نادہند تھے اور بعض باشرح چندہ نہ دیتے تھے۔صدر انجمن احمدیہ پر بہت بھاری بار ہو گیا۔تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے

---

☆: میزانیہ صدر انجمن احمدیہ میں سوائے ایک دو سال کے ہر سال عملہ میں آپ کا نام درج ہو کر ہمیشہ ساتھ ہی یہ تحریر ہوتا تھا کہ آپ اعزازی کارکن ہیں نیز ذیل کی سالانہ رپورٹوں میں بھی یہ امر مرقوم ہے کہ سات یا آٹھ ایسے احباب میں سے آپ ایک تھے جو اعزازی طور پر بلا معاوضہ سلسلہ کی خدمت بجالاتے تھے۔(سالانہ رپورٹ ۳۴۔۱۹۳۳ء (ص ۲۵۹) ۳۵-۱۹۳۴ء (ص ۱۵) ۳۷-۱۹۳۶ء (ص ۳۰۳)

☆: رپورٹ ۳۳۔۱۹۳۲ صفحہ ۱۸۲ یہ روئیداد آپ کے تقرّر کے جلد بعد کی ہے۔چنانچہ الفضل میں مرقوم ہے خاں صاحب منشی برکت علی صاحب پنشن لینے کے بعد شملہ سے مستقل طور پر اب قادیان تشریف لے آئے ہیں۔اہل وعیال بھی ہمراہ ہیں۔۲۹

مشاورت ۱۹۳۳ء میں فرمایا:

''صحیح طریق عمل یہ ہے کہ ہر جماعت کے متعلق طے کرلو کہ اس کے لئے کتنا چندہ ادا کرنا واجب ہے۔ اگر وہ جماعت ......... اسے پورا نہیں کرتی بغیر کسی معقول وجہ کے تو جو کچھ باقی رہتا ہے وہ اس پر قرض ہے......... یہ طریق عمل یا تو بجٹ کی کمی پوری کردے گا یا منافقین کو جماعت سے جدا کردے گا......... اس طرح وہ جماعت مجبور ہوگی کہ جو لوگ نادہند ہیں انہیں ہمارے سامنے پیش کرے.........''۳۱

تشخیص آمد کی باقاعدگی اور اصلاح کے لئے یہ کام آپ نے دس جائنٹ ناظران بیت المال مقرر کرکے ان کے سپرد فرمایا۔ ان میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ، حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ اور حضرت منشی برکت علی صاحبؓ شامل تھے۔ چنانچہ بجٹ آمد قریباً ساڑھے چھیاسی ہزار روپیہ پہلے سال میں اضافہ ہوکر دو لاکھ ساڑھے چھیالیس ہزار سے قدرے بڑھ گیا۔ چند سال تک یہ ہنگامی طریق کار جاری رہا اور دو سال خاں صاحب کے سپرد یہ کام رہا☆۔

(۳): شوریٰ ۱۹۳۸ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ایک کمیٹی اس بارے میں مشورہ پیش کرنے کے لئے مقرر کی تھی کہ جس طرز پر تحریک جدید کے ماتحت واقفینِ زندگی کو خدمتِ سِلسلہ کے لئے لیا جاتا ہے۔ کیا اسی طرز پر صدر انجمن کے لئے کارکنان کو لیا جانا مناسب ہوگا یا نہیں۔ اصل ناظر صاحب بیت المال کے حضور کی معیّت میں سفر پر جانے کے باعث منشی برکت علی صاحب نے بطور جائنٹ ناظر بیت المال اس کمیٹی کے سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیئے۔۳۲

---

☆: رپورٹ ہائے سالانہ ۳۴-۱۹۳۳ء (ص ۹۰ تا ۹۵) و ۳۶-۱۹۳۵ء (ص ۱۹۲ تا ۱۹۶) آپ اس سال نظارت ہائے علیا بیت المال میں نائب ناظر متعین تھے۔ اور صدر انجمن کے سات اعزازی کارکنوں میں سے تھے۔ (ص ۲۶۳) جائنٹ ناظر صاحبان کا ایک حصہ ہر سال نیا ہوتا تھا۔ اور حضور ان کا تقرر فرماتے تھے۔ ۳۵-۱۹۳۴ء میں آپ کا نام ان میں شامل نہیں تھا۔ لیکن آپ اس وقت نظارت بیت المال سے وابستہ تھے۔

(۴): تقسیم مُلک کے وقت جو قیامت منظر حالات رونما ہوئے۔اس وقت جو احباب پھر بھی خدمتِ سِلسلہ میں جُٹ گئے۔ان کی خدمات نہایت قابلِ قدر ہیں۔محترم خاں صاحب بھی ایسے احباب میں سے تھے۔میزانیہ صدرانجمن احمدیہ پاکستان بابت ۴۹-۱۹۴۸ء کی ’’عرض داشت‘‘ کا ایک حصہ حالات کی وضاحت کرنے کے لئے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

’’وسط اگست سال گذشتہ کے بعد ہی دشمنِ اسلام نے جو شر انگیزیاں کیں اس کے نتیجہ میں جہاں اور لاکھوں اسلام کے نام لیواؤں نے نقصان اٹھایا وہاں ہم پر بھی ایسے مظالم ڈھائے گئے۔کہ مجبوراً ہم میں سے ایک بڑی جماعت کو جو ہمارے مقدس مرکز میں رہا کرتی تھی۔وہاں سے نکلنا پڑا۔تقسیم پنجاب کے فیصلہ کے معاً بعد ہی حالت یہ ہوگئی کہ ہمارے مقدس مرکز کو تمام دنیا تو الگ۔قریب قریب کے گاؤں سے بھی کاٹ دیا گیا۔ریل گاڑی پہلے ہی بند کردی گئی تھی۔ڈاک بھی بند کردی گئی۔تار بھی کاٹ دی گئی۔اور ٹیلیفون سسٹم بھی بند کردیا گیا۔کچھ دن ہوائی جہاز کے ذریعہ ڈاک آتی جاتی رہی۔لیکن پھر جہازوں کا آنا بھی ممنوع قرار دیا گیا۔اور حالت ایسی ہوگئی کہ جیسے پرانے زمانے میں سمندر میں ایک کشتی کے سواروں کی خیال کی جاسکتی ہے۔جب کہ اس کشتی کے اردگرد سمندری درندے منڈلا رہے ہوں۔حتیٰ کہ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ قادیان سے باہر جا کر ایسی سبیل کریں کہ ان درندوں سے بھی نجات ملے اور کشتی بھی ساحل پر لگے۔پس حضور ۳۱ اگست کی شام کو ساڑھے چار بجے کے قریب لاہور تشریف لے آئے دوسرے دن صبح گیارہ بجے جو دھامل بلڈنگ میں جہاں آج کل ہمارے دفاتر ہیں حضور نے چند احباب کو طلب فرمایا اور اس وقت کے حالات کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ پاکستان میں ایک علیحدہ صدرانجمن قائم کی جائے اور ذیل کے احباب کو ان کا ممبر

مقرر فرماتے ہوئے ہدایات دیں کہ یہاں پر دفاتر کس طرح کام کریں:

۱۔ناظر اعلیٰ　　　　نواب محمد عبداللہ خاں صاحب
۲۔ناظر بیت المال　　　　خاں صاحب منشی برکت علی صاحب............
۳۔ناظر دعوت تبلیغ　　　　نواب محمد دین صاحب☆

''قادیان میں وسط اگست ۱۹۴۷ء تک ہماری مالی حالت بہت ہی گر گئی۔کیونکہ قادیان میں شروع اگست سے باہر سے کوئی رقم نہ آنے دی گئی۔اس لئے دفتر محاسب............کی ایک شاخ لاہور میں کھلوادی گئی۔لیکن یہاں بھی فسادات کی وجہ سے نہ تو ڈاک کا خاطرخواہ انتظام تھا اور نہ ہی آمدورفت کا اور جب یکم ستمبر ۱۹۴۷ء کو صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا تو آمد دس اور پندرہ روپیہ روزانہ رہ گئی تھی۔حالانکہ قادیان میں اوسط آمد عام حالات میں اڑھائی ہزار روپیہ روزانہ سے بھی اوپر تھی☆☆۔

''بہرحال قیام صدر انجمن احمدیہ پاکستان پر صدر انجمن احمدیہ پاکستان

---

☆: دیگر ناظر وارکان میں چوہدری سر محمد ظفراللہ خانصاحب شیخ بشیر احمد صاحب (ایڈوکیٹ لاہور) مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے محمد صدیق صاحب (حال انچارج خلافت لائبریری ربوہ) ملک سیف الرحمٰن صاحب (حال مفتی سِلسلہ ربوہ) مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب ربوہ وغیرہ تھے۔

☆☆: محترم مرزا عبدالحق صاحب ایڈوکیٹ (حال امیر جماعت ہائے سابق پنجاب وبہاولپور) آخری قافلہ میں بتاریخ ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء قادیان سے گئے تھے۔۳۱ اکتوبر کو قادیان پر حملہ کے بعد ایک مکتوب قلمی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے نام موصول ہوا تھا (جوافسوس کہ ان کے پاس اب محفوظ نہیں) جو میں نے بھی پڑھا تھا۔اس میں ذکر تھا کہ کس طرح صدر انجمن احمدیہ کی آمد ایک یا دوصد روپیہ ماہوار رہ گئی ہے۔قادیان وغیرہ سے جو احباب ہجرت کر کے آتے ہیں ان کے کھانے وغیرہ کا انتظام بھی کرنا ہوتا ہے۔بہت مشکل پیش آرہی ہے۔اور اب اضلاع سیالکوٹ وغیرہ میں بعض احباب کو بھجوایا گیا ہے تا جماعتوں کو تلقین کریں کہ وہ چندے بھجوائیں۔

نے جس کا عارضی طور پر لاہور مرکز مقرر کیا گیا تھا۔ یہ مناسب سمجھا کہ جب تک آمد کی خاطر خواہ صورت نہ نکلے احباب جماعت سے آنریری خدمات حاصل کی جائیں تا ایک طرف حضور ......... کی ہدایات کو عملی جامہ پہنایا جاسکے اور دوسری طرف احباب جماعت کو بھی ثواب کا موقع مل جائے۔ چنانچہ ان ایام میں کئی احباب نے اپنے آپ کو پیش کیا......... ☆ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے لئے آمد کا انتظام کرنا آج کل کے حالات کے ماتحت خطرہ سے خالی نہیں۔ اس کی آمد اب صرف انہی درویشوں کے چندوں کی رہ گئی ہے جن کو تخت گاہِ رسول کی حفاظت کی سعادت حاصل ہے اور جن کی تعداد ۳۱۳ کے لگ بھگ رہتی ہے ☆۔"

(۵): جماعت احمدیہ کے اکسٹھویں سالانہ جلسہ دسمبر ۱۹۵۱ء پر ربوہ کے بے آب وگیاہ میدان میں ممالک غیر اور پاکستان کے تیس ہزار افراد کا عظیم الشان اجتماع ہوا۔ اور احباب نے علم وعرفان کے انمول موتیوں سے اپنے دامن بھر لئے۔ انتظام کے تعلق میں مرقوم ہے:

---

☆: یہاں یہ بھی ذکر ہے کہ بعض احباب نے اپنے کاروبار بند کر کے یا رخصت لے کر کام کیا ان میں ذیل کے اسماء درج ہیں۔ (۱) چوہدری فضل احمد صاحب کراچی (۲) چوہدری لطیف احمد صاحب کراچی (جو چند سال قبل ایک ہوائی حادثہ میں جاں بحق ہو گئے تھے)۔ (۳) قریشی محمد طفیل صاحب اختر کراچی۔ (۴) شیخ محبوب الٰہی صاحب لاہور (اصل متوطن کشمیر)۔ (۵) بابو عبدالحمید صاحب آڈیٹر لاہور (حضرت موصوف اکتوبر ۱۹۶۹ء میں وفات پاگئے رضی اللہ عنہ)۔ (۶) عبدالحمید صاحب عارف لاہور۔ (۷) چوہدری عبدالرحمٰن صاحب حال مقیم لندن خلف حضرت چوہدری غلام محمد صاحب مینیجر نصرت گرلز ہائی سکول (قادیان)۔

☆: ص ۱، ۲۔ صدر بجٹ کمیٹی ناظر بیت المال خاں صاحب منشی برکت علی صاحب اور دیگر ارکان محاسب مرزا عبدالغنی صاحب مرحوم و چوہدری عزیز احمد صاحب (حال ناظر بیت المال خرچ ربوہ) و آڈیٹر سید محمود عالم صاحب مرحوم کی طرف سے یہ میزانیہ شائع ہوا۔ (ص ۶)

۱۔افسر جلسہ سالانہ — خاں صاحب منشی برکت علی خاں صاحب۔
۲۔کوارڈینیٹنگ آفیسر — حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ملک غلام فرید صاحب۔
۳۔ناظم جلسہ سالانہ — صوفی محمد ابراہیم صاحب..........‘‘

## شوریٰ کی عظیم اہمیّت

’’وشاورھم‘‘ کے ارشاد کے الٰہی کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۹۲۲ء سے نمائندگان جماعت ہائے کی باقاعدہ مشاورت کا اہتمام فرمایا۔جس میں بعض سالوں میں جماعت شملہ اور مرکز کی نمائندگی کرنے کی خاں صاحب کو توفیق ملی۔اس کی عظیم اہمیت کے تعلق میں ۱۹۲۶ء کی شوریٰ میں حضور نے فرمایا تھا:

’’قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی یہ خصوصیت بیان فرمائی ہے کہ وہ تمام امور باہمی مشورہ سے طے کیا کرتے ہیں..........سب سے پہلی کتاب قرآن ہی ہے جس نے توجہ دلائی ہے کہ ایمان اور اسلام کی شاخوں میں سے ایک شاخ مشورہ بھی ہے..........(گویا) بسا اوقات خدا تعالیٰ خاص لفظی الہام اور وحی کی بجائے اپنے ارادوں کو دوسروں کے ارادہ میں مخفی کر کے ظاہر کرتا ہے۔کیونکہ اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر مشورہ کرنا مومنوں کے ایمان کا جزو نہیں ہوسکتا..........

’’رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مشورہ کی یہاں تک تاکید فرمائی ہے کہ جس امر میں مشورہ نہیں ہوتا اس میں خدا تعالیٰ کی برکات نہیں ہوتیں۔آپؐ نے فرمایا۔دیکھو خدا اور اس کا رسول تمہارے مشورہ کا محتاج نہیں..........خدا تعالیٰ کی طرف سے..........اس کے پاس سب کچھ ہوتا ہے۔اس لئے وہ بھی محتاج نہیں۔مگر فرمایا مشورہ رحمت ہے۔اس لئے کہ رسول..........اسوہ ہوتا ہے۔اگر رسول مشورہ نہ کرتا تو جب استبدادی زمانہ آتا لوگ کہتے ہیں رسول نے کبھی مشورہ نہیں لیا تھا۔ہم اس سنّت پر عمل کریں گے۔

''ہماری ..........(اس) مجلس مشاورت..........کی پوری عظمت محسوس نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ یہ ابھی بیج کی طرح ہے.......... ہمارے سامنے جو مستقبل ہے..........اس سے بھی زیادہ شاندار ہے جو آج تک کسی فاتح قوم نے دیکھا ہے۔ کیونکہ کبھی کسی قوم کے متعلق یہ وعدہ نہیں دیا گیا کہ ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ جائے گا کہ دوسرے لوگ..........ایسے کمزور ہوجائیں گے کہ ان کی مثال چوہڑے، چماروں کی سی ہوجائے گی۔ مگر ہمارے مستقبل کے متعلق یہی خبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ دی گئی ہے..........کہ دوسرے مذہب والے اتنے قلیل رہ جائیں گے کہ ہم کہہ سکیں گے کہ اسلام ہی اسلام دنیا میں نظر آتا ہے.......... ہمارے مشوروں کا تعلق اسی مستقبل سے نہیں.......... بلکہ (انہیں) آج بھی ویسی ہی اہمیت حاصل ہے بلکہ آج اس وقت سے بھی زیادہ ہے..........آج ہم جو فیصلے کریں گے۔ آنے والے لوگ ان کے بدلنے کی آسانی سے کوشش نہیں کرسکیں گے۔ بعد میں آنے والے لوگ پہلوں کا ادب واحترم کرتے ہیں اور یہ بھی سنّت ہے کہ نبی کے قریب کے زمانہ کے فیصلوں کو اسلام اور دین بھی خاص وقعت دیتا ہے۔ اور اس کا نام اجماع اور سنت رکھا جاتا ہے..........(جس طرح کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرھما صحابہ نے فلاں بات غلط کی یا کہی) اسی طرح..........آپ میں سے بہتوں کا یہی ادب اور یہی احترام کیا جائے گا۔ اس وقت بڑے بڑے حاکموں کی قدر نہ ہوگی کہ یہ کہہ سکیں پہلے لوگوں نے فلاں فعل غلط کیا۔ اور اگر کوئی کہے گا تو ساری رعایا اس کے خلاف کھڑی ہوجائے گی کہ تم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حواریوں یا ان کے دیکھنے والوں کی ہتک کرتے ہو..........گویا..........دنیا کی فتح کا ارادہ رکھنے والے بلکہ دنیا کو فتح کرکے دکھادینے والے ایک طرف تو دنیا فتح کررہے ہوں گے۔ مگر دوسری طرف ان میں اتنی ہمت نہ

ہوگی کہ تم لوگ جو مَر کہ سینکڑوں من مٹّی کے نیچے دفن ہوگے۔تمہاری رائے کو ردّ کر سکیں۔جب یہ حالت ہوتی ہے تو سوچ لو کہ تمہیں کس قدر خشوع وخضوع کے ساتھ دعا کرکے رائے دینی چاہیئے۔اور کس قدر غور وفکر کے بعد............اپنا خیال ظاہر کرنا چاہیئے............

''خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اپنی قوم سے کہو وہ اپنے نمائندے بھیجے جنہیں میں اپنا کلام سناؤں۔جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں یہ کہا تو انہوں نے کہد یا موسیٰ تو جا ہم نہیں جاتے۔اس پر خدا تعالیٰ نے کہا۔اب میں انہیں کلام نہیں سناؤں گا۔اور ان کے بھائیوں میں سے نبی برپا کروں گا۔ایسے لوگ جو سِلسلہ کے مقام کا ادب واحترام نہیں سمجھتے۔یہ نہیں جانتے کہ یہ خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ کسی کو اس مجلس میں نمائندہ بنایا جاتا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا انہیں............اتنی بڑی عزّت دینا ہے کہ ہفت اقلیم کا بادشاہ بھی ہو تو وہ اس مجلس کی ممبری جسے آئندہ دنیا کو ڈھالنا ہے۔بہت بڑی عزّت سمجھے گا☆۔''

## خدماتِ مرکز طائرانہ نظر میں

مراکزِ سِلسلہ میں خدمات اور اس تعلق میں شوریٰ میں شرکت کا ایک مختصر نقشہ حاشیہ میں پیش کیا گیا ہے☆☆۔

---

☆:احمدیہ گزٹ ۲۶ فروری ۱۹۲۷ء (ص ۱ تا ۳)

☆☆:اس نقشہ کے تعلق میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مشاورت کے ذکر میں اس سال کی مشاورت کی رپورٹ کے صفحات مرقوم ہیں۔اور دیگر صفحات سالانہ رپورٹوں کے ہیں۔

(۱):فروری تا اپریل ۱۹۳۲ء نظارت عُلیا میں نائب ناظر (رپورٹ سالانہ بابت ۳۳-۱۹۳۲ء ص ۱۸۲) مشاورت ۱۹۳۲ء نمائندہ جماعت شملہ (ص ۱۱۱) کمیٹی نظارت بیت المال میں نام بابو برکت علی صاحب شملوی حال قادیان (ص ۵۵)

(۲):۳۴-۱۹۳۳ء نائب ناظر نظارت عُلیا (ص ۲۵۹) بجٹ آمد جماعت ہائے چند اضلاع کے لئے

## وفات وتدفین

۱۹۵۸ء کے موسم گرما میں آپ راولپنڈی تشریف لے گئے ہوئے تھے مختصر سی

بقیہ حاشیہ: مقررہ جائنٹ ناظر صاحبان بیت المال میں آپ بھی تھے۔(ص۹۴،۹۵)
مشاورت ۱۹۳۳ء فہرست مرکزی نمائندگان میں اول نام ناظر اعلیٰ کے بعد دوسرے نمبر پر آپ کا نام بطور نائب ناظر مرقوم ہے۔(ص۱۳۷) گویا مراد نائب ناظر نظارت عُلیا ہیں۔آپ کا نام کمیٹی امور عامہ نمبر۲ میں شامل تھا۔یہ بھی درج ہے کہ آپ قادیان نہیں آسکے آپ نے بہت افسوس اور معذرت ظاہر کی (ص۱۲۳) گویا آپ کسی وجہ سے قادیان سے باہر گئے ہوئے تھے۔

(۳): ۳۵-۱۹۳۴ء دفاتر کی بعض شِقوں کی نگرانی کا کام جو دفاتر کے محرّرین سے متعلق تھیں۔ناظر اعلیٰ یا آپ نائب ناظر نظارت عُلیا کی زیر ہدایت سپرنٹنڈنٹ دفاتر کرتے تھے۔(ص۱۳) نائب ناظر بیت المال بھی تھے۔خانصاحب منشی برکت علی صاحب شملوی نائب ناظر بیت المال نے جو تبدیلئ آب وہوا کے لئے کشمیر گئے تھے۔واپس آکر ۵ نومبر سے اپنے عہدے کا چارج سنبھال لیا۔(الفضل ۸ نومبر ۱۹۳۴ء زیر ''مدینۃ المسیح'')

(۴): ۳۶-۱۹۳۵ء تشخیص میزانیہ آمد کے لئے منجملہ جائنٹ ناظر صاحبان بیت المال آپ بھی تھے۔(ص ۱۹۵) مشاورت ۱۹۳۵ء بطور جائنٹ ناظر بیت المال رکن کمیٹی نظارت ہذا (ص۳۹، فہرست میں عہدہ نائب ناظر درج ہے۔ص۱۰۷)

(۵): ۳۷-۱۹۳۶ء نظارت ہائے عُلیا و بیت المال میں نائب ناظر اور کچھ عرصہ قائم مقام ناظر بیت المال اور اسی قائمقام حیثیت سے سالانہ رپورٹ آپ کی طرف سے درج ہے۔(ص۲۰۵،۳۰۳،۲۴۴)
شوریٰ اپریل ۱۹۳۶ء رُکن کمیٹی نظارت بیت المال (ص۹۲)

(۶): ۳۸-۱۹۳۷ء جائنٹ ناظر بیت المال وزائد از نصف سال قائم مقام ناظر بیت المال اور بطور قائم مقام رپورٹ درج ہے۔(ص ۲۴۰ وغیرہ) مشاورت ۱۹۳۷ء شرکت بطور نائب ناظر بیت المال (ص۱۹۲ء)

(۷): ۳۹-۱۹۳۸ء جائنٹ ناظر بیت المال وسات ماہ تک قائم مقام ناظر بیت المال (ص۳۲،۲۴۲) مشاوت ۱۹۳۸ء بطور قائم مقام ناظر بیت المال رکن کمیٹی بیت المال (ص۱۴،۱۵۷) بطور قائم مقام آپ

علالت کے بعد وہاں ہی مؤرخہ ۷ اگست ۱۹۵۸ء آپ کی وفات ہوئی۔ بوقت وفات

بقیہ حاشیہ: کی طرف سے میزانیہ صدر انجمن برائے ۳۹-۱۹۳۸ء شائع ہؤا۔

(۸): ۴۰-۱۹۳۹ء جائنٹ ناظر اور کچھ عرصہ قائم مقام ناظر بیت المال اور اسی حیثیت سے یہ سالانہ رپورٹ آپ کی طرف سے درج ہے۔(ص ۲ وغیرہ) مشاورت ۱۹۳۹ء رُکن کمیٹی نظارت بیت المال (ص ۱۳۵،۲۱) میزانیہ ۴۰-۱۹۳۹ء آپ جائنٹ ناظر بیت المال کی طرف سے شائع ہؤا۔

(۹): ۴۱-۱۹۴۰ء جوائنٹ ناظر اور کچھ عرصہ ناظر بیت المال (ص ۴۷) یہ سالانہ رپورٹ آپ کی طرف سے بطور ناظر بیت المال درج ہے(ص ۸۱) منظور شدہ میزانیہ کی جِلد برائے آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ سپرنٹنڈنٹ دفاتر سید محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کی قلم سے ریز رو بنک کے چودہ حصہ داروں کے اسماء میں خاں صاحب کا نام بھی مرقوم ہے(یہ جلد اس وقت نظارت بیت المال خرچ) قادیان میں موجود ہے۔مشاورت ۱۹۴۰ء نائب ناظر بیت المال ورکن کمیٹی نظارت بیت المال (ص ۱۲، ۱۹۳)

(۱۰): ۴۲-۱۹۴۱ء جوائنٹ ناظر اور چند ماہ ناظر بیت المال (ص ۲۸) یہ سالانہ رپورٹ بطور ناظر آپ کی طرف سے درج ہے۔آپ کے متعلق الفضل میں زیر''مدینۃ المسیح''مرقوم ہے۔حسب سابق ناظر بیت المال ......کام کررہے ہیں۔(مورخہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۱ء) مشاورت ۱۹۴۱ء بطو جوائنٹ ناظر بیت المال رکن کمیٹی نظارت ہذا (ص ۶۴، ۱۴۰)

(۱۱): ۴۳-۱۹۴۲ء قریباً نصف نصف سال جائنٹ ناظر و ناظر بیت المال وصدر مجلس کارپرداز بہشتی مقبرہ (ص ۵۸، ۷۹) مشاورت ۱۹۴۲ء بطور جوائنٹ ناظر بیت المال رکن کمیٹی نظارت ہذا(ص ۳) میزانیہ برائے ۴۳-۱۹۴۲ء آپ جوائنٹ ناظر بیت المال کی طرف سے برائے شوریٰ شائع ہوا۔

(۱۲): ۴۴-۱۹۴۳ء( آئندہ سال میں مشتر کا مرقوم ہے ) مشاورت ۱۹۴۳ء بطور جوائنٹ ناظر بیت بقیہ حاشیہ: المال ورکن کمیٹی نظارت ہذا و بہشتی مقبرہ (ص ۱۸) شوریٰ کیلئے آپ قائم مقام ناظر بیت المال کی طرف سے میزانیہ برائے ۴۴-۱۹۴۳ء شائع ہؤا۔

(۱۳): ۴۵-۱۹۴۴ء جوائنٹ ناظر بیت المال تین ماہ کی رخصت پر رہے۔اس سال اور گذشتہ سال قریباً تین تین ماہ بطور ناظر کام کیا (ص ۱، ۱۵) رخصت سے واپس آکر کام پر آجانے کا ذکر۔(الفضل ۱۲۸ اکتوبر ۱۹۴۳ء زیر''مدینۃ المسیح'') مشاورت ۱۹۴۴ء بطور جوائنٹ ناظر بیت المال رکن کمیٹی نظارت ہذا(ص ۲۵، ۸۹، ۱۸۶)

آپ کی عمر ۸۶ سال تھی۔آپ کی وفات کی خبر مؤقر روزنامہ الفضل نے حسب ذیل الفاظ میں دی:

## محترم خانصاحب برکت علی صاحب شملوی رضی اللہ عنہ وفات پا گئے

**انا للّٰہ وانا الیہ راجعون**

''یہ خبر جماعت میں نہایت افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرانے اور مخلص صحابی محترم خاں صاحب

(۱۴): ۴۶-۱۹۴۵ء رپورٹ سالانہ غالباً طبع نہیں ہوئی۔مشاورت ۱۹۴۵ء رکن کمیٹی نظارت بیت المال بطور جوائنٹ ناظر بیت المال (ص۳،۲۰،۱۷۲)

(۱۵): ۴۷-۱۹۴۶ء ڈیڑھ ماہ کیلئے قائم مقام ناظر ضیافت مقرر ہوئے۔آپ جوائنٹ ناظر بیت المال دوماہ کی رخصت پر قادیان سے باہر گئے ۔اور بعد رخصت واپس آئے دزیر''مدینۃ المسیح''الفضل ۲۸ فروری و۳۰ اپریل ۱۹۴۷ء)

(۱۶): ۴۸۔۱۹۴۷ء جوائنٹ ناظر بیت المال ۔مئی تا اکتوبر ۱۹۴۷ء قائم مقام ناظر بیت المال (ص۲۰)

(۱۷): ۴۹-۱۹۴۸ء''خاں صاحب منشی برکت علی صاحب جوائنٹ ناظر بیت المال بھی اس عرصہ میں صرف سات یوم کام کرسکے۔اس کے بعد بوجہ علالتِ طبع رخصت پر چلے گئے ............عملاً سالِ تمام رخصت بیماری پر ہی رہے۔''(ص۴۷)اس سال کا میزانیہ برائے شوریٰ آپ ناظر بیت المال و صدر بجٹ کمیٹی کی طرف سے شائع ہوا۔

(۱۸): ۵۰-۱۹۴۹ء بوجہ علالتِ طبع وضعیف العمری کے تمام سال رخصت پر ہی رہے۔(ص۶۸،۶۹)

(۱۹): ۵۱-۱۹۵۰ء مکرم جناب قاضی عبداللہ صاحب............مستقل ناظر (ضیافت)............کے وقتاً فوقتاً رخصت پر جانیکی وجہ سے مکرم خاں صاحب منشی برکت علی صاحب اور مکرم بابو محمد عبداللہ صاحب علی الترتیب قائم مقام ناظر ضیافت مقرر ہوتے رہے۔''(ص۸۱)

(۲۰): ۵۳-۱۹۵۲ء منظور شدہ میزانیہ میں آپ کا نام بطور اعزازی افسر جلسہ سالانہ کے مرقوم ہے(ص۳۹)

برکت علی صاحب شملوی رضی اللہ عنہ مورخہ ۷ اگست ۱۹۵۸ء گیارہ بجے صبح راولپنڈی میں وفات پا گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۶ سال تھی۔ آپ ۱۹۰۱ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کر کے سِلسلہ احمدیہ میں شامل ہوئے تھے۔ آپ محترم خاں صاحب مولوی فرزند علی صاحب کے حقیقی ماموں تھے۔

''آپ ایک زمانے میں عرصہ دراز تک جماعت احمدیہ شملہ کے امیر رہے اور اپنے زمانہ امارت میں بہت اہم خدمات سرانجام دیں۔ سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ ایک لمبا عرصہ مرکز سِلسلہ میں آنریری جوائنٹ ناظر بیت المال کے طور پر خدمت سرانجام دیتے رہے۔ آپ علم دوست۔ مخیّر اور سِلسلہ احمدیہ کے لئے بڑھ چڑھ کر قربانی کرنے والے بزرگ تھے۔ اپنی اہلیہ صاحبہ محترمہ کی وفات پر ان کی یاد میں آپ نے اشاعت اسلام کی غرض سے ہزاروں روپے کا ایک ٹرسٹ قائم کیا نیز ربوہ میں ایک پختہ مکان تعمیر کرا کر اسے صدر انجمن احمدیہ کے نام ہبہ کر دیا۔ اسی طرح آپ اپنے طور پر غرباء کی مالی امداد میں بھی ہمیشہ پیش پیش رہتے اور اکثر وظائف اور امدادی رقوم عطا فرماتے۔ سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد پہلے قادیان میں اور قیام پاکستان کے بعد ربوہ میں سکونت اختیار کی۔ اس سال موسم گرما میں عارضی طور پر راولپنڈی تشریف لے گئے اور وہیں وفات پائی۔''[۳۳]

آپ کی وفات کی خبر سن کر حضرت مرزا بشیر احمد رضی اللہ عنہ نے حسب ذیل نوٹ الفضل میں شائع کروایا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''ابھی ابھی فون پر محمود احمد خاں صاحب نائب امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی نے اطلاع دی ہے کہ آج صبح گیارہ بجے پنڈی میں خاں صاحب برکت علی خان صاحب شملوی کا انتقال ہوگیا ہے۔ اور ان کا جنازہ آج ۷/۸/۵۸ شام کو بذریعہ ٹرک پنڈی سے روانہ ہو کر انشاء اللہ

تعالیٰ کل صبح ربوہ پہنچے گا۔انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔خاں صاحب موصوف حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے صحابی تھےاور بہت نیک اورمخلص اور سادہ مزاج بزرگ تھے ان کی بیعت ۱۹۰۰ء یا ۱۹۰۱ء کی ہے ان کو دوزمانوں میں سِلسلہ کی خاص خدمت کا موقعہ میّسر آیا۔اولاً۔جماعت احمدیہ شملہ کے صدراورامیر کی حیثیت میں۔جب کہ انہوں نے شملہ کی جماعت کوغیر معمولی حسنِ تدبّر کے ساتھ سنبھالا اور ۱۹۱۴ء کے فتنۂ خلافت کے ایام میں خصوصیت کے ساتھ قابل قدرخدمات سرانجام دیں۔اور جماعت کے کثیر حصہ کولغزش سے بچا لیا شملہ کی جماعت میں ان کی صدارت اور امارت کا زمانہ اپنے نتائج کے لحاظ سے بڑاامتیاز رکھتا ہے۔اس کے بعد جب وہ پنشن پاکر قادیان تشریف لائے تو مرکز میں لمبے عرصہ تک جوائنٹ ناظر بیت المال کے عہدہ پر بہت مخلصانہ خدمات سرانجام دیں۔شملہ میں تنظیم اور باقاعدگی اورحسن تدبیر کی خوبیاں ان کے کام کی طرّۂ امتیاز تھیں۔خانصاحب مرحومؓ خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب کے حقیقی ماموں تھے۔

’’خاں صاحب برکت علی صاحب نے ۸۶ سال کی عمر میں وفات پائی ہے مگر ہمت اور جذبۂ خدمت کا یہ عالم تھا کہ غالباً دوسال ہوئے انہوں نے قرآنی علوم کے فہم کے متعلق ایک رسالہ تصنیف کر کے شائع کیا تھا جس کے بعض مضامین واقعی عمدہ اوراچھوتے تھے۔اسی طرح ان کی اکثر روایات بھی غالباً چھپ چکی ہیں۔

’’خاں صاحب مرحوم نے اپنے پیچھے کوئی اولادنہیں چھوڑی ان کی اہلیہ جو وہ بھی خاوند کی طرح بہت نیک اورمخلص تھیں۔ان کی زندگی میں ہی چند سال ہوئے فوت ہوگئی تھیں۔اور ربوہ کے مقبرہ بہشتی میں مدفون ہیں۔ مرحومہ کوحضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے ساتھ بہت عقیدت تھی۔اللہ تعالیٰ دونوں کوغریق رحمت کرے اوراپنے خاص افضال سے نوازے

اور جماعت میں ان کے امثال پیدا کر کے ان کے نیک عمل کو جاری رکھے آمین۔

خاکسار

مرزا بشیر احمد

۵۸/۸/۷-۳۴ھ ربوہ“

آپنے اپنی وفات سے قبل سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حسب ذیل کتبہ وفات کے بعد اپنی قبر پر نصب کئے جانے کی با قاعدہ تحریری اجازت اور منظوری حاصل فرمائی تھی۔ چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق بہشتی مقبرہ میں آپ کی قبر پر حسب ذیل کتبہ نصب کیا گیا۔

## نقل کتبہ خاں صاحب منشی برکت علی صاحب موصی نمبر ۲۹۱۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

کّل من علیھافان وّیبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

خاں صاحب منشی برکت علی صاحب

سابق امیر جماعت احمدیہ شملہ جوائنٹ ناظر بیت المال انجمن احمدیہ

مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے ۱۹۰۱ء میں حضور کے دست مبارک پر بیعت کی ۷ اگست ۱۹۵۸ء مطابق ۲۰ محرم ۱۳۷۸ ہجری کو بعمر تقریباً ۸۹ سال وفات پائی اور ۱۸ اپریل ۱۹۵۹ء کو یادگار بہشتی مقبرہ قادیان واقعہ ربوہ میں دفن ہوئے۔

انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون

اے خدا بر تربیت او بارشِ رحمت ببار
داخلش کن از کمالِ فضل دربَیت النعیم!

## حُسنِ خاتمہ

خدماتِ جلیلہ کے بعد آپ کی وفات ان خدمات کے شرفِ قبول پانے اور آپ کے حسنِ خاتمہ پر دلیل ہے۔ ۱۹۱۰ء سے آپ جماعت احمدیہ کے ممتاز ترین افراد میں شمار ہوتے تھے☆۔ آپ ان احباب میں سے تھے جو بعد پنشن خدمتِ سِلسلہ میں مرکز میں مصروف ہوئے۔ اور انہوں نے عمر بھر کی محنت توجہ اور جانفشانی سے کام کرنے کی توفیق پائی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے مشاورت منعقدہ اپریل ۱۹۳۶ء میں افتتاحی تقریر میں فرمایا:

"جو دوست پنشنز ہیں وہ قادیان میں آکر سِلسلہ کا کام کرنے کی کوشش کریں کیونکہ اس وقت کام بہت زیادہ ہے اور کام کرنے والے کم ہیں۔ پانچ سات ایسے دوست اب بھی کام کررہے ہیں۔ جن کا بیان ہے کہ تھوڑے سے عرصہ میں انہیں اتنا کام کرنا پڑا جتنا انہوں نے ساری عمر نہ کیا تھا۔ خاں صاحب فرزند علی صاحب اور خاں صاحب برکت علی صاحب کی شہادت ہے کہ انہیں یہاں سرکاری ملازمت کی نسبت بہت زیادہ کام کرنے کی توفیق حاصل ہورہی ہے۔" (رپورٹ ص۱۳۳)

ابھی آپ کو مرکز میں آئے صرف چار سال ہی ہوئے تھے اور اس کے بعد بارہ تیرہ سال مزید خدمات کا آپ کو موقعہ مِلا۔ جب آپ بعد پنشن قادیان آنے والے تھے تو حضور نے جذباتِ مسّرت محسوس کرنے کا اظہار فرمایا تھا۔ مناصبِ جلیلہ پر خاں صاحب کا حضور کی طرف سے فائز رہنا اس امر پر شاہد ناطق ہے کہ حضور آپ کی خدمات سے مسرور ومطمئن تھے۔

---

☆: مارچ ۱۹۱۰ء میں منعقد ہونے والے جلسہ سالانہ پر آنے والے چھپن ممتاز ترین احباب میں "بابو برکت علی صاحب وبرادران شملہ" یعنی بابو صاحب شمار کئے گئے تھے۔ (بدر ۳۱ مارچ ۱۹۱۰ء۔ ص۱)

## صحابہ کا پاک گروہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تذکرۃ الشہادتین میں رقم فرماتے ہیں:
''خدا اس جماعت کو ایک ایسی قوم بنانا چاہتا ہے جس کے نمونہ سے لوگوں کو خدا یاد آوے اور جو تقویٰ اور طہارت کے اوّل درجہ پر قائم ہوں اور جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم رکھ لیا ہو۔'' (ص ٧٦)
نیز فرمایا:
''اس (بیعت) کی برکات اور تاثیرات اسی شرط سے وابستہ ہیں جیسے ایک تخم زمین میں بویا جاتا ہے۔تو اس کی ابتدائی حالت یہی ہوتی ہے کہ گویا وہ کسان کے ہاتھ سے بویا گیا اور اس کا پتہ نہیں کہ اب وہ کیا ہوگا۔لیکن اگر وہ عمدہ ہوتا ہے..........تو خدا کے فضل سے اور اس کسان کی سعی سے وہ اوپر آتا ہے اور ایک دانہ کا ہزار دانہ بنتا ہے۔اسی طرح سے انسان بیعت کنندہ کو اول انکساری اور عجز اختیار کرنی پڑتی ہے اور اپنی خودی اور نفسیانیت سے الگ ہونا پڑتا ہے۔تب وہ نشوونما کے قابل ہوتا ہے۔'' ۳۵؎
حضور اشتہار ۴ مارچ ۱۸۸۹ء میں تحریر فرماتے ہیں:
''خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ محض اپنے فضل اور کرامتِ خاص سے اس عاجز کی دعاؤں اور اس ناچیز کی توجہ کو ان کی پاک استعدادوں کے ظہور و بروز کا وسیلہ ٹھہراوے اور اس قدوس جلیل الذّات نے مجھے جوش بخشا ہے۔تا مَیں اُن طالبوں کی تربیّتِ باطنی میں مصروف ہوجاؤں اور ان کی آلودگیوں کے ازالہ کے لئے دن رات کوشش کرتا رہوں۔اور ان کے لئے وہ نور مانگوں جس سے انسان نفس اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوجاتا ہے۔اور بالطبع خدا تعالیٰ کے راہوں سے محبت کرنے لگتا ہے۔اور ان کے لئے وہ روحِ قدس طلب کروں۔جو ربوبیّتِ تامہ اور عبودیتِ

خالصہ کے کامل جوڑ سے پیدا ہوتی ہے اور اس روحِ خبیث کی تسخیر سے ان کی نجات چاہوں کہ جو نفسِ امّارہ اور شیطان کے تعلّقِ شدید سے جنم لیتی ہے۔سو مَیں بتوفیقہٖ تعالیٰ کاہل اور سست نہیں رہوں گا۔اور اپنے دوستوں کی اصلاح طلبی سے جنہوں نے اس سِلسلہ میں داخل ہونا بصدقِ قدم اختیار کرلیا ہے۔غافل نہیں ہونگا۔بلکہ ان کی زندگی کے لئے موت تک دریغ نہیں کروں گا اور ان کے لئے خدا تعالیٰ سے وہ روحانی طاقت چاہوں گا جس کا اثر برقی مادہ کی طرح ان کے تمام وجود میں دوڑ جائے۔اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ان کے لئے جو داخلِ سِلسلہ ہوکر صبر سے منتظر رہیں گے۔ایسا ہی ہوگا۔کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا جلال ظاہر کرنے کے لئے اور اپنی قدرت دکھانے کے لئے پیدا کرنا اور پھر ترقی دینا چاہا ہے۔تا دنیا میں محبت الٰہی اور توبۂ نصوح اور پاکیزگی اور حقیقی نیکی اور امن اور صلاحیت اور بنی نوع کی ہمدردی کو پھیلا دے سو یہ گروہ اس کا ایک خالص گروہ ہوگا۔اور وہ انہیں آپ اپنی روح سے قوّت دے گا۔اور انہیں گندی زیست سے صاف کرے گا۔اور ان کی زندگی میں ایک پاک تبدیلی بخشے گا۔وہ جیسا کہ اس نے اپنی پاک پیشگوئیوں میں وعدہ فرمایا ہے۔اس گروہ کو بہت بڑھائے گا............اور وہ اس چراغ کی طرح جو اونچی جگہ رکھا جاتا ہے۔دنیا کی چاروں طرف اپنی روشنی کو پھیلائیں گے۔اور اسلامی برکات کے لئے بطور نمونہ کے ٹھہریں گے۔‘‘

یہ صحابہ کرام ان برکات وانوار کے حامل تھے اور ہمارے لئے قابلِ تقلید اسوہ۔اور رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے مصداق تھے۔

**وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین**

# حوالہ جات


۱: بحوالہ الفضل ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۸ء زیر ''مدینۃ المسیح''

۲: ملفوظات جلد اول صفحہ ۴۴۸

۳: ملخص از اخبار البدر ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳۹

۴: سیرۃ المہدی حصہ اوّل ۔ روایت ۱۴۸

۵: الحکم ۱۰ جون ۱۹۰۳ء ص ۱۰

۶: الحکم ۱۷ اپریل ۱۹۰۱ء ص ۸، ۹

۷: الحکم ۱۷ اپریل ۱۹۰۱ء ص ۱۰ کالم ۱

۸: ماہنامہ فرقان بابت نومبر ۱۹۴۲ء (ص ۲۱، ۲۲)

۹: رسالہ ستمبر ۱۹۰۹ء سرورق اوّل اندرون

۱۰: الفضل جلد ۱ نمبر ۵ ۔ مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۱۳ء (ص ۶)

۱۱: ''انتخاب خلافت'' (ص ۴۵، ۴۶)

۱۲: الفضل ۳ اپریل ۱۹۵۱ء ہفت روزہ الرحمت ۹ اپریل و الفضل ۱۲ جون ۱۹۵۱ء یہ سارے حالات خاں صاحب کے تحریر کردہ یا بیان کردہ ہیں جنہیں خاکسار نے مرتب کیا ہے۔

۱۳: الفضل ۲۶ ستمبر ۱۹۱۵ء ۔

۱۴: رپورٹ سالانہ ۔ ص ۶

۱۵: الفضل ۲۰ مارچ ۱۹۳۲ء (ص ۵)

۱۶: فروری ۱۹۱۱ ص ۷۴، ۷۳

۱۷: مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۱۰ء

۱۸: ریویو آف ریلیجنز (اردو) فروری ۱۹۱۶ء (سرورق صفحہ ماقبل آخر) سائز

۱۸۲۲۲/۸ مطبوعہ دسمبر ۱۹۱۵ء

۱۹: مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء

۲۰: مورخہ ۱۴ تا ۱۲۸ اکتوبر ۱۹۱۰ء (ص ۵ کالم ۲)

۲۱: رپورٹ صفحہ ۳۰

۲۲: الفضل ۲۶ جولائی ۱۹۴۴ء (ص ۵ کالم ۱)

۲۳: رپورٹ مشاورت ۱۹۲۷ء ص ۱۹، ۲۰

۲۴: بدر ۹/۲ ستمبر ۱۹۱۰ء (ص ۳ تا ۵)

۲۵: رپورٹ مشاورت ۱۹۲۸ء میں مندرج روئیداد نظارت بیت المال (ص۔۳۳)

۲۶: الفضل ۱۹ اپریل ۱۹۲۹ء (ص ۲)

۲۷: الفضل ۱۴ اگست ۱۹۲۸ء

۲۸: الفضل ۳ مارچ ۱۹۳۲ء

۲۹: الفضل ۲۰ مارچ ۱۹۳۲ء (ص ۵)

۳۰: مورخہ ۶ دسمبر ۱۹۳۲ء زیر مدینۃ المسیح

۳۱: رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۱۹

۳۲: اس کی روئیداد مندرجہ رپورٹ مشاورت ۱۹۳۹ء (ص ۳۲-۳۳-۱۶۳)

۳۳: الفضل ۱۹ اگست ۱۹۵۸ء

۳۴: الفضل ۱۰/۸/۵۸

۳۵: البدر ۱۶ نومبر ۱۹۰۳ء ص ۳۳۳

# انڈکس اصحاب احمد جلد سوم

## اسماء

﴿مرتبہ: عبدالمالک﴾

### الف

## ن

و



ہ



ی

# مقامات